جو دیکھا جو سنا۔۔۔

قیوم نظامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جو دیکھا جو سُنا۔۔

مشاہدات، تاثرات اور انکشافات پر مبنی ایک دلچسپ سیاسی سفر

قیوم نظامی

جہانگیر بُک ڈپو

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

http://www.apnaorg.com

http://www.apnaorg.com

انتساب ....

جمہوریت کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے شہیدوں، کوڑے کھانے والے سیاسی کارکنوں، قید و بند کی صعوبتیں اور جلاوطنی کی اذیت برداشت کرنے والے سیاست دانوں، خواتین، صحافیوں، وکلاء، طلبہ، محنت کشوں، کسانوں اور جمہوریت کے حامیوں

...... کے نام

"The Third World has to guard against hegemony but the best way to guard against hegemony is to prevent 'coupegemony'.The biggest link of external colonialism is internal colonialism. Militry coups d'etat are the worst enemies of national unity. Coupegemony is the bridge over which hegemony walks to stalk our lands"

Z.A .BHUTTO

(IF I AM ASSASSINATED)

محترم قارئین

السلام و علیکم!

''جو دیکھا جو سنا'' کے نام سے آپ بیتی اور جگ بیتی آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کتاب کا ہر باب دلچسپ ہے یادگار تاریخی واقعات ہر باب میں شامل کیے گئے ہیں۔ زبان آسان اور عام فہم ہے تاکہ کم پڑھا لکھا قاری بھی کتاب کا آسانی سے مطالعہ کر سکے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی شخصیت کو متوازن انداز میں پیش کیا گیا ہے تاکہ ان کی شخصیت کے تمام مثبت اور منفی پہلو قارئین تک پہنچ جائیں۔ پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت پی پی پی کن حالات میں وجود میں آئی اس کی تفصیل الگ باب میں بیان کی گئی ہے۔ یہ ایک بھرپور مکمل اور منفرد سیاسی کتاب ہے جس میں سیاست کے مختلف رنگ ڈھنگ اور رویے شامل ہیں۔ یہ کتاب تجربات، مشاہدات، تاثرات اور انکشافات پر مشتمل ہے۔ سیاسی واقعات کو پوری سچائی کے ساتھ بیان کر کے تجزیہ کرنا اور نتیجہ اخذ کرنا قارئین پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ بھٹو کی جنرل ایوب اور شیخ مجیب الرحمٰن سے آخری ملاقاتوں کا احوال پہلی بار منظر عام پر لایا گیا ہے۔ بے نظیر بھٹو کی اپنے پاپا سے موت کی کوٹھڑی میں آخری ملاقات کی تفصیل بھی کتاب میں شامل ہے۔ ''بھٹو کا پہلا عشق'' ''بھٹو کی پھانسی'' ''بھٹو اور کرپشن'' توجہ طلب ہیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے میرے نام کئی خطوط لکھے چند خطوط کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں جن سے بے نظیر کی شخصیت، سوچ اور مزاج کا پتہ چلتا ہے۔ سیاست دانوں، دانشوروں، بیوروکریٹس اور صحافیوں کے ذاتی مشاہدات پر مشتمل باب ''جو دیکھا جو سنا'' نے اس کتاب کو سبق آموز اور ہر لحاظ سے منفرد بنا دیا ہے۔ بشری کمزوریوں کے باوجود میں نے سیاست کو ہمیشہ عبادت سمجھا اور اسے کبھی تجارت نہیں بنایا جس کی ریکارڈ پر مبنی مثالیں مختلف ابواب میں موجود ہیں جو قارئین کے لیے شاید حیران کن ہوں مگر ان کے لیے اُمید اور حوصلے کا پیغام ضرور ثابت ہوں گی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب شوق اور دلچسپی سے پڑھی جائے گی۔ کتاب مرتب کرتے ہوئے میری پوری کوشش رہی کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو اس کے باوجود میرا کوئی جملہ کسی کو گراں گزرے تو میں معذرت خواہ ہوں۔ میں نظریاتی استاد ڈاکٹر مبشر حسن، عملی سیاست کے پی ایچ ڈی جہانگیر بدر، انسان دوست افتخار الحق، ممتاز دانشور حنیف رامے اور پی پی پی کے بانی رکن میاں اسلم کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جنہوں نے کتاب کی ترتیب و تشکیل میں پورا تعاون کیا۔ امن اور محبت کے علمبردار ملک معراج خالد مرحوم کا خصوصی ممنون ہوں جنہوں نے وفات سے چند ماہ پہلے تین چار نشستوں میں تفصیلی انٹرویو دیا جس

http://www.apnaorg.com

کا ایک حصہ کتاب کا اہم باب ہے۔ کتاب کی تیاری کے سلسلے میں میری بیگم کشور کا تعاون مجھے حاصل رہا۔ اکرم ناصر نے بڑی محنت سے کتاب کی پروف ریڈنگ کی اور مفید مشورے بھی دیئے۔ ادارے کے چیف ایگزیکٹو فواذ نیاز نے کتاب کو ہر لحاظ سے معیاری بنانے کے لیے خصوصی دلچسپی لی۔ کتاب کی خامیوں کا مجھے احساس ہے قارئین سے التماس ہے کہ اپنے مشوروں سے نوازیں تاکہ ان کی روشنی میں دوسرے ایڈیشن میں میں خامیوں کو دور کر سکوں۔

نیک اور پر خلوص تمناؤں کے ساتھ

قیوم نظامی

"Pakistan is very poor. The poor of Pakistan are among the poorest in the world. The rich of Pakistan are among the richest in the world. This is NOT law of God. This is NOT message of Islam. This is NOT ideology of Pakistan."

Z.A. BHUTTO
(The affidavit —— Lahore High Court)

http://www.apnaorg.com

فہرست

1- اور سوئی ٹوٹ گئی 15
2- سماجی خدمت سے سیاست تک 19
3- بھٹو کا بچپن اور لڑکپن 21
4- بھٹو کا پہلا عشق 25
5- بھٹو وکالت سے وزارت تک 29
6- بھٹو کی جنرل ایوب سے آخری ملاقات 33
7- بھٹو وزارت سے عوامی سیاست تک 35
8- پی پی پی کے قیام کی کہانی 41
9- جنرل ایوب کے خلاف عوامی تحریک 47
(صدر ایوب کے جانشین بھٹو کی پہلی گرفتاری)
10- نظریاتی کشمکش کفر کے فتوے، قاتلانہ حملے 57
11- انتخابات 1970ء۔ سیاسی برج الٹ گئے 67
12- پی پی پی کے عروج کی کہانی۔ معراج خالد کی زبانی 73
13- سقوط ڈھاکہ۔ استحصال کا نتیجہ 79
14- بھٹو نیویارک سے ایوان صدر تک 85
15- صدر بھٹو کی قیدی مجیب سے آخری ملاقات 89
16- صدر بھٹو سے میری ڈرامائی ملاقات 93
17- شملہ معاہدہ۔ معجزہ کیسے ہوا 97
18- 1973ء کا آئین کیسے بنا 101
19- اسلامی سربراہی کانفرنس 105

-20 ایٹمی ٹیکنالوجی کا بانی (قطرے سے گہر ہونے تک) 107

-21 بھٹو سے محبت اور عداوت کی کہانی (حنیف رامے کی زبانی) 111

-22 پی این اے کی تحریک (وزیراعظم ہاؤس سے موت کی کوٹھری تک) 117

-23 داتا دربار سے کوٹ لکھپت جیل تک 123

-24 بھٹو کے سنگ جیل کے رنگ 127

-25 اپنے وطن میں ''جلاوطنی'' 131

-26 بے نظیر کی قیدی بھٹو سے آخری ملاقات 139

-27 بھٹو کی پھانسی (جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا) 145

-28 روپوشی سے جلاوطنی تک 149

-29 بھٹو اور کرپشن 165

-30 بے نظیر۔آکسفورڈ سے وزیراعظم ہاؤس تک 171

-31 بیگم بھٹو کے ہمراہ چین و شمالی کوریا کا دورہ 187

-32 جاپان میں سات روز 199

-33 بے نظیر اور انکلز 205

-34 وزارت کے بائیس روز 211

-35 سیاست سے ملازمت تک 217

(چیف ایگزیکٹو کی حیثیت سے میرا پہلا تجربہ)

-36 مرتضیٰ بھٹو کا قتل 223

-37 جو دیکھا جو سنا 229

(ممتاز سیاست دانوں، نامور صحافیوں اور اہم بیوروکریٹس کے انکشافات)

-38 سیاست سے جو سیکھا 291

-39 LETTER OF Z.A.B TO Q.N. 295

-40 LETTERS OF M.B.B. TO Q.N. 296

-41 LETTERS OF Q.N. TO M.B.B. 308

اور سوئی ٹوٹ گئی......

میرے والد عبدالحمید نظامی جنہیں میں اباجی کہا کرتا سیلف میڈ شخص تھے۔ انہوں نے پچاس روپے سے مذہبی کتب کی فروخت کا کاروبار شروع کیا۔ قیام پاکستان سے پہلے جامع مسجد دہلی کے سامنے ایک دکان پر کتب فروشی کرتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد گوجرانوالہ منتقل ہوگئے اور اسلامی کتب خانہ کے نام سے دکان کھول لی۔ میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا ایک دن دکان پر گیا اور ایک عید کارڈ گھر لے آیا۔ شام کو اباجی نے حساب کیا تو ایک عید کارڈ کم تھا۔ گھر آئے تو مجھ سے پوچھا کہ دکان سے عید کارڈ تم نے لیا تھا میں نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے سوٹی لے کر مجھے مارنا شروع کر دیا اور اس وقت تک مارتے رہے جب تک سوٹی ٹوٹ نہ گئی۔ اباجی کا خیال تھا کہ میں نے عید کارڈ چوری کیا اور مجھے ان سے اجازت لینی چاہئے تھی۔ یہ سوٹی زندگی بھر [illegible] رہی۔ 1956ء میں اباجی لاہور منتقل ہوگئے۔ اسلامی پبلشنگ کمپنی، گلوب پبلشرز اور نظامی پبلشرز کے نام سے مذہبی، ادبی، درسی اور سیاسی کتب کی طباعت اور اشاعت کا کاروبار کرتے رہے انہوں نے زندگی میں بڑی محنت کی اور طباعت و اشاعت کے شعبے میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ اباجی میرے دوست، محسن اور راہنما تھے۔ آج میں جو کچھ بھی ہوں اباجی کی وجہ سے ہوں۔

میرے دادا صوفی احمد دین فرشتہ سیرت انسان تھے۔ کٹر مذہبی تھے۔ جب اباجی گھر پر پہلی بار ریڈیو لے کر آئے تو دادا جی نے اسے توڑ دیا ان کے نزدیک ریڈیو کفر اور شیطانی آلہ تھا۔ اپنے دادا کو میں باباجی کہا کرتا تھا۔ وہ پاکستان میں شریعت کا نظام دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک دن کہنے لگے بھٹو سے کہو کہ اسلحہ خریدے میں بھی اپنی جمع پونجی پندرہ ہزار روپے دینے کے لیے تیار ہوں۔ بھٹو اسلحہ کی طاقت سے حکومت پر قبضہ کر کے شرعی نظام نافذ کر دے۔ باباجی ہر وقت قرآن پاک ترجمے اور تفسیر کے ساتھ پڑھتے رہتے۔ صبح کا ناشتہ کرنے کے بعد شام تک کچھ نہیں کھاتے تھے اور کبھی پیٹ بھر کر نہ کھاتے۔ ایک سو پانچ سال کی عمر میں قرآن پڑھتے پڑھتے رحلت فرما گئے جس وقت فوت ہوئے کھلا قرآن ان کے سینے سے لپٹا تھا۔

میں نے میٹرک تک تعلیم عطا محمد اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ سے حاصل کی۔ ایف اے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور اور بی اے گورنمنٹ کالج لاہور سے کیا۔ اس وقت ڈاکٹر نذیر احمد کالج کے پرنسپل تھے انسان دوست اور دلچسپ شخصیت کے مالک تھے۔ طلبہ میں بے حد مقبول تھے۔ جنرل ایوب

خان نے طلبہ کے لیے سوشل مینوئل ورک کی ایک سکیم شروع کی تھی۔ اس سکیم کے تحت میں نے مناواں ضلع لاہور میں ایک سکول کی تعمیر میں ایک مزدور کی حیثیت سے حصہ لیا اور دو ہفتے تک اینٹیں اور گارا اٹھاتا رہا۔ جہانگیر بدر بھی اس گروپ میں شامل تھے۔ میرے کالج فیلوز میں طارق علی خان ،احمد رضا قصوری، رضا کاظم، عبدالقیوم مرحوم، ضیاء رضوی، خالد ریاض ملک، عبدالرشید خان، سعادت علی خان شامل تھے۔

بی اے کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میں ایم اے اُردو کرنے کے لیے داخلہ لیا۔ کلاس میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ کالج کے برآمدے میں نظر اٹھا کر چلتا تا کہ سامنے سے آنے والی طالبات کو گزرنے کے لیے راستہ دے سکوں۔ میرے کلاس فیلو عبدالغنی فاروق پانچ وقت کے نمازی تھے اور نظریں نیچی کر کے چلتے اور جس لڑکی سے جی چاہتا ٹکرا جاتے اس کے باوجود ہماری کلاس فیلوز فاروق کی تعریف کرتیں۔ میں کہتا فاروق تم خوش قسمت ہو طالبات سے ٹکراتے بھی رہتے ہو اور تمہاری شرافت کی تعریف بھی ہوتی ہے۔

امجد اسلام امجد اور عطاء الحق قاسمی بھی میرے کلاس فیلوز تھے۔ امجد تو متوازن مگر قاسمی شریر تھا اس کے طنز سے کوئی محفوظ نہیں تھا اس نے بعض کلاس فیلوز کے بارے میں دلچسپ مگر لغو اشعار کہہ رکھے تھے جو اس کتاب میں شامل نہیں کیے جاسکتے۔ البتہ اس کی ایک نظم کے چند اشعار کا ذکر کیا جاسکتا ہے جو اس نے اپنے ایک نوجوان دوست کی شادی پر لکھے جس کی شادی بڑی عمر کی سید زادی سے ہو رہی تھی۔

طفل ہنوز اک گل نو دمیدہ ہے
مادام گرم و سرد زمانہ چشیدہ ہے
افسوس ان کو ہوگا یہ رات بھی گئی
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

ضیاء شاہد، محمود شام ،ارشاد راؤ ،ڈاکٹر سہیل احمد خاں ،مسرور کیفی ،ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ریاض ناز بھی میرے کلاس اور کالج فیلو تھے۔ اورینٹل کالج میں پہلی بار اُردو اور پنجابی زبان کی بنیاد پر اساتذہ کی کشمکش کا منظر دیکھا۔ مجھے اپنی ایک کلاس فیلو پسند آگئی اس کا تعلق ملتان سے تھا۔ یہ میرا پہلا عشق تھا اس واردات کو حسرت موہانی کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

دیکھنا بھی تو اسے دور سے دیکھا کرنا
شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا
یہ بھی آداب محبت نے گوارا نہ کیا
ان کی تصویر بھی آنکھوں سے لگائی نہ گئی

میرے عشق کا بھی وہی انجام ہوا جو پاکباز عشق کا ہوا کرتا ہے۔ اورینٹل کالج کے اساتذہ میں ڈاکٹر سید عبداللہ، عبادت بریلوی، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا پروفیسر وقار عظیم ڈاکٹر ناظر حسن ،زیدی ڈاکٹر وحید قریشی اور سجاد باقر رضوی شامل تھے۔اُردو میں ایم اے کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی لا کالج سے ایل ایل بی کیا۔ شیخ امتیاز علی کالج کے پرنسپل ہوتے تھے جبکہ اساتذہ میں سردار اقبال موکل ، آصف جان، ملک سعید حسن اور اعجاز بٹالوی شامل تھے۔

1970ء میں والدین کو میری شادی کی فکر ہوئی۔ میری بیگم کشور کے والدین ہمارے ہمسائے تھے ان سے خوشگوار خاندانی مراسم تھے۔ میری والدہ اور بہن نے کشور کے والدین سے میرے لیے رشتہ مانگا تو انہوں نے مثبت جواب نہ دیا۔ کشور لاہور کالج میں بی اے کررہی تھیں ان کے والدین چاہتے تھے کہ کشور تعلیم مکمل کرلے تو شادی کے بارے میں سوچا جائے۔ اسی دوران ایک دن مجھے بخار ہوگیا۔ میرے چھوٹے بھائی نے مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے لیے تانگے کی پچھلی سیٹ پر بٹھایا اور خود آگے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے کشور کے گھر کے سامنے مجھے چکر آیا اور میں تانگے سے نیچے گر گیا۔ شور سن کر کشور کی امی گھر سے باہر آئیں اور میرے منہ پر پانی ڈالا اور میں ہوش میں آیا۔ تانگے سے گرنا مجھے راس آگیا۔ کشور کے والدین نے میرا نام ستارہ شناس کو دیا اور ہمارے ستارے مل گئے۔

پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کا گروپ فوٹو۔ قیوم نظامی (دائیں سے دوسری کرسی پر) ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ڈاکٹر سید عبداللہ۔ڈاکٹر وحید قریشی۔ پروفیسر افتخار احمد صدیقی۔ ڈاکٹر خواجہ ذکریا اور ڈاکٹر ناظر حسین زیدی

گورنمنٹ کالج لاہور۔ قیوم نظامی، پرنسپل ڈاکٹر نذیر احمد۔ پروفیسر قیوم نذر پروفیسر عثمان۔ پروفیسر خواجہ سعید پروفیسر مرزا منور کے ساتھ

http://www.apnaorg.com

سماجی خدمت سے سیاست تک

کالج اور یونیورسٹی میں یونین کے انتخابات میں دلچسپی لیتا رہا اپنے دوست امیدوار کی انتخابی مہم میں پورے جوش اور جذبے سے حصہ لیتا۔ طالب علمی کے زمانے میں اپنے محلّہ کی سطح پر سماجی اور فلاحی کام شروع کر دیا۔ نیو سمن آباد ویلفیئر سوسائٹی قائم کی۔ سڑکوں کی تعمیر پانی کے نکاس صفائی اور غریبوں کی امداد کے سلسلے میں بے لوث کام کیا۔ برائیوں کے خاتمے کے لیے نوجوانوں کو منظم کیا۔ ہمارے محلے میں ایک طوائف تھی اس کو محلے سے نکالنے کے لیے سوسائٹی کی جانب سے کئی درخواستیں متعلقہ حکام کو دیں طوائف کے ہاتھ بڑے لمبے تھے درخواستیں بے اثر ثابت ہوئیں۔ نوجوانوں نے طوائف کے خلاف جلوس نکالا اور "ہمارے محلے کو پاک کرو" کے نعرے لگائے۔ رات کو پہرہ دینا شروع کر دیا۔ طوائف کے گاہکوں کا گھیراؤ کرتے ان کی گاڑیاں پنکچر کر دیتے۔ طوائف کا کاروبار متاثر ہوا تو وہ محلے سے کوچ کر گئی جو کام انتظامیہ کی منت سماجت سے نہ ہوا وہ محلے داروں نے متحد ہو کر کر لیا۔ پھر اس کے بعد کسی طوائف کو نیو سمن آباد کا رخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ محلے میں ایک فری ٹیوشن سینٹر کھولا جس میں طلبہ محلے کے بچوں کو پڑھاتے۔ سوسائٹی کے فنڈ کا باضابطہ حساب رکھا جاتا۔ اہل محلّہ سرگرمیوں سے متاثر ہو کر خوش دلی کے ساتھ سوسائٹی سے مالی تعاون کرتے۔ ساٹھ کی دہائی کا سماج صحت مند تھا۔ اخلاقی قدریں موجود تھیں۔ لوگ اجتماعی مسائل میں دلچسپی لیتے تھے۔ نوجوان بزرگوں کی عزت کرتے۔ ریاست عوام کی خدمت کرتی اور اخبارات میں شائع ہونے والے عوامی مسائل کا فوری نوٹس لیا جاتا۔ کرپشن بہت کم تھی اور کرپٹ افراد سماج سے خوف زدہ رہتے تھے۔

جب جنرل ایوب نے بنیادی جمہوریت (بی ڈی) کے انتخابات کرائے تو میں نے اپنے حلقے کے امیدوار کو سپورٹ کیا اور اس کی انتخابی مہم چلائی۔ ہمارا اُمیدوار کامیاب ہوا۔ جنرل ایوب اور مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے صدارتی انتخابات میں مادر ملت کی کامیابی کے لیے سرگرمی سے کام کیا۔ رات کو میں اور میرے دوست سائیکلوں پر لالٹین لٹکا کر علاقے کا گشت کر کے مادر ملت کے حق میں فضا استوار کرتے۔ مادر ملت کا انتخابی نشان لالٹین تھا۔ جنرل ایوب اگر دھاندلی نہ کرتے تو مادر ملت صدارتی انتخاب جیت جاتیں۔ حبیب جالب نے اس انتخاب کے بارے میں کہا تھا۔

دھاندلی دھونس دھن سے جیت گیا
ظلم پھر مکر و فن سے جیت گیا

ذوالفقار علی بھٹو نے وزیر خارجہ کی حیثیت سے پاکستان کے طالب علموں اور نوجوانوں کو بہت متاثر کیا۔ نوجوان چین کے انقلابی لیڈر ماؤزے تنگ کی کتابیں شوق سے پڑھتے تھے۔ بھٹو کا امیج بھی ترقی پسند وزیر خارجہ کا تھا۔ پاکستان کے عوام پرانے سیاست دانوں کی پرانی سیاست سے بیزار ہو چکے تھے وہ کسی انقلابی شخصیت کے انتظار میں تھے۔ بھٹو کی سلامتی کونسل کی تقریروں نے نوجوانوں کے دلوں کو گرمایا۔ کالجوں میں بھٹو کا نام زیر بحث رہتا تھا۔ تاشقند معاہدہ کے موقع پر بھٹو نے جرأت مندانہ مؤقف اختیار کیا اور نوجوانوں کے ہیرو بن گئے۔ فروری 1967ء میں یوم حمید نظامی کے سلسلے میں وائی ایم سی اے ہال لاہور میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں ذوالفقار علی بھٹو مہمان خصوصی تھے۔ تقریب میں شرکت کی دعوت ڈاکٹر مبشر حسن نے کراچی جا کر بھٹو کو دی تھی اور ان سے پہلی ملاقات کی تھی۔ وائی ایم سی اے ہال فل تھا۔ نوجوان بھٹو کی جھلک دیکھنے کے لیے مال روڈ پر کھڑے تھے۔ بھٹو نے انگریزی میں بڑی دلکش تقریر کی اور اپنی تقریر کا آغاز اس جملے سے کیا (Beautiful Citizens of Beautiful Lahore) ''خوبصورت لاہور کے خوبصورت شہریو'' میں اس تقریب میں موجود تھا۔ جب بھٹو ہال سے باہر نکلے تو میں نے آگے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملایا۔ ہجوم کی وجہ سے بھٹو کو ہال کے عقب میں لکڑی کی سیڑھی لگا کر نیچے اتارا گیا۔ سیڑھی کا انتظام کوثر علی شاہ نے کیا تھا جو بعد میں پی پی پی لاہور کے صدر بنے۔ 1960ء کی دہائی سماجی کاموں کی دہائی تھی۔ پڑھے لکھے افراد نے مختلف سماجی تنظیمیں بنا رکھی تھیں اور وہ تعلیمی، سماجی، معاشرتی اور فلاحی و رفاہی کاموں میں دلچسپی لیتے تھے۔ جب ذوالفقار علی بھٹو نے پہلا سماجی معاشی اور انقلابی منشور دیا تو سماجی کارکن پی پی پی میں شامل ہو گئے ان کا خیال یہ تھا کہ سیاست میں حصہ لے کر سماج کو خوبصورت بنا کر عوام کی تقدیر بدلی جا سکتی ہے۔ اسی جذبے کے تحت میں بھی پی پی پی میں شامل ہو گیا۔

http://www.apnaorg.com

بھٹو کا بچپن اور لڑکپن

بھٹو کے دادا غلام مرتضیٰ، چچا واحد بخش اور الٰہی بخش، دو بھائی امداد اور سکندر پچاس سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے فوت ہوئے۔ بھٹو کو عمر بھر یہ شدید احساس رہا کہ وہ بھی پچاس سال سے زیادہ زندہ نہیں رہیں گے۔ جب ان کو پھانسی دی گئی ان کی عمر 51 برس تھی۔ جب بھٹو پیدا ہوئے تو جوتشیوں نے بتایا کہ بچہ قسمت والا ہے بڑا ہو کر نام کمائے گا مگر پچاس سال کے بعد کیا ہوگا اس کے بارے میں ان کا علم کام نہیں کرتا۔ بھٹو کے دادا غلام مرتضیٰ بھٹو کو بھی سیاسی بنیادوں پر قتل کے ایک مقدمے میں ملوث کیا گیا وہ پنجاب میں سردار دیال سنگھ کے نام سے روپوش رہے اس کے بعد کابل چلے گئے اور افغانستان کے حکمران کے مہمان رہے۔ کافی سالوں کے بعد وہ کراچی آئے اور گرفتاری پیش کر دی۔ ان کے خلاف مقدمہ چلا اور بری ہو گئے۔ 31 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ ایک روایت کے مطابق انہیں زہر دے کر ہلاک کیا گیا۔ بھٹو خاندان حصار کے راجپوت مسلمانوں کی اس شاخ سے تعلق رکھتا ہے جو تین سو سال قبل ایک مذہبی خاندان کی محبت اور عقیدت سے مغلوب ہو کر سندھ آ کر آباد ہو گیا۔ جنگجو راجپوت بڑی تعداد میں مسلم فوج میں شامل ہوئے۔ بھٹو خاندان کی زمینیں میلوں تک پھیلی ہوئی تھیں اورنگ زیب عالمگیر نے بھٹو قبیلہ کے سردار کو ''خان'' کا خطاب دیا۔

ذوالفقار علی بھٹو کے والد شاہنواز بھٹو تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما تھے۔ وہ لاڑکانہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے بلا مقابلہ صدر منتخب ہوئے۔ ان کو آنریری فرسٹ کلاس مجسٹریٹ نامزد کیا گیا۔ 1921ء میں انہیں ''خان بہادر'' کا خطاب ملا۔ 1925ء میں انہیں ہندوستانی سلطنت کا دوست (Companion of Indian Empire) قرار دیا گیا۔ سندھ کے انگریز آفیسر نے ان کے بارے میں رپورٹ دیتے ہوئے لکھا۔ ''شاہنواز سندھ کے بااثر زمیندار ہیں انہوں نے مسلسل اور موثر طور پر حکومت سے تعاون کیا ہے''۔ 1934ء میں ممبئی کی کابینہ میں بلدیات کے وزیر نامزد ہوئے۔ شاہنواز بھٹو نے 32-1931 میں لندن میں ہونے والی گول میز کانفرنسوں میں شرکت کی انہوں نے سندھ کی بہترین وکالت اور نمائندگی کر کے سندھ کو ممبئی پریذیڈنسی سے علیحدہ کرایا۔ لندن سے واپسی پر انہیں ایک بڑے جلوس کی صورت میں المرتضیٰ لاڑکانہ لایا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ایک انٹرویو میں بتایا۔

''مجھے گھر کی چھت پر لایا گیا جہاں سے میں نے جلوس کا منظر دیکھا۔ مجھے جلوس کا جوش و خروش آج تک یاد ہے''

http://www.apnaorg.com

1937ء میں شاہنواز گورنر سندھ کے مشیر نامزد ہوئے۔ 1937ء کے انتخابات میں شاہنواز نے سندھ متحدہ پارٹی کے اُمیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا انہیں عبداللہ ہارون اور جی ایم سید کی حمایت حاصل تھی۔ ان کے مخالف اُمیدوار غلام حسین ہدایت اللہ سندھ مسلم پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب میں حصہ لے رہے تھے جنہیں ایوب کھوڑو اور قاضی فضل اللہ کا تعاون حاصل تھا۔ شاہنواز یہ سخت انتخابی معرکہ ہار گئے اور اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ سیاست سے ریٹائر ہو کر پبلک سروس کمیشن میں شامل ہوگئے۔ بھٹو نے 1970ء کے انتخابات میں ایوب کھوڑو کو چالیس ہزار ووٹوں سے شکست دے کر اپنے خاندان کی سیاسی عزت بحال کرائی۔

شاہنواز کی قائداعظم سے پہلی ملاقات 1928ء میں ہوئی۔ دونوں نے سندھ مدرسۃ السلام سے تعلیم حاصل کی قائداعظم نے المرتضیٰ لاڑکانہ میں قیام بھی کیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے کہا۔

''میری خواہش ہے کہ جب میں زندگی کی آخری سانس لوں تو شاہنواز بھٹو میرے قریب موجود ہو'' بھٹو کی والدہ کا نام خورشید بیگم تھا وہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھیں۔ شاہنواز اور خورشید بیگم کے تعلقات اگرچہ خوشگوار رہے مگر جاگیردار خاندان میں خورشید بیگم کی وہ عزت نہ تھی جس کی وہ مستحق تھیں۔ بھٹو کو والدہ کے ساتھ سرد مہری کا سلوک بہت گراں گزرتا تھا۔ ماں کے ساتھ اس سلوک کا ردعمل تھا کہ بھٹو نے اپنی زندگی غریب عوام کی خوش حالی کے لیے وقف کر دی۔ بھٹو کی والدہ مہربان اور رحم دل خاتون تھیں۔ شاہنواز بھٹو کبھی اشتعال میں نہیں آتے تھے۔ اور اپنے سیاسی مخالفین کے لیے سخت زبان استعمال کرنے سے گریز کرتے تھے اور نہ ہی ان سے انتقام لیتے تھے۔ سٹالن اور ہٹلر کی سوانح عمریوں نے بھٹو کی شخصیت میں والد کی اس خوبی کو دبا دیا۔

بھٹو 5 جنوری 1928ء کو المرتضیٰ لاڑکانہ میں صبح سویرے 3 بجے پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش کو جشن کے انداز میں منایا گیا۔ روایات کے مطابق نومولود کا نام مسجد میں جا کر رکھا گیا۔ والد نے نام ذوالفقار علی رکھا۔ بھٹو بچپن میں کمزور تھے تین سال کی عمر میں ملیریا ہوا۔ والدہ انہیں لعل شہباز قلندر کے مزار پر لے گئیں اور اللہ نے بھٹو کی جان بچائی۔ چار سال کی عمر میں بھٹو نے مسجد میں مذہبی تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کنڈرگارٹن سکول کراچی اور کیتھڈرل ہائی سکول ممبئی میں حاصل کی۔ انہیں کرکٹ کا شوق تھا اور ممتاز کرکٹر مشتاق علی کے فین تھے، بھٹو کے کلاس فیلو اور قریبی دوست پیلو مودی اپنی کتاب ''زلفی مائی فرینڈ'' میں لکھتے ہیں۔

''زلفی جناح کا پکا پیروکار تھا۔ دوقومی نظریہ کی وکالت کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ مسلمان پاکستان کے بغیر اپنے حقوق اور مفادات کا تحفظ نہیں کر سکتے''۔ بھٹو نے اپنی آخری تصنیف ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' میں تحریر کیا ہے کہ قائداعظم نے راست اقدام کی تحریک کے دوران طلبہ کو بلایا۔ بھٹو بھی طلبہ کے وفد میں شامل تھے۔ طلبہ مظاہرہ کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ بھٹو نے ذمے داری قبول کر لی اور کالج کے

پرنسپل کے بیٹے کو ساتھ ملا کر دو صد طلبہ کو جمع کر کے کالج کے مین گیٹ پر دھرنا دیا اور پرنسپل کو مجبور ہو کر کالج بند کرنا پڑا۔ قائداعظم اس کارکردگی سے بہت خوش ہوئے بھٹو نے اپنی آخری تصنیف ’’اگر مجھے قتل کیا گیا‘‘ میں اپنے بچپن کا یہ دلچسپ واقعہ تحریر کیا ہے۔

’’1935ء میں جب میری عمر سات برس تھی میرے والد اس وقت ممبئی کی حکومت میں وزیر تھے۔ ایک دن ممبئی کے گورنر لارڈ برابورن نے میرے والد کو تینوں بیٹوں کے ہمراہ چائے کی دعوت پر بلایا۔ جب میرے بڑے بھائی امداد علی جن کی عمر 21 برس تھی کا تعارف ہو چکا تو گورنر نے بھائی کے بارے میں کہا ’’کتنا خوبصورت اور جوان آدمی ہے‘‘ امداد علی نے ایک تربیت یافتہ ارسٹوکریٹ ہوتے ہوئے جواب دیا۔ ’’میں اپنے آپ کو بہت مسرور اور مغرور سمجھتا ہوں کیونکہ میری تعریف ہمارے خوبصورت گورنر نے کی ہے‘‘۔ جب میری باری آئی تو میں نے باریک آواز میں کہا ’’ہز ایکسی لینسی گورنر اس لیے خوبصورت ہیں کیونکہ وہ ہمارے خوبصورت ملک کے خون پر پلتے ہیں‘‘ لارڈ برابورن اس جواب پر ششدر رہ گیا ایک لمحے تک وہ حیرت زدہ میری طرف دیکھتا رہا اور پھر میرے والد سے کہنے لگا اور اس میں شاہنواز آپ کو ایک شاعر اور انقلابی ملا ہے۔ یہی کچھ ہے جو میں ان سارے برسوں میں رہا ہوں ’’ایک شاعر اور ایک انقلابی‘‘ اور جب تک میرے جسم میں سے آخری سانس نہیں نکل جاتی میں یہی رہوں گا۔ واپسی پر میرے والد نے کہا ’’سائیں وہ بات وہاں کرنے کی کیا ضرورت تھی‘‘ میں نے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپاتے ہوئے جذباتی انداز میں کہا ’’یہ ہمارا ملک ہے یہ ہمارا ملک ہے یہ ہمارا ملک ہے‘‘۔

بھٹو نے 1945ء میں قائداعظم محمد علی جناح کے نام ایک خط لکھا۔

’’مسلمانوں کو جان لینا چاہیے کہ ہندو ہمارے ساتھ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ وہ قرآن اور رسول خداؐ کے سخت دشمن ہیں۔ آپ نے ہمیں ایک پلیٹ فارم پر ایک پرچم تلے جمع کیا ہے۔ اب ہر مسلمان کی ایک ہی آواز ’’پاکستان‘‘ ہونی چاہیے۔ ہمارا مقدر پاکستان ہے ہمارا مقصد پاکستان ہے۔ کوئی ہمیں روک نہیں سکتا۔ ہم ایک قوم ہیں اور انڈیا برصغیر ہے آپ نے ہمیں حوصلہ دیا۔ ہم آپ پر فخر کرتے ہیں۔ ابھی میں سکول میں ہوں اور مقدس سرزمین کے حصول کے لیے کام نہیں کر سکتا۔ مگر وقت آئے گا جب میں پاکستان کے لیے اپنی جان قربان کرنے سے دریغ نہیں کروں گا‘‘۔

خط کے اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بھٹو کے دل میں پاکستان کے لیے محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بھٹو نے برکلے یونیورسٹی سے پولیٹیکل سائنس اور بین الاقوامی قانون کی ڈگریاں لینے کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی سے قانون میں ایم اے آنرز کیا۔ انہوں نے برکلے یونیورسٹی میں سٹوڈنٹس کونسل کا انتخاب لڑا اور کونسل کے پہلے ایشین رکن منتخب ہوئے۔ طالب علمی کے دور میں مباحثوں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ وہ شکار، شراب، ڈانس اور پرفیوم کے شوقین تھے۔

نصرت بھٹو اور ذوالفقار علی بھٹو اپنی شادی کے موقع پر

برکلے یونیورسٹی (کیلیفورنیا) طالب علمی کے دوران

http://www.apnaorg.com

بھٹو کا پہلا عشق

ذوالفقار علی بھٹو ابھی دس سال کے تھے ان کی شادی خاندانی نظریہ ضرورت کے تحت ان کی کزن سے کر دی گئی جو ان سے عمر میں بھی دس سال بڑی تھیں۔ بھٹو کے انکل سردار احمد خان بھٹو بڑے زمیندار تھے اور ان کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ کزن سے شادی کا بڑا مقصد یہ تھا کہ زمینیں بھٹو خاندان کی ملکیت رہیں۔ بھٹو ایک ایرانی دوشیزہ کی محبت میں کیسے گرفتار ہوئے اس کی داستان بیگم نصرت بھٹو نے ایک انٹرویو میں بتائی۔

''میرے خاندان کا تعلق ایران سے ہے۔ میرے والد مرزا محمد، نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔ میرے والدین کاروبار کے لیے ہندوستان منتقل ہوگئے اور بغداد سوپ کے نام سے صابن بنانے کی انڈسٹری لگا لی۔ میں بھارت میں پیدا ہوئی۔ میرے والد خام مال خریدنے کے لیے اکثر کراچی آیا کرتے تھے۔ جب میں نے سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کر لیا تو میرے والدین نے مجھے برقعہ اوڑھنے کے لیے کہا۔ میں نے کالج جانے کے لیے برقعہ اوڑھنے سے انکار کر دیا میری ایک بھانجی میرے ساتھ کالج جاتی تھی وہ بہت ہوشیار تھی وہ گھر سے برقعہ اوڑھ کر نکلتی مگر راستے میں اتار کر کار میں رکھ لیتی۔ بچپن کے زمانے میں جب ہم ممبئی میں رہائش پذیر تھے تو ہم پہاڑی تفریح گاہ کھنڈالہ جایا کرتے تھے۔ وہاں پر ہمارا چھوٹا سا گھر تھا۔ میں نے بھٹو کو پہلی مرتبہ پہاڑی تفریح گاہ کھنڈالہ میں دیکھا۔ اس وقت میں گیارہ برس کی تھی۔ ہم چہل قدمی کر رہے تھے بھٹو کی فیملی بھی وہاں سیر کے لیے آئی ہوئی تھی۔ ہم تین لڑکیاں تھیں ہم نے بھٹو سے گپ شپ شروع کر دی۔ بھٹو نے بتایا وہ سندھ سے آئے ہیں ہم کراچی سے تو واقف تھیں مگر سندھ کا علم نہیں تھا۔ ہم نے بھٹو سے پوچھا سندھ کہاں ہے۔ انہوں نے ہمیں سندھ کے بارے میں بتایا۔ ہم کراچی منتقل ہوگئے بھٹو کی ہمشیرہ منا (منور اسلام) میری دوست تھی۔ جب اس کی شادی ہوئی تو اس نے مجھے بھی دعوت دی۔ میں بنک لاکر سے اپنے زیورات لینے گئی تو میں نے بھٹو کو دیکھا وہ جوان ہو چکے تھے میں انہیں پہچان نہ سکی۔ ان کی والدہ نے مجھے پہچان لیا اور کہا۔

''نصرت یہ میرا بیٹا ہے اور امریکہ سے آیا ہے اس کا نام زلفی ہے''

میں نے اپنی دوست مسز حبیب اللہ سے سن رکھا تھا کہ منا کا ایک بھائی ہے جو بہت خوبصورت اور دراز قد ہے۔ میں نے بچپن میں انہیں دیکھا تھا مگر بھول چکی تھی۔ جوان ہونے پر یہ ہماری پہلی

http://www.apnaorg.com

ملاقات تھی بھٹو نے مجھے زیادہ متاثر نہ کیا شادی کی تقریبات میں ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ بھٹو مزید تعلیم کے لیے ایک بار پھر امریکہ چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد بھٹو کا دوست امریکہ سے آیا اور مجھے ملا اور زلفی کا سلام دیا۔ زلفی کا نام میرے ذہن میں نہ آیا۔ ان کے دوست نے واپس امریکہ جا کر بھٹو سے کہا تم نصرت کو سلام بھیجتے ہو اور وہ تمہیں جانتی تک نہیں۔ بھٹو دو سال بعد امریکہ سے واپس آئے اور ایک دوست کی سالگرہ پر ہماری ملاقات ہوئی۔ بھٹو میری جانب آئے اور کہا۔

''کیا میں آپ سے اپنا تعارف کراؤں۔ کیا آپ جانتی ہیں میں کون ہوں''

میں نے کہا تعارف کی ضرورت نہیں مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ بھٹو نے پوچھا ''کیا میں آپ کے لئے آئس کریم لاؤں'' میں نے اثبات میں جواب دیا اور وہ میرے لیے آئس کریم لے آئے۔ ہم بعد میں مختلف دعوتوں میں ملتے رہے۔

بھٹو نے 1951ء میں شادی کی تجویز رکھی اور ہماری شادی ہو گئی۔ شادی کے بعد میں ان کے ہمراہ آکسفورڈ چلی گئی۔ یونیورسٹی قواعد کے مطابق بھٹو ہوسٹل سے باہر نہیں ٹھہر سکتے تھے میں ان کے ساتھ ہوسٹل میں رہی ایک رات ہم ہوسٹل سے باہر رہے۔ یونیورسٹی کے ڈین نے بھٹو سے جواب طلبی کی بھٹو نے بتایا کہ وہ اپنی بیگم کے ساتھ ٹھہرے تھے ان کی عمر چونکہ کم تھی لہٰذا ڈین کو یقین نہ آیا۔ بھٹو مجھے ڈین کے پاس لے گئے اور ڈین کی تسلی کرائی اور ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوئی۔ میرے سسر خط لکھتے تھے کہ میں پاکستان واپس چلی آؤں ان کا خیال تھا کہ میری موجودگی میں بھٹو پوری توجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر سکیں گے۔ میں پاکستان واپس آ گئی مگر اداس رہتی تھی اور بھٹو سے فون پر تنہائی کی شکایت کرتی۔ میرے والد نے میرے لیے ٹکٹ خریدا اور میں ایک بار پھر لندن چلی گئی۔ میں نے بھٹو کو بتایا کہ ہم ایک بچے کے والدین بننے والے ہیں۔ یہ خبر سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے بلند آواز سے کہا ''میں باپ بننے والا ہوں'' جب ہارون خاندان نے مجھے بتایا کہ بھٹو شادی شدہ ہیں تو میں بہت پریشان ہوئی اور بھٹو سے کہا ''تم شادی شدہ ہو تم نے مجھے دھوکہ دیا تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ تم ایک شادی شدہ آدمی ہو'' بھٹو اپنی والدہ کو لے کر ہمارے گھر آئے اور ان خاندانی حالات کے بارے میں بتایا جن کی وجہ سے انہیں دس سال کی عمر میں اپنی کزن سے شادی کرنا پڑی۔

بھٹو خیال رکھنے والے شوہر تھے۔ میں بعض دفعہ معمولی باتوں پر ناراض ہو جاتی مگر وہ برا نہیں مناتے تھے۔ انہوں نے بچوں کو کبھی نہیں ڈانٹا وہ ہمیشہ خوش اخلاقی سے بات کرتے تھے۔ بڑی پیاری شخصیت کے مالک تھے اور بڑے حوصلے والے تھے۔ جب بھٹو کی اپیل سپریم کورٹ نے مسترد کر دی تو میں نے بھٹو سے کہا کہ میں ضیاء الحق سے رحم کی اپیل کرنا چاہتی ہوں۔ بھٹو نے کہا کہ ''رحم کی اپیل کے بعد ضیاء اگر مجھے رہا کر دیتا ہے تو میں عوام کو کیا منہ دکھاؤں گا میں قسم اٹھاتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گا''۔

بھٹو کا پہلا عشق مجموعی طور پر کامیاب رہا۔ بیگم نصرت بھٹو کے ساتھ ان کی ازدواجی زندگی پر سکون گزری۔ البتہ مختصر عرصہ کے لیے کشیدگی رہی۔ بیگم بھٹو ناراض ہو کر ایران چلی گئیں۔ بچے والدہ کے بغیر پریشان ہو گئے اور آخر کار عاشق کو جھکنا پڑا۔ بھٹو ایران گئے اور بیگم نصرت کو واپس لے آئے۔ بیگم بھٹو نے اپنے شوہر کی سیاست میں بھرپور عملی حصہ لیا کسی نے درست کہا ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ بھٹو نے دوسرا عشق حسنہ شیخ سے کیا جو پراسرار رہا۔ وزیر اعلیٰ پنجاب کے سابق مشیر سید آصف ہاشمی نے بتایا کہ بھٹو نے حسنہ شیخ سے شادی کر لی تھی اور وہ (آصف) حسنہ شیخ کو آنٹی کہتے تھے ان کا خفیہ نکاح مولانا کوثر نیازی نے پڑھایا تھا ملک غلام مصطفیٰ کھر اس خاموش اور خفیہ عشق سے پوری طرح آگاہ تھے۔ سیاسی اور خاندانی مصلحتوں کی وجہ سے بھٹو کی تیسری شادی عوام کی نظروں سے اوجھل رہی۔ بیگم بھٹو کی ناراضگی کی وجہ بھی حسنہ شیخ بنی۔ نصرت بھٹو نے جنرل ایوب کی بیگم سے شکایت کی اور ایوب نے بھٹو اور نصرت کی صلح کرا دی۔

بھٹو عظیم چینی رہنما چیئرمین ماؤزے تنگ کے ساتھ

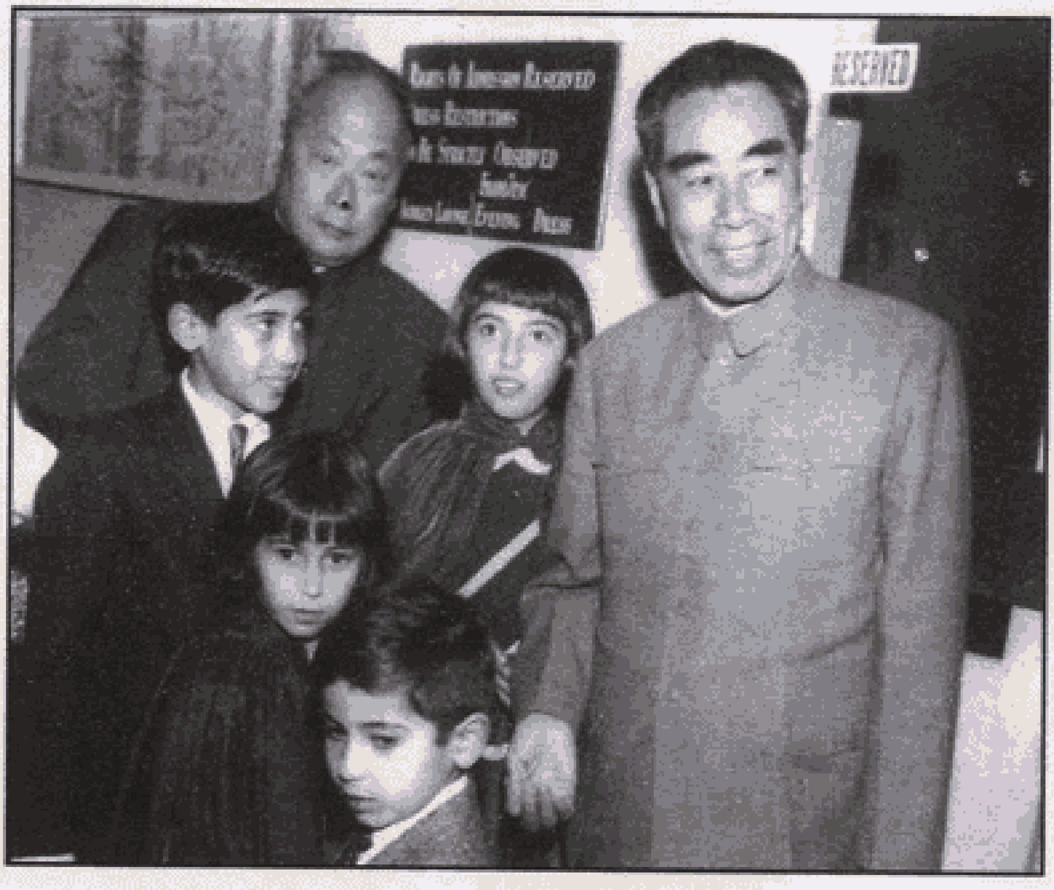

فروری 1964ء راولپنڈی محترمہ بے نظیر بھٹو عوامی جمہوری چین کے وزیر اعظم چو این لائی کے ہمراہ

بھٹو وکالت سے وزارت تک

بھٹو کے والد کی طبیعت ناساز ہوئی تو وہ پاکستان واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ سندھ مسلم لاء کالج میں لیکچرر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے بعد میں کراچی بار کے رکن بیرسٹر ڈن گومل رام چندانی کے لاء چیمبر سے وابستہ ہو گئے۔ انہوں نے قتل کا پہلا مقدمہ جیت لیا ان کا مؤکل ایک غریب آدمی تھا مقدمے کی فیس ادا نہ کر سکا اور اپنی ایک بچی گھر میں کام کاج کے لیے بھٹو کو دے دی۔ بھٹو بچی کو گھر لائے تو نصرت بھٹو نے پوچھا بچی کہاں سے لائے ہیں بھٹو نے بتایا کہ ایک مؤکل نے بطور فیس دی ہے۔ نصرت بھٹو نے کہا کہ ایک باپ اپنی بیٹی کیسے دے سکتا ہے اسے واپس کر دیں۔ بھٹو ایک کامیاب وکیل کے طور پر متعارف ہو رہے تھے۔ انہوں نے انگریز چیف جسٹس کی عدالت میں پیش ہو کر ایک مقدمے کے سلسلے میں دلائل دیئے تو چیف جسٹس نے کہا۔

''میں بڑے اعتماد اور یقین کے ساتھ کمرہ عدالت میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ مسٹر بھٹو بہت جلد اس ملک کے بڑے نامور اور کامیاب وکیل بن جائیں گے'' بھٹو پاکستان کے وکیل بننا چاہتے تھے اور سیاست ان کا محبوب شعبہ تھا۔ 1958ء تک ان کی بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ سندھ اسمبلی کے رکن بن جائیں۔ ان کے والد کی خواہش تھی کہ بھٹو کو فارن سروس میں اچھی ملازمت مل جائے۔ ان کے والد بھٹو کو چیف منسٹر سندھ ایوب کھوڑو کے پاس لے کر گئے تاکہ ان کی سفارش سے بھٹو فارن سروس میں ملازمت حاصل کر لیں۔ کھوڑو نے شاہنواز اور بھٹو کو کافی دیر انتظار کرایا ملاقات کے دوران خود چائے پیتا رہا اور شاہنواز کو چائے پینے کی دعوت نہ دی۔ بھٹو بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے اس توہین آمیز سلوک کو ذہن میں رکھا اور جب موقع آیا تو کھوڑو خاندان سے اس بے عزتی کا بدلہ لے لیا۔ پاکستان کے صدر سکندر مرزا شاہنواز کے دوست تھے اور شکار کے لیے لاڑکانہ آتے رہتے تھے بھٹو کی سکندر مرزا سے ملاقاتیں ہوتی رہیں وہ بھٹو کی ذہانت سے متاثر ہوئے اور ان سے سینٹو اور کشمیر پر پالیسی پیپرز تیار کرائے۔ 1957ء میں سکندر مرزا نے بھٹو کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے بارہ رکنی وفد میں شامل کیا ان کی کارکردگی متاثر کن تھی۔ فروری 1958ء میں بھٹو نے جنیوا میں ہونے والی اقوام متحدہ کانفرنس میں شرکت کرنے والے وفد کی قیادت کی اور سمندری قوانین کے بارے میں ایک یادگار تقریر کی۔ سکندر مرزا نے 7 اکتوبر 1958ء کو ذوالفقار علی بھٹو کو وفاقی وزیر تجارت و صنعت نامزد کیا۔ 1960ء میں بھٹو کو وزیر اطلاعات نامزد کیا گیا وزیر اطلاعات کی حیثیت سے بھٹو کو

http://www.apnaorg.com

جنرل ایوب کے قریب ہونے کا موقع ملا۔ انہوں نے کونشن لیگ کو منظم کرنے کے لیے کام کیا۔ ستمبر 62ء میں کونشن مسلم لیگ کا افتتاحی اجلاس کراچی میں ہوا جس میں بھٹو کو ڈپٹی لیڈر نامزد کیا گیا بعد میں وہ کونشن مسلم لیگ کے سیکریٹری جنرل بن گئے۔ اس طرح انہیں سیاسی اور تنظیمی کام کرنے کا موقع ملا۔ بھٹو نے 1962ء کے آئین کی تیاری کے لیے ایوب خان کی معاونت کی اور اس آئین کی وکالت میں بیانات جاری کرتے رہے۔ وہ پنجاب یونیورسٹی آئے تو انہیں طلبہ نے سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ میں طالب علم کی حیثیت سے اس تقریب میں موجود تھا۔ جب ایک طالب علم نے زیادہ شور ڈالا تو بھٹو جوش میں آگئے۔ انہوں نے قمیض کی آستینیں چڑھالیں اور طالب علم کو باکسنگ کا چیلنج دے دیا۔ 1963ء میں سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ وزیر، اسمبلی کے رکن نہیں بن سکتے۔ بھٹو نے قومی اسمبلی کی نشست خالی کر دی اور اپنی نشست پر سردار پیر بخش بھٹو کو انتخاب لڑایا۔ ان کے مقابلے میں عبدالحمید جتوئی تھے جن کا ساتھ ایوب کھوڑو اور قاضی فضل اللہ دے رہے تھے۔ بھٹو کے لیے یہ انتخاب ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ انہوں نے بڑی محنت سے یہ معرکہ جیت لیا۔ کامیابی کے بعد عوام کا ہجوم المرتضیٰ کے سامنے جمع ہوگیا اور لاڑکانہ میں فتح کا جلوس نکالا گیا۔ بھٹو سکندر مرزا سے بہت متاثر تھے ان کی اہلیت صلاحیت اور قابلیت کے معترف تھے بھٹو نے مارچ 1958ء کو سکندر مرزا کے نام ایک خط میں لکھا۔

"جب پاکستان کی سچی تاریخ لکھی جائے گی تو آپ کا نام قائداعظم سے بھی پہلے لکھا جائے گا۔ میں یہ بات پورے یقین کے ساتھ لکھ رہا ہوں اس لیے نہیں کہ آپ ملک کے صدر ہیں مجھے امید ہے کہ اسے خوشامد کے زمرے میں شامل نہیں کیا جائے گا۔"

اس تحریر کے بعد بھٹو کے مقدر کا ستارہ چمک اٹھا اور وہ تمیں سال کی عمر میں وفاقی وزیر بن گئے اور اس طرح ان کا وکالت سے وزارت تک کا سفر مکمل ہوا۔ انہوں نے دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی اور وفاقی وزیر بننے کے پوری طرح اہل تھے۔ انہوں نے تھوڑے عرصے میں ہی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے وزارت خارجہ کا اہم منصب حاصل کر لیا۔ پاکستان کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے بھٹو بین الاقوامی سطح پر ایک مدبر اور روشن خیال سیاست دان کے طور پر اُبھر کر سامنے آئے۔ 1963ء میں وائٹ ہاؤس واشنگٹن میں امریکہ کے صدر کینیڈی سے ملاقات کی ملاقات کے بعد کینیڈی نے بھٹو سے کہا اگر آپ امریکن ہوتے تو میری کابینہ میں وزیر ہوتے۔ بھٹو نے برجستہ جواب دیتے ہوئے کہا "مسٹر پریذیڈنٹ محتاط رہیں اگر میں امریکن ہوتا تو آپ کی جگہ پر ہوتا" بھٹو میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔ ان کو بین الاقوامی امور پر عبور حاصل تھا۔ وہ ہر لحاظ سے پاکستان کے کامیاب ترین وزیر خارجہ تھے۔ انہیں دنیا میں نام پیدا کرنے کا شوق تھا۔ وہ پاک چین دوستی کے معمار تھے۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو استعمال کر کے پاک چین سرحدی تنازعہ حل کرایا۔ بھٹو بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اپنا مؤقف کھل کر مؤثر دلائل کے ساتھ پیش کرتے۔ انہوں نے 22 ستمبر 1965ء کو اقوام متحدہ

کی سلامتی کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

''آج کی دنیا میں ہر مقام پر ہر خطے اور ہر ملک کے عوام اپنی حکومت سے کچھ توقعات رکھتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم اپنے عوام کی توقعات پر پورے اتریں ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنی تمام تر صلاحیتیں ان کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کریں قدرت کا یہ قانون نہیں ہے کہ افریقہ اور ایشیا کے لوگ بھوک سے نڈھال پس ماندہ اور مفلوک الحال رہیں۔ کیا پسماندگی اور بدحالی ہماری تقدیر بن چکی ہے ہرگز نہیں ہم پسماندگی اور افلاس کی دیواروں کو توڑ دینا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے عوام کے لیے ایک بہتر مستقبل کے خواہاں ہیں۔ ہماری تمنا ہے کہ ہماری آئندہ نسلیں زیادہ خوشحالی اطمینان اور عزت و وقار کی زندگی بسر کریں۔ ہم ہزار سال تک لڑیں گے۔ اپنے تحفظ کے لیے لڑیں گے، اپنی عزت کے لیے لڑیں گے، اپنے پاکستان کے لیے لڑیں گے''۔

سلامتی کونسل کے ایک اور اجلاس میں بھٹو نے بھارت کے خلاف سخت اور پرجوش تقریر کی تو بھارت کے وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے۔ بھٹو نے کہا ''بھارتی کتے گھروں کو بھاگ گئے ہیں سری نگر سے نہیں بلکہ سلامتی کونسل سے بھاگ گئے ہیں۔''

بھٹو کی ان پر جوش تقریروں نے پاکستان کے نوجوانوں اور طلبہ کو بہت متاثر کیا اور وہ ایک قوم پرست وزیر خارجہ کے طور پر اپنی شناخت کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ وزیر خارجہ کی حیثیت سے بھٹو نے دنیا کے اہم اسلامی ممالک کے سربراہوں سے خوشگوار اور دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ برما، سری لنکا رومانیہ، یوگوسلاویہ، فرانس، اٹلی سے دوستانہ تعلقات کے معمار بھٹو ہی تھے۔ ان کے دور میں کئی ممالک میں پہلی بار پاکستان کے سفارت خانے قائم ہوئے۔ 1965 کی پاک بھارت جنگ میں ان ملکوں نے پاکستان کا کھل کر ساتھ دیا جبکہ بھارت بین الاقوامی سطح پر تنہا رہ گیا۔ اس مشکل وقت میں چین نے بھی دوستی کا فرض پورا کیا پاکستانی شہری آج تک چین کے مکمل تعاون کے لیے ممنون و مشکور ہیں۔ امریکہ نے معاہدے کے باوجود پاکستان کا ساتھ دینے سے گریز کیا۔ 1965ء میں پوری پاکستانی قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی تھی۔ افسوس کہ ہمارے حکمران 1965ء کے عوامی جذبے کو پاکستان کے استحکام اور خوشحالی کے لیے استعمال نہ کر سکے۔ پاک بھارت جنگ کے بعد جنرل ایوب کے بھٹو کے ساتھ تعلقات سرد مہری کا شکار ہوگئے۔ جنرل ایوب کا خیال تھا کہ بھٹو نے انہیں بھارت کے خلاف اکسا کر جنگی جنون پیدا کیا اور اس جنگ کے نتیجے میں جنرل ایوب کا اقتدار غیر مستحکم ہوگیا۔ امریکہ بھٹو کے خلاف تھا چنانچہ سی آئی اے نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جنرل ایوب کے دل میں بھٹو کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کر دیئے۔ جب ایوب خاں نے واشنگٹن کا دورہ کیا تو بھٹو وزیر خارجہ کی حیثیت سے ان کے ہمراہ تھے۔ ایوب خان نے صدر جانسن سے کئی گھنٹے علیحدگی میں ملاقات کی۔ ملاقات کے دوران مسز جانسن بھی کچھ دیر کے لئے کمرہ میں موجود رہیں۔ اتفاق سے مسز جانسن کو علم

ہوگیا کہ بھٹو کو وزارت سے علیحدہ کرنے کے لیے مشورہ ہو رہا ہے۔ جب مسز جانسن کمرے سے باہر آئیں تو پاکستان کے وفد کو دیکھ کر اس نے پوچھا کہ "بھٹو کون ہے میں اس سے ملنا چاہوں گی" بھٹو کھڑے ہوئے اور اپنا تعارف کرایا مسز جانسن نے کہا "مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی میں آپ کو خدا حافظ کہنا چاہتی تھی" بھٹو کو یقین ہوگیا کہ ان کو وزارت سے نکالنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ بھٹو نے پاکستان واپسی پر جب ایوب خان سے کہا کہ کیا آپ نے مجھے فارغ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو ایوب خان ششدر رہ گئے کہ تنہائی میں ہونے والی گفتگو کا بھٹو کو علم کیسے ہوا۔ فروری 1966ء میں ایوب خان لاڑکانہ آئے اور بھٹو کے گھر قیام کیا۔ بھٹو نے ایوب سے پوچھا کہ آپ مجھے فارغ کرنا چاہتے ہیں تو صاف بات کریں۔ ایوب خان نے کہا ہرگز نہیں۔ بھٹو چونکہ پاکستان کے مقبول وزیر خارجہ تھے لہٰذا ایوب خان انہیں معاہدہ تاشقند کے فوراً بعد فارغ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آخر کار 16 جون 1966ء کو ایوب خان نے بھٹو کو حکم دیا کہ وہ صحت کی خرابی کا بہانہ کر کے رخصت پر چلے جائیں اور اس طرح بھٹو کا وزیر خارجہ کی حیثیت سے اہم دور اپنے اختتام کو پہنچا۔

بھٹو کی جنرل ایوب سے آخری ملاقات

جنوری 1966ء میں تاشقند کانفرنس ہوئی۔ معاہدے کا ڈرافٹ الطاف گوہر نے تیار کیا بھٹو اس ڈرافٹ میں مسئلہ کشمیر کا ذکر واضح الفاظ میں شامل کرانا چاہتے تھے ایک موقع پر انہوں نے احتجاج کے طور پر پاکستان واپس جانے کی دھمکی بھی دی۔ جنرل ایوب روس کے صدر سے متاثر ہو چکے تھے اور ایسے معاہدے پر راضی ہو گئے جو پاکستان کے عوام اور کشمیریوں کے جذبات کا آئینہ دار نہ تھا آخری اجلاس میں بھٹو کے چہرے پر مایوسی اور غم کے آثار نمایاں تھے یہ تصویر جب پاکستان کے اخبارات میں شائع ہوئی تو بھٹو عوام کے دلوں میں اتر گئے۔ ایک تصویر نے انہیں عوامی ہیرو بنا دیا۔ معاہدے کے دوسرے روز بھارت کے وزیراعظم لال بہادر شاستری دل کے دورے سے وفات پا گئے بھٹو کو صبح سویرے جگا کر سیکرٹری خارجہ عزیز احمد کے پاس لے جایا گیا۔

بھٹو نے پوچھا عزیز کیا ہوا؟ عزیز نے جواب دیا حرام زادہ مر گیا۔ بھٹو نے پوچھا ''کونسا حرام زادہ''؟ عوام نے شاستری کی موت کو شادی مرگ قرار دیا۔ معاہدہ تاشقند کے بعد ایوب بھٹو تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ بھٹو کی ایوب سے آخری ملاقات سے اندازہ ہوتا ہے جب کوئی راہنما آمر سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ بھٹو نے اس ملاقات کا احوال اس طرح بیان کیا ہے۔

''صدر ایوب خاں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ ہماری پالیسیوں میں وسیع اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ میں نے تمہیں اپنی منشاء کے خلاف پالیسیاں اختیار کرنے سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی لیکن تم میری خواہشات کے خلاف کام کرتے رہے ہو۔ پھر انہوں نے اپنی میز پر پڑے ہوئے ایک اُردو رسالے کی طرف اشارہ کیا جس میں کشمیری عوام کے حق خود اختیاری کے بارے میں میرا بیان تھا اور کہا ''تم مجھے مجبور کر رہے ہو کہ میں تمہیں وزارت سے نکال دوں'' میں نے جواب دیا کہ میں نے پہلے ہی ایک سے زائد مرتبہ آپ سے درخواست کی ہے کہ مجھے فارغ کر دیا جائے۔ یہ درست ہے کہ ہمارے خیالات اور پالیسیوں میں وسیع اختلافات ہیں اس وجہ سے میں حکومت سے الگ ہونا چاہتا ہوں۔ اس پر صدر نے بات بدل دی اور کہنے لگے کہ ''تم نے قوم اور ملک کی بہت خدمت کی ہے میں تمہیں اقتدار سے محروم کرنا نہیں چاہتا۔ یہ میں نے تمہیں لاڑکانہ میں بھی بتا دیا تھا''۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں چند روزہ اقتدار کے لئے اپنے فلسفہ اور خیالات کو قربان نہیں کر سکتا۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ بہتر ہوگا کہ وہ مجھے سبکدوش کر دیں اور مجھے عوام کے پاس جانے کی اجازت دیں۔ کچھ دیر تو وہ خاموش رہے اور پھر کہنے لگے کہ اگر تمہیں اس طرح نکالا گیا تو ملک کے اندر انتشار اور ہنگامے

http://www.apnaorg.com

ہو جائیں گے، بہتر ہے تم کچھ دیر کے لئے رخصت پر چلے جاؤ، باقی ہم بعد میں دیکھ لیں گے۔ چونکہ میں پہلے ہی حکومت سے اکتا چکا تھا، میں نے فوراً یہ فیصلہ قبول کرلیا۔ لیکن صدر صاحب مطمئن نہ ہوئے وہ گرجے ''یاد رکھو دوبارہ سیاست میں آنے کی کوشش نہ کرنا'' میں اس دھمکی سے مرعوب نہ ہوا، میں نے انہیں بتا دیا کہ دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنے عوام سے الگ نہیں کرسکتی۔ اگر کبھی قوم کو میری ضرورت پڑی اور اس نے مجھے مدد کے لئے پکارا تو میں ضرور آؤں گا۔ میرا سیاست میں حصہ لینا یا نہ لینا میرے یا آپ کے فیصلے پر منحصر نہ ہوگا، صرف عوام ہی اس کا فیصلہ کریں گے۔ سیاستدان کے مقدر کا انحصار عوام کی خواہشات پر ہوتا ہے۔ اگر عوام یہ فیصلہ کریں کہ میں سیاست میں حصہ لوں تو آپ مجھے ان کی خواہشات پر عمل کرنے سے نہیں روک سکتے۔ جب صدر ایوب نے میری ثابت قدمی کو بھانپ لیا تو انہوں نے مجھے سفارت یا کوئی اور نفع بخش عہدہ قبول کرنے کے لئے سبز باغ دکھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا ''مسٹر بھٹو جو کچھ تم چاہو ہم تمہیں وہ سب کچھ دینے کے لئے تیار ہیں۔'' میں نے انہیں لاڑکانہ والی گفتگو یاد دلائی اور کہا ''میں آپ کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھے عہدوں سے دلچسپی نہیں چونکہ میں بااصول آدمی ہوں، اس لئے اپنے خیالات سے انحراف کر کے اپنے اصولوں کو پامال کر کے حکومت میں رہنے کو تیار نہیں ہوں۔ میرے خیالات کی وجہ سے لوگ مجھے پسند کرتے ہیں، میں کسی قیمت پر بھی یہ خیالات قربان نہیں کرسکتا'' صدر ایوب نے کہا ''مسٹر بھٹو تم کچھ گستاخ ہو گئے ہو۔ ورنہ تم ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرتے، بہرحال اب بھی میں تمہارا لحاظ کرتا ہوں، تمہاری پرورش آرام دہ ماحول میں ہوئی ہے، تم ابھی زندگی کی مشکلات اور مصائب سے واقف نہیں ہو۔ یاد رکھو میں اس ملک کا صدر ہوں اور تم جانتے ہو میں اپنے مخالفوں سے کیا سلوک کرتا ہوں، میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ اگر تم نے چھٹی ختم ہونے پر واپس آکر سیاست میں حصہ لیا تو میں تمہیں تباہ کردوں گا۔ یہ مت بھولو کہ تم سندھ کے رہنے والے ہو جہاں کے بڑے پیروں کو ایک تحصیلدار یا پولیس کے سب انسپکٹر کے ذریعے ٹھیک کیا جاسکتا ہے''

میں نے جواب دیا ''آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے سندھ اور اس کے باشندوں کی اتنی شاندار تعریف کی ہے۔ لیکن میں نسل، رنگ اور علاقائیت پر یقین نہیں رکھتا، میں متروک برطانوی فلسفے کو بھی نہیں مانتا جو کسی قوم کی طاقت کا اندازہ نسل، رنگ اور مذہب کی بنیاد پر کرتا ہے۔ میری نظر میں تمام انسان برابر ہیں، خواہ افریقی ہوں یا چینی یا جاپانی خواہ پست قدوقامت ہوں یا بلند قامت امریکی یہ میرا فلسفہ حیات ہے، مجھے سندھی یا غیر سندھی ہونے کی بناء پر دھمکیاں نہ دیں، شاید آپ ابھی صحرائی لوگوں کی فطرت سے واقف نہیں ہیں۔ آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ سندھیوں کو بزدل کہیں۔ اگر آپ مجھے تباہ کرنا چاہتے ہیں اور قبر تک میرا پیچھا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم سب وہیں جائیں گے''۔ صدر نے کہا ''خیر تم چھٹی پر جاسکتے ہو، باقی بعد میں دیکھ لیں گے''۔ اس تلخ ملاقات کے بعد بھٹو ہمیشہ کے لئے جنرل ایوب سے علیحدہ ہوگئے۔

بھٹو وزارت سے عوامی سیاست تک

گوہر ایوب نے بھٹو کی وزارت خارجہ سے علیحدگی کے بارے میں ایک انٹرویو میں کہا۔
''بھٹو خود وزارت سے نہیں نکلا تھا بلکہ نکالا گیا تھا۔ اصل میں کابینہ کے ہر اجلاس میں وزیر خزانہ شعیب اور وزیر خارجہ بھٹو میں لڑائی ہوتی تھی بھٹو شعیب کو امریکہ کا آدمی کہتے تھے اور شعیب جواب میں بھٹو کو چین کا آدمی کہتے تھے۔ ان کی لڑائی بڑھتی رہی آخر کار ایوب خان نے دونوں کو بلایا اور کہا کل دونوں کے استعفے میرے پاس ہونے چاہئیں۔ شعیب کو ورلڈ بینک بھجوا دیا اور بھٹو کو فارغ کر دیا۔ بھٹو نے میری منت سماجت کی کہ انہیں کابینہ میں رہنے دیا جائے''

گوہر ایوب کی رائے سے اس لیے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بھٹو کو نکالنے کا فیصلہ امریکہ نے کیا تھا بھٹو کو اس کا پورا علم تھا لہٰذا وہ گوہر ایوب کی منت سماجت کیسے کر سکتے تھے ایوب خان میں امریکہ کو ناراض کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ اور معاہدہ تاشقند کے بعد ایوب خان سیاسی طور پر کمزور ہو چکے تھے۔ بھٹو روز بروز عوام میں مقبول ہوتے جا رہے تھے اور ایوب خان کو ڈر تھا کہ ان کا وزیر خارجہ ان کے لیے چیلنج نہ بن جائے۔

ذوالفقار علی بھٹو وزارت سے علیحدگی کے بعد راولپنڈی ریلوے سٹیشن سے لاہور کے لیے روانہ ہوئے غلام مصطفیٰ کھر نے بھٹو کو راولپنڈی سے رخصت کیا۔ راستے میں ہر جگہ عوام نے بھٹو کا پرجوش استقبال کیا۔ لاہور ریلوے سٹیشن پر پچاس ساٹھ ہزار افراد بھٹو کے استقبال کے لیے موجود تھے ان کی آمد کی اطلاع لاہور شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ بذریعہ ریل لاہور آنے کا فیصلہ انتہائی دانشمندانہ اور سیاسی بصیرت کا حامل تھا۔ ریلوے سٹیشن پر ہر شخص بھٹو کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ استقبال قدرتی تھا کسی جماعت یا گروپ نے اس استقبال کی تیاری نہ کی تھی۔ بھٹو ہجوم کیوجہ سے اپنے سیلون سے باہر نہ نکل سکے۔ پلیٹ فارم پر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ عوام نعرہ تکبیر، پاکستان زندہ باد، بھٹو زندہ باد، فخر پاکستان زندہ باد، پاک چین دوستی زندہ باد، سی آئی اے مردہ باد، ''بھٹو کو واپس لو'' کے پرجوش نعرے لگا رہے تھے۔ بھٹو سیلون سے باہر آئے تو انہیں ہاروں سے لاد دیا گیا۔ بھٹو کو اس قدر پرجوش استقبال کی توقع نہ تھی وہ عوام کے سیلاب کو دیکھ کر جذباتی ہو گئے اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بھٹو نے جس رومال سے آنسو صاف کیے وہ دس ہزار روپے میں خریدا گیا ایک نوجوان نے بھٹو کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور ان کو نعروں کی گونج میں جلوس کی صورت میں سٹیشن سے باہر لایا گیا۔

http://www.apnaorg.com

استقبال کرنے والوں میں اکثریت طالب علموں، نوجوانوں اور غریب محنت کش عوام کی تھی۔ بھٹو کو کاروان کی صورت میں فلیٹیز ہوٹل لایا گیا۔ بھٹو نے وزیر خارجہ کی حیثیت سے پاکستان کی جو خدمت کی اور قومی مفادات کے لیے ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مؤقف پر قائم رہے زندہ دلان لاہور نے پرجوش استقبال کر کے بھٹو کو خراج عقیدت پیش کر دیا اور انہیں ایک قومی سیاسی راہنما کے طور پر قبول کر لیا۔ بھٹو نے مغربی پاکستان کے گورنر نواب آف کالا باغ کے ساتھ لنچ کیا۔ گورنر نے بھٹو کو سخت الفاظ میں مشورہ دیا کہ وہ پاکستان سے باہر چلے جائیں وگرنہ نتائج کے لیے تیار رہیں۔ بھٹو نواب کالا باغ کی سخت فطرت سے پوری طرح واقف تھے اور عوامی طاقت سے ابھی پوری طرح آشنا نہ تھے لہٰذا کالا باغ کی دھمکی سے خوف زدہ ہوگئے۔ ایوب خان کی دھمکیاں وہ پہلے ہی سن چکے تھے لہٰذا انہوں نے ضروری سمجھا کہ کچھ عرصہ پاکستان سے باہر رہیں۔

لاہور میں دو روز قیام کے بعد بھٹو بذریعہ ٹرین کراچی روانہ ہوگئے۔ راستے میں ہر سٹیشن پر عوام نے ان کا استقبال کیا۔ کراچی ریلوے سٹیشن پر ہزاروں کی تعداد میں طلبہ اور نوجوان محنت کش موجود تھے وہ فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے اور بھٹو کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھے بھٹو کا راولپنڈی سے کراچی تک کا سفر ایک مشاہداتی سفر تھا۔ اس سفر کے دوران انہیں عوام کے ذہن اور سوچ کو جاننے کا موقع ملا۔ انہوں نے خطاب سے اجتناب کیا کیونکہ وہ اپنے لیے مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ عوام نے بھٹو کی خوشبو کی طرح پذیرائی کی اور ان سے توقعات وابستہ کر لیں۔ پروین شاکر کے بقول۔

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

بھٹو عمرہ کرنے کے بعد لندن گئے۔ انہوں نے لندن کے مشہور کانوائے ہال میں ایک استقبالیے سے خطاب کیا۔ یہ ہر لحاظ سے ایک تاریخی استقبالیہ تھا۔ ہال بھرا ہوا تھا اور پاکستانی ہال کے باہر بھی موجود تھے۔ بھٹو ایک آزاد فضا میں تھے۔ انہوں نے عالمی صورت حال پر ایک فکر انگیز خطاب کیا اور آخر میں کہا ''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میری صحت خواہ کتنی ہی گری ہوئی کیوں نہ ہو۔ میں مسز اندرا گاندھی کا مقابلہ کرنے کے لیے ٹھیک ہوں''

ایوب خان نے ستمبر 66ء میں نواب کالا باغ کو فارغ کر دیا۔ بھٹو کے راستے کی واحد رکاوٹ ختم ہوگئی اور وہ یکم اکتوبر 66ء کو کابل کے راستے پاکستان واپس پہنچ گئے۔ انٹیلی جنس بیورو کے چیف ایوب اعوان نے بھٹو کے اعزاز میں ڈنر دیا اور انہیں 1965ء کی جنگ اور معاہدہ تاشقند کے بارے میں کوئی بات نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ لاہور میں بھٹو کو سب سے پہلا استقبالیہ سید انور قدوائی، خالد چوہدری، میاں اسلم، راشد بٹ، جسٹس شیخ ریاض حسین اور ملک حامد سرفراز نے دیا جو شیزان ریسٹورنٹ میں دیا گیا میں لاہور میں ہونے والے تمام جلسوں اور تقریبات کا عینی شاہد ہوں۔ ایک طالب علم کی حیثیت

سے ان میں شرکت کرتا رہا۔ 23 نومبر 1966ء کو پاکستان مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے بھٹو کو وائی ایم سی اے ہال میں افروایشیائی مسائل پر اظہار خیال کی دعوت دی۔ بھٹو نے کشمیر اور افریقہ ایشیا کے ملکوں میں سامراجی مداخلت پر اپنے مؤقف کا کھل کر اظہار کیا۔ 24ء نومبر کو بھٹو نے اسلامیہ کالج لاہور کی طلبہ یونین کی حلف برداری کی تقریب میں شرکت کی۔ بھٹو نے 13 ستمبر 66ء کو حیدر آباد بار ایسوی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے پہلی بار وزارت سے علیحدگی کے بارے میں اظہار خیال کیا۔

"مجھے وزارت اس لیے چھوڑنا پڑی کہ میں کرسی کے لیے اپنے اصولوں کا سودا نہیں کرسکتا۔ اپنے اصولوں کا سودا کر لیتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ میں بدستور وزارت کی کرسی پر متمکن نہ ہوتا۔ ہمیں ہر بار اپنے علاقوں سے بھارت کے حق میں دستبردار ہو کر فیاضی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ بھارتی خطرے کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے بھارت ہمارے لیے اسی طرح ایک خطرناک دشمن ہے جس طرح عرب ممالک کے لیے اسرائیل ہے میرے متعلق یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ میں نے اپنے عہد وزارت میں یہ حقیقت نظر انداز کر کے عدم توازن پیدا کر دیا ہے کہ امریکہ دنیا کی بڑی طاقت ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے میں نے اپنے دو طاقت ور ہمسایوں روس اور چین کے ساتھ دوستی کی بنیاد رکھی جنہیں میرے اکثر پیشرو وزیروں نے نظر انداز کر رکھا تھا۔ مجھے اگر بڑی طاقت سے بیگانگی برتنے کا مرتکب قرار دیا جاتا ہے جو ہم سے ہزار میل دور ہے تو مجھ سے پہلے وزرائے خارجہ دو بڑی طاقتوں سے بیگانہ رہے جو ہمارے ہمسایہ ہیں۔"

23 اپریل 67ء کو بھٹو نے افروایشیائی اتحاد کمیٹی کے ایک اجتماع سے خطاب کیا جس کا اہتمام خورشید حسن میر نے کیا تھا۔ بھٹو نے زور دے کر کہا کہ جب تک ہم اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہوتے اور ہر معاملے میں خود کفیل نہیں بن جاتے اس وقت تک ہم آزادی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے۔ 24 اپریل کو انہوں نے راولپنڈی بار ایسوی ایشن کے بڑے اجتماع سے دو گھنٹے تک خطاب کیا اور پاکستان کی خارجہ پالیسی، عالمی مسائل، پاک بھارت تعلقات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

23 جون 1967ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے گول باغ (ناصر باغ) لاہور میں پہلے جلسہ عام سے خطاب کیا۔ حکومت نے جلسے کو روکنے کے لیے گراؤنڈ میں پانی چھوڑ دیا۔ ایک اندازے کے مطابق اس جلسے میں دو لاکھ افراد نے شرکت کی۔ بھٹو نے ابھی تقریر کا آغاز ہی کیا تھا کہ بجلی کے جھٹکے لگنے سے لوگ سٹیج سے نیچے پانی میں گر گئے۔ جلسہ گاہ میں بھگدڑ مچ گئی۔ شامیانہ بھٹو کے اوپر آگرا۔ کنونشن لیگ کے کارکنوں نے سٹیج پر حملہ کر دیا۔ بھٹو سٹیج پر ڈٹے رہے اور کہا "میں بھاگنے والا نہیں ہوں"۔ بھٹو کے ساتھیوں نے بڑی مشکل سے ان کو سٹیج سے نیچے اتارا اور ایک رکشہ ڈرائیور روشن علی بھٹو کو اپنے رکشہ میں بٹھا کر فلیٹیز ہوٹل لے گیا جب بھٹو برسر اقتدار آئے تو انہوں نے روشن علی کو نیا رکشہ لے کر دیا۔ اُدھر جلسہ گاہ میں عوام مشتعل ہو گئے اور احمد سعید کرمانی، چوہدری محمد حسین، چوہدری عید محمد اور میاں

صلاح الدین کے خلاف نعرے بازی شروع کر دی۔ ان سب کا تعلق کنونشن لیگ سے تھا اور ایوب کے قریبی ساتھی تصور کیے جاتے تھے۔ نوجوانوں نے ''لاٹھی گولی کی سرکار نہیں چلے گی'' ''ایوب مردہ باد'' کے پرجوش نعرے لگائے۔ 16 ستمبر 1967ء کو بھٹو نے حیدر آباد میں میر رسول بخش تالپور کی رہائش گاہ پر نئی سیاسی جماعت بنانے کا اعلان کیا۔ 17 ستمبر کو حیدر آباد میں طلبہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نئی سیاسی جماعت کا نام پاکستان پیپلز پارٹی ہوگا۔ پارٹی کے قیام سے پہلے بھٹو نے چاروں صوبوں کا دورہ کیا اور ہم خیال ساتھیوں کو اعتماد میں لیا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے وزیر خارجہ کی حیثیت سے دنیا کی ترقی پسند قیادتوں اور حریت پسند عوام کو متاثر کیا مختلف ممالک کے ترقی پسند دانشور اور فلاسفر بھی بھٹو کی قوم پرست پالیسیوں سے متاثر ہوئے۔ لارڈ برٹرنیڈ رسل ایک عظیم مفکر اور انسانیت میں یقین رکھنے والے فلسفہ دان تھے۔ وہ بھٹو کی اہلیت بصیرت اور جرأت کے مداح تھے۔ جب بھٹو کو وزارت سے الگ کیا گیا تو رسل نے بھٹو کے حق میں برما کے جنرل نی ون، مصر کے صدر ناصر، الجزائر کے صدر بومدین، انڈونیشیا کے صدر سوئیکارنو، روسی وزیر خارجہ گرومیکو اور ممتاز صحافیوں کو خطوط ارسال کیے۔ صدر ناصر کے نام رسل کے خط کے متن سے اس صدی کے عظیم مفکر کے بھٹو کے بارے میں خیالات کا اظہار ہوتا ہے۔

13 اگست 1966ء

ڈیئر پریذیڈنٹ ناصر

میں نے امریکہ کی ان کوششوں کو بڑی تشویش کے ساتھ دیکھا ہے جو وہ ایسے راہنماؤں کو تباہ کرنے کے لیے کرتا ہے جو بیرونی لٹیروں اور مغربی ملکوں کے دباؤ کی مزاحمت کرتے ہوئے اپنے عوام کے مفادات کو آگے بڑھانے کی سعی کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے آپ بخوبی واقف ہیں کہ گھانا اور انڈونیشیا میں بھی یہ سازشیں ہو چکی ہیں اور اگر آپ پوری طرح باخبر نہ ہوتے تو یہی کچھ متحد عرب جمہوریہ میں ہوسکتا تھا حال ہی میں امریکہ اور برطانیہ نے ذوالفقار علی بھٹو کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کرانے کے لیے زبردست دباؤ سے کام لیا۔ مسٹر بھٹو بلاشبہ پاکستان کی آزاد خارجہ پالیسی کے معمار ہیں مسٹر بھٹو نے تن تنہا افریقی و ایشیائی استحکام کے لیے جدوجہد کی اور متحدہ عرب جمہوریہ کے ساتھ تعلقات میں اضافے کے لیے کئی خطرات مول لیے باوجود اس کے کہ ایران کے ساتھ ناخوشگواری ہوئی اور انہیں اس راہ سے ہٹانے کے لیے ان پر بے پناہ دباؤ بھی ڈالا جاتا رہا۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان میں واقعات ایسا رخ اختیار کریں گے کہ بھٹو دوبارہ اقتدار میں آجائیں۔ مجھے یقین ہے کہ امریکی سامراج کے ان حربوں کو جاننے والے تمام راہنما جو یہ سامراجی تیسری دنیا اور افریقہ و ایشیائی ملک کے حقیقی مفادات کا تحفظ کرنے والے لیڈروں کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں ایک دوسرے کی

http://www.apnaorg.com

مدد پر بھروسہ کریں گے اور بحرانوں کے زمانے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ ایسی باہمی ہمدردی اور استحکام افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے عوام کے بہترین مفادات کے لیے ناگزیر ہے۔ آپ مجھے اپنے ملک کا دوست تصور کر سکتے ہیں اور میری طرف سے آپ اور آپ کے عوام کے لیے گرم جوش مبارکباد۔

نیک تمناؤں کے ساتھ
آپ کا مخلص
(برٹرینڈرسل)

بھٹو نے 12 جنوری 1967ء کو ڈھاکہ سے شائع ہونے والے اخبار پاکستان آبزرور میں صحافت پر ایک کالم لکھا جس کے ایک اقتباس سے سیاست کے بارے میں ان کے خیالات کا اظہار ہوتا ہے۔

"اگرچہ میں پیدائشی طور پر ایک زمیندار ہوں اور تعلیمی لحاظ سے ایک وکیل ہوں مگر سیاست مجھ میں جوش پیدا کرتی ہے اور میرے دل میں لازوال شمع روشن کرتی ہے۔ سیاست ایک اعلیٰ اور برتر سائنس ہے اور بہترین آرٹ ہے۔ سیاست شفاف ہونی چاہیے یہ منفی رجحانات کی حامل نہیں ہونی چاہیے۔ لوگ سیاست کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ ہم نے سیاست سے سیاست کی ہے۔ ہم نے ایک آرٹ کو تباہ کیا ہے۔ عوام اب ایسے سیاست دانوں پر ہرگز اعتماد نہیں کریں گے جو ان کے جذبات سے کھیلتے ہیں اور لالچ و حرص کی وجہ سے اصولوں کو ترک کر دیتے ہیں۔"

بھٹو کے سیاست کے بارے میں خیالات بہت پختہ تھے وہ سیاست کو عبادت سمجھتے تھے انہوں نے وزارت سے علیحدگی کے بعد اندرونی اور بیرونی مسائل پر مدلل انداز میں اظہار خیال کیا۔ عوام ان کی سیاست کا مرکزی نکتہ تھے ان کو علم تھا کہ پاکستان کی سیاست میں ہمیشہ عوام کو نظر انداز کیا گیا ہے لہٰذا انہوں اپنی پرجوش تقریروں سے عوام میں جوش و جذبہ پیدا کیا ان کو حوصلہ دیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بھٹو بہت جلد عوام کے مقبول ترین لیڈر بن گئے۔

http://www.apnaorg.com

قیوم نظامی۔ شیخ محمد رشید۔ میاں ریاض اور شیر محمد بھٹی

قیوم نظامی، جہانگیر بدر، میاں احسان الحق، منصور ملک

پی پی پی کے قیام کی کہانی

"یاد رکھو لیفٹننٹو میں تمہاری گردن پر سوار ہو جاؤں گا" بھٹو نے یہ الفاظ میاں محمود علی قصوری کی رہائش گاہ سے باہر نکلتے ہوئے کہے۔ بھٹو نئی پارٹی بنانے کی بجائے نیپ (نیشنل عوامی پارٹی) میں مرکزی عہدہ حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ قصوری کے گھر پر ان کی نیپ کے راہنماؤں سے ملاقات ہوئی۔ نیپ نے انہیں مرکز کی بجائے صوبائی عہدے کی پیشکش کی۔ بھٹو کی دوسری ترجیح کونسل مسلم لیگ تھی۔ انہوں نے دولتانہ سے ملاقات کی دولتانہ نے بھٹو کو صوبہ سندھ کا جنرل سیکرٹری بنانے کی پیش کش کی جسے انہوں نے مسترد کر دیا۔ بھٹو نے کونشن لیگ میں فارورڈ بلاک بنانے کی کوشش بھی مگر کامیاب نہ ہوئے جنرل ایوب بظاہر بڑے مضبوط حکمران تھے اور کوئی سیاسی جماعت یہ تصور نہیں کر سکتی تھی کہ بھٹو نئی جماعت بنا کر قومی سیاست دانوں کو چیلنج کر سکتے ہیں۔ روایتی سیاست دان عوام کے موڈ اور بھٹو کے کرشمہ کا درست اندازہ نہ کر سکے یہی وجہ ہے کہ وہ بھٹو کو اہم مرکزی عہدہ دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ بھٹو خود بھی نئی سیاسی جماعت کے سلسلے میں پر اعتماد نہیں تھے جبکہ ان کے رفقاء انہیں نئی جماعت بنانے کے مشورے دے رہے تھے۔ حنیف رامے پی پی پی کے قیام کے بارے میں بتاتے ہیں۔

"راجہ حسن اختر مسلم لیگ مغربی پاکستان کے صدر تھے۔ انہوں نے مجھے سیکرٹری اطلاعات کی پیشکش کی جو میں نے قبول کر لی۔ بھٹو جب کونشن مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل بنے تو میں نے انہیں مبارکباد کا خط لکھا انہوں نے شکریے کا خط بھیجا۔ یہ میرا بھٹو کے ساتھ پہلا قلمی رابطہ تھا۔ 1965ء کی جنگ کے بعد بھٹو ہیرو کے طور پر سیاسی منظر پر ابھرے۔ انہیں 3 ماہ کی جبری رخصت پر ملک سے باہر بھیج دیا گیا۔ انہی دنوں میں نے ایک تھنکرز فورم تشکیل دیا جس میں خورشید حسن میر ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف اور غالب احمد شامل تھے۔ ہم نے سنجیدگی کے ساتھ نئی سیاسی جماعت کے بارے میں سوچنا شروع کیا اور ایک خاکہ بھی تیار کیا۔ جب بھٹو براستہ کابل پاکستان واپس آئے تو خورشید حسن میر نے بھٹو سے کہا کہ لاہور میں حنیف رامے سے ملیں۔ بھٹو نے کہا کہ رامے سے کہیں کہ وہ بیگم نصرت بھٹو کے ذریعے ملاقات کریں۔ بھٹو جب لاہور آئے تو میں نے غالب احمد کے ہمراہ فلیٹیز ہوٹل میں ان سے ملاقات کی بھٹو بڑی محبت سے ملے۔ ہم نے ان کو بتایا کہ وقت آ گیا ہے کہ نئی پارٹی بنائی جائے۔ انہوں نے جواب دیا نئی پارٹی بنانا بڑا مشکل کام ہے ہمیں نیپ یا کونسل مسلم لیگ میں شامل ہو کر سیاسی کام کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کہ آپ نئی جماعت کو لیڈ کریں انہوں نے پوچھا کس بنیاد پر پارٹی بنی

چاہیے میں نے جواب دیا کہ جس طرح ناصر نے مصر میں الاشتراکیۃ الاسلامیہ کے نام سے پارٹی بنائی ہے اسی طرح پاکستان میں اسلامی سوشلزم کی بنیاد پر نئی پارٹی قائم ہونی چاہیے۔ بھٹو نے انگریزی میں سمری تیار کر کے پیش کرنے کو کہا۔ انہی دنوں بزم پاکستان کے نام سے دانشوروں کا ایک گروپ لاہور میں کام کر رہا تھا جس میں ڈاکٹر مبشر حسن، پروفیسر اشفاق علی خان، ڈاکٹر اجمل، مرزا عبداللطیف شامل تھے اس گروپ کے ہفتہ وار اجلاس ہوتے تھے جن میں سماجی مسائل پر توجہ دی جاتی تھی۔ میں اس گروپ کا حصہ بنا تو ڈاکٹر مبشر حسن کو قائل کیا کہ سماجی کاموں کی بجائے سیاسی کام پر توجہ دینی چاہیے۔ گروپ کی جانب سے ڈاکٹر مبشر حسن نے بھٹو سے ملاقات کی اور انہیں نئی جماعت کے سلسلے میں ایک دستاویز پیش کی میں نے ایک دستاویز ''اتحاد عوام'' تیار کی جو پی پی پی کی بنیادی دستاویزات کا حصہ بنی۔ میں اُردو ڈویلپمینٹ بورڈ میں ملازم تھا جب الطاف گوہر کو پتہ چلا کہ میں سیاسی کام کر رہا ہوں تو انہوں نے مجھے جاپان کے سرکاری وفد میں شامل کر لیا۔ سرکاری ملازمت اور بیرون ملک ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر مبشر حسن کے گھر پر ہونے والے تاسیسی اجلاس میں شریک نہ ہوسکا البتہ میری بیگم شاہین رامے کنونشن میں شریک ہوئیں اور میری نمائندگی کی۔ جب میں جاپان سے واپس آیا تو بھٹو اور مبشر سندر داس روڈ پر واقع میرے گھر پر تشریف لائے۔ بھٹو نے مجھے کہا کہ پارٹی کو آپ جیسے دانشور کی ضرورت ہے آپ پارٹی کے لیے ہول ٹائم کام کریں۔ میں نے پارٹی کے لیے نوکری چھوڑی اور میری بیگم نے تین سو پچاس روپے ماہوار پر ملازمت شروع کی تاکہ گھر کا خرچہ چلتا رہے ماہنامہ نصرت جو کئی سالوں سے میری ادارت میں شائع ہو رہا تھا اسے ہفت روزہ کر دیا گیا۔ بھٹو نے ڈاکٹر مبشر اور میرے مشورہ پر شیخ محمد رشید کو پی پی پی پنجاب کا صدر بنایا۔''

جے اے رحیم فرانس میں پاکستان کے سفیر تھے بھٹو کے ساتھ ان کی دوستی تھی وہ پکے سوشلسٹ تھے جے اے رحیم نے نئی پارٹی کی بنیادی دستاویزات اور منشور تیار کرنے میں پوری دلچسپی لی۔ اکتوبر 1966ء میں پی پی پی کا منشور تیار کرنے کے بعد جے اے رحیم نے بھٹو کے نام ایک خط لکھا اور کہا۔

''منشور ہماری راہنمائی کرے گا ہمیں توقع ہے آپ پارٹی کے سولہ راہنما اصولوں پر سختی سے کاربند رہیں گے اور جب سیاست دان آپ کے پاس سودے بازی کے لیے آئیں گے تو آپ اصولوں پر سودا نہیں کریں گے۔ اصولوں کے بغیر تحریک کچھ حیثیت نہیں رکھتی''

بھٹو اور ان کے رفقاء نے 30 نومبر 1967ء کو لاہور میں پارٹی کا پہلا کنونشن منعقد کرنے کا فیصلہ کیا حکومت اس فیصلے سے بوکھلا گئی۔ جنرل ایوب ایک طاقتور حکمران تھے لوگ ان سے خوف زدہ تھے۔ کنونشن کے لیے کوئی ہوٹل ہال دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ آخر کار ڈاکٹر مبشر حسن کی کوٹھی گلبرگ لاہور میں کنونشن منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ڈاکٹر مبشر کی کوٹھی کو جلانے کی افواہیں لاہور شہر میں پھیل گئیں۔ ڈاکٹر مبشر پکے نظریاتی کامریڈ تھے افواہوں اور دھمکیوں کے باوجود اپنے فیصلے پر ڈٹے رہے۔

حکومت نے صحافیوں پر دباؤ ڈالا کہ اس کنونشن کی خبریں اس انداز سے شائع کی جائیں جس سے ظاہر ہو کہ یہ ایک ناکام شو تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو صبح دس بجے پنڈال میں تشریف لائے تو پنڈال نعروں اور تالیوں سے گونج اٹھا۔ قرآن پاک کی تلاوت مولوی محمد سید ناظری نے کی۔ تاسیسی اجلاس میں چار سو مندوبین نے شرکت کی جن میں پانچوں صوبوں کے نمائندے شامل تھے۔ اسلم گورداسپوری اور ڈاکٹر حلیم رضا نے موقع کی مناسبت سے نظمیں پڑھیں ملک حامد سرفراز نے ان مشکلات کا ذکر کیا جو کنونشن کے انعقاد کے سلسلے میں پیش آئیں۔ اس تاسیسی کنونشن میں ڈاکٹر مبشر حسن، شیخ محمد رشید، حیات محمد خان شیر پاؤ، میر رسول بخش تالپور، معراج محمد خان، خورشید حسن میر، پیر بخش بھٹو، میر نثار احمد خاں، کامریڈ غلام احمد، عبدالوحید کٹپر، حق نواز گنڈا پور، تاج محمد لنگاہ، طاہر محمد خان، دانیال لطیفی، ڈاکٹر شمیم زین الدین، میر حامد حسن، عارف نظامی، میاں محمد اسلم، امان اللہ خان، بیگم آباد احمد، بیگم شاہین رائے، بیگم انور غالب، غازی ذکاء الدین، رفیق احمد باجوہ، میاں اقبال، ملک اسلم حیات، احمد رضا خاں قصوری، ملک نوید احمد، راجہ منور احمد، مرتضیٰ کھر، چاکر علی جونیجو عبدالرزاق سومرو، فاروق بیدار، افتخار احمد تاری، عبدالحلیم شامل تھے۔ ممتاز بھٹو، ملک مصطفیٰ کھر، غلام مصطفیٰ جتوئی اور ملک معراج خالد مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن تھے اس لیے شریک نہ ہوئے تاکہ ان کی نشستیں محفوظ رہیں ان کا عملی تعاون بھٹو کو حاصل تھا۔ 30 نومبر 1967ء کو کنونشن کے دو سیشن ہوئے۔ چار کمیٹیاں (سٹیرنگ کمیٹی، دستور کمیٹی، ریزولوشن کمیٹی، ڈیکلیریشن کمیٹی) تشکیل دی گئیں۔ پہلے سیشن سے ذوالفقار علی بھٹو نے پرجوش خطاب کیا اور پاکستان کی داخلی و خارجی صورت حال پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ دوسرے سیشن میں مختلف کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ تیسرا سیشن یکم دسمبر 1967ء صبح دس بجے شروع ہوا۔ جس میں ملک حامد سرفراز نے پچیس قرار دادیں پیش کیں۔ جے اے رحیم، شیخ محمد رشید، بیگم آباد احمد، شیخ جاوید الرحمٰن، میر حامد حسن، محمد اسلم خان اور اکرم پال نے تقریریں کیں۔ چوتھا اور آخری سیشن اسی روز تین بجے شروع ہوا جس میں اعلامیہ عبوری آئین اور بنیادی دستاویزات کی منظوری لی گئی۔ خورشید حسن میر نے ''نئی پارٹی کی ضرورت کیوں'' کا مسودہ پیش کیا۔

نئی پارٹی کے لیے تین نام تجویز کئے گئے۔ 1- پیپلز پروگریسو پارٹی 2- پاکستان پیپلز پارٹی 3- سوشلسٹ پارٹی آف پاکستان۔ مندوبین نے پاکستان پیپلز پارٹی کے نام کی منظوری دے دی اور ذوالفقار علی بھٹو کو متفقہ طور پر پی پی پی کا چیئرمین منتخب کر لیا۔ اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں پارٹی کے بنیادی اصول قرار پائے سرخ سیاہ سبز رنگوں پر مشتمل پارٹی پرچم کی منظوری دی گئی۔ سرخ رنگ انقلاب، سیاہ رنگ ظلم اور استحصال اور سبز رنگ اسلام کی ترجمانی کرتا ہے۔ یہ پرچم اس قدر خوبصورت تھا کہ اس نے پی پی پی کی کامیابی میں اہم کردار ادا کیا۔ کنونشن میں دس بنیادی دستاویزات منظور کی گئیں۔ 1- پارٹی کا نام 2-

http://www.apnaorg.com

پارٹی کا فلیگ 3- نئی پارٹی کی ضرورت کیوں 4- سوشلزم کیوں ضروری ہے 5- پارٹی کے راہنما اصول 6- معاشی صورت حال 7- اتحاد عوام 8- کشمیر 9- پاکستان کے آسام سے تعلقات 10- چھ نکات کا جواب۔

تاسیسی اجلاس میں 25 قرار دادیں منظور کی گئیں۔1- افواج پاکستان اور مادر ملت کو خراج تحسین 2- کنونشن روکنے کی مذمت 3- کشمیر 4- آسام 5- سیٹو اور سینٹو کی مخالفت 6- قومی دفاع کو مضبوط بنانا 7- زرعی کاشتکار 8- مزدور 9- عوامی حقوق کے لیے دیگر جماعتوں سے تعاون کی اپیل 10- ڈیفنس آف پاکستان رولز کی مخالفت 11- فوجداری قوانین میں ترامیم 12- پاکستان کے قوانین کو مساوی بنانا 13- آزاد کشمیر میں جمہوریت 14- جبر و تشدد کا شکار ہونے والوں کے لیے معاوضہ 15- طلبہ کے مسائل 16- ویت نام 17- مشرق وسطیٰ 18- تیسری دنیا کا اتحاد 19- ترکی اور قبرص کا مسئلہ 20- پریس ٹرسٹ کا خاتمہ 21- عوام کے معیار زندگی میں اضافہ 22- اقلیتیں اور ان کے حقوق 23- کرپشن کا خاتمہ 24- نوکر شاہی 25- مہاجرین کی آبادکاری۔

اس موقع پر بھٹو نے اپنے خطاب میں فرمایا

''عوام کے دل ہمارے ساتھ ہیں اور پاکستان کے علاوہ تمام ایشیاء یورپ افریقہ اور لاطینی امریکہ کے لوگوں کی نگاہیں پیپلز پارٹی کی طرف لگی ہوئی ہیں جو خالصتاً عوام کی پارٹی ہے۔نئی پارٹی بنانا اور چلانا آسان کام نہیں۔لیکن ہم عوام کے تعاون سے تمام مشکلات پر قابو پالیں گے کیونکہ اصولوں کو نہ تو قربان کیا جاسکتا ہے نہ ہی انہیں ناکامی ہوسکتی ہے۔ یہ درست ہے کہ ابتداء میں انقلابی تحریکیں چلانے والوں کی تعداد کم ہوتی ہے لیکن ایسی عوامی تحریکیں کامیابی سے ضرور ہم کنار ہوتی ہیں۔''

پی پی پی نے تاسیسی کنونشن کے بعد موچی دروازہ لاہور میں جلسہ عام کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا مگر حکومت نے لاہور میں دفعہ 144 نافذ کر دی اور موچی دروازہ میں جلسہ کرنے کا اجازت نامہ منسوخ کر دیا اور شاہی قلعہ کی سیڑھیوں پر جلسہ کرنے کا خصوصی اجازت نامہ دے دیا۔حکومت نے خصوصی اجازت تو دے دی مگر رات کو پانی کے پائپ اور بجری کے ڈھیر لگا دیئے اور خاردار تار بکھیر دیئے تاکہ عوام ایک جگہ بیٹھ کر تقریر نہ سن سکیں۔شہر میں جلسہ گاہ پر حملے کی افواہیں پھیل گئی تھیں۔ شاہی قلعہ کی سیڑھیوں پر سٹیج بنانا بھی ممکن نہیں رہا تھا لہٰذا سکیورٹی کے پیش نظر جلسہ ملتوی کر دیا گیا۔ ہر چند کہ علی پارک میں ہزاروں کی تعداد میں عوام جمع تھے مگر پارٹی کے راہنما تاسیسی کنونشن کے فوراً بعد کوئی ایسا رسک لینے کے لیے تیار نہ تھے جس سے نومولود پارٹی کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔

محترمہ بے نظیر بھٹو اپنی تصنیف ''دختر مشرق'' میں لکھتی ہیں۔

''70 کلفٹن کراچی کی پہلی منزل پر پی پی پی کا دفتر بن گیا میری ہمشیرہ 11 سال اور میں 14 سال کی تھی۔ ہم دونوں چار چار آنے کی پرجوش پارٹی ممبر بن گئیں تاکہ اپنے بزرگ ترین ملازم بابو کے ساتھ رکنیت سازی کی مہم میں شریک ہوسکیں۔ 70 کلفٹن پر لوگ ہر روز لائنیں بنا کر ممبر بننے کے لیے

کھڑے ہو جاتے تھے"

پی پی پی کی پہلی سینٹرل کمیٹی ان رہنماؤں پر مشتمل تھی 1- ذوالفقار علی بھٹو چیئرمین 2- جے اے رحیم سیکرٹری جنرل 3- شیخ محمد رشید 4- مصطفیٰ کھر 5- ڈاکٹر مبشر حسن 6- رسول بخش تالپور 7- خورشید حسن میر 8- طالب المولیٰ 9- رفیع رضا 10- معراج محمد خان 11- ممتاز بھٹو 12- غلام مصطفیٰ جتوئی 13- امان اللہ نگی 14- عبدالوحید کٹپر 15- حیات محمد خان شیر پاؤ 16- امان اللہ نگی 17- طاہر محمد خان 18- بیگم نسیم جہاں 19- حنیف رامے 20- بیگم آباد احمد 21- حنیف خان 22- ڈاکٹر اشرف عباسی 23- تاج محمد لنگاہ۔

پارٹی کی بنیادی دستاویزات ذوالفقار علی بھٹو، جے اے رحیم، ڈاکٹر مبشر حسن اور حنیف رامے نے تیار کیں۔ شورش کاشمیری نے چٹان پریس سے یہ دستاویزات شائع کیں اور بھٹو سے تعاون کیا جب دیکھا کہ سوشلسٹ پارٹی پر حاوی ہو گئے ہیں تو شورش کاشمیری نے قربت ختم کر دی۔ پی پی پی کے بانیوں میں مختلف طبقات اور شعبوں سے تعلق رکھنے والے شامل تھے۔ جاگیر دار سرمایہ دار بیورو کریٹ ٹیکنو کریٹ مڈل کلاس تاجر وکیل مزدوروں اور کسانوں میں کام کرنے والے سوشلسٹ طلبہ نے مل کر ملٹی کلاس پارٹی تشکیل دی البتہ اسے پذیرائی مزدوروں کسانوں محنت کشوں اور غریب عوام میں ملی جو بنیادی معاشی حقوق سے محروم تھے۔ بھٹو کے پاس وسائل اور کرشمہ تھا جبکہ جے اے رحیم، ڈاکٹر مبشر، شیخ محمد رشید، حنیف رامے معراج محمد خان اور حیات شیر پاؤ نظریاتی اور تنظیمی صلاحیتیں رکھتے تھے اور عملی کام کرنے کا جذبہ ان میں موجود تھا۔ معراج اور رامے بہترین مقرر تھے۔

اخبارات نے پی پی پی کے پہلے کنونشن کو کوئی کوریج نہ دی پاکستان ٹائمز نے ایک کالم کی خبر شائع کی۔ پی پی پی کے اقتدار میں آنے سے پہلے ہزاروں فعال کارکنوں نے پارٹی کے لیے پورے جذبے سے کام کیا جن میں اکثریت غریب محنت کش افراد کی تھی لاہور کے چند معروف کارکنوں کے نام درج ذیل ہیں شیر محمد بھٹی، کوثر علی شاہ، امان اللہ خان، عبدالستار نجم، ایس ایم مسعود، ضیاء محمود مرزا، جہانگیر بدر، معراج خالد، میر حامد حسن، شریف نکودری، مرزا اکرم بیگ، پروفیسر استقلال، افتخار تاری، خواجہ جمیل احسان، ضیاء بٹ ، راشد بٹ، شیخ صفدر، رؤف طاہر، شیخ رفیق احمد ،اسماعیل ضیاء ،نذر علی شاہ ،اعجاز سیفی ،افتخار احمد، شیخ اکرام ایڈووکیٹ، اعزاز احمد آذر، ہمایوں مرزا، ڈاکٹر نسیم، میاں محمد ریاض، واجد علی شاہ، یامین آزاد، اشتیاق خان، مجید کامریڈ، ملک حامد سرفراز ، مبارک حیدر، عبدالحمید انور، ماسٹر عمر دین، شیخ فیاض الرحمٰن، صوفی افتخار، مظفر بٹ، آزاد علی آزاد، حکیم عمر دین، غلام جیلانی اختر، نصر علی شاہ، احمد وحید اختر، طارق وحید بٹ، آغا دلبر، سردار مظہر علی، یوسف مرشد، عمر دین، میاں عبدالماجد، صابر جاوید، ڈاکٹر رفیق ناصر، محمد اکرم بھٹی، بابا رمضان، ملک لکھن، ملک منیر، میاں منیر، شیخ غلام رسول، عشرت بخاری ،شاہنواز بھٹی، شاہد جمال انصاری، سمیع اللہ، ملک ظفر اقبال، چوہدری غلام حسین، خدا بخش، قمر دین، پرویز اختر ملک، خرم واسطی، آفتاب ربانی ، مولوی سعید۔

قیوم نظامی ۔ شیخ محمد رشید ۔ حاجی عبدالحمید نظامی ۔ شیخ صفدر علی

1971ء قیوم نظامی کی رہائش گاہ پر محمود علی قصوری کے ساتھ ایک تصویر

http://www.apnaorg.com

جنرل ایوب کے خلاف عوامی تحریک

(صدر ایوب کے جانشین بھٹو کی پہلی گرفتاری)

پی پی پی کے قیام کے بعد بھٹو نے عوامی رابطہ تیز کر دیا حکومت بھٹو کی روز بروز بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خوف زدہ ہوگئی اور انتقامی کارروائیوں پر اتر آئی۔ جنوری 1968ء میں بھٹو نے ملتان، خانیوال، سرگودھا فیصل آباد، گجرات اور لاہور کا دورہ کیا۔ پی پی پی کے مقابلے میں حکومت کی سرپرستی میں کنونشن لیگ بھی متحرک ہوگئی۔ کنونشن لیگ نے غنڈوں اور بدمعاشوں کو بھٹو کے جلسوں اور استقبالیوں میں گڑ بڑ کرنے کے لیے استعمال کیا۔ ملتان میں خان عبدالحلیم خان بابر نے بھٹو کے اعزاز میں شیزان ریسٹورنٹ میں استقبالیہ دیا۔ کرایے کے لوگ سیاہ جھنڈیاں لیے شیزان کے باہر کھڑے تھے انہوں نے ہوٹل کے شیشے توڑ دیئے اور دہشت پھیلانے کی کوشش کی۔ بھٹو خانیوال بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرنے جارہے تھے قادر پور راں کے مقام پر غنڈوں نے عوامی قافلے کو روکا اور چھریوں، کلہاڑیوں سے حملہ کر دیا۔ مصطفیٰ کھر کار چلا رہے تھے۔ انہوں نے راستہ تبدیل کر کے بھٹو کو خانیوال پہنچایا۔

بھٹو قاسم باغ ملتان میں جلسے کو خطاب کرنے کے لیے پہنچے تو تیس چالیس افراد نے ہلڑ بازی کر دی انہوں نے چھریاں نکال کر عوام کو ڈرانا شروع کر دیا۔ مظاہرین سٹیج کی جانب بڑھ رہے تھے۔ منتظمین نے سٹیج کو گھیرے میں لے کر مظاہرین پر کرسیوں سے حملہ کر دیا اور مظاہرین کو جلسہ گاہ سے باہر نکال دیا۔ تصادم میں جو لوگ زخمی ہوئے ان میں ملتان بار ایسوسی ایشن کے نائب صدر شیخ خضر حیات اور جماعت اسلامی ملتان کے جنرل سیکرٹری عقیل صدیقی شامل تھے حکومت کا خیال تھا کہ بھٹو خوف زدہ ہو کر سیاسی سرگرمیاں ترک کر دیں گے۔ عوام کے جوش و خروش نے بھٹو کو حوصلہ دیا جب عوام کو یقین ہوگیا کہ بھٹو میدان میں ڈٹے رہیں گے تو انہوں نے جلسوں میں ''بھٹو آگیا میدان میں ہے جمالو'' کا نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ شیخ محمد رشید نے کسان کمیٹی کے پی پی پی کے ساتھ اشتراک کا اعلان کر دیا۔ فیصل آباد میں شدید بارش کے باوجود ہزاروں عوام نے جلسے میں شرکت کی۔ بھٹو نے اپنا کوٹ اتار کر عوام کی طرف پھینکتے ہوئے کہا کہ عوام کوٹ کے بغیر بارش میں بھیگ رہے ہیں لہٰذا میں بھی کوٹ کے بغیر بارش میں ان سے خطاب کروں گا۔ لاہور میں موچی دروازے کا جلسہ ہر لحاظ سے تاریخی تھا بارش اور سردی کے باوجود موچی دروازہ کا میدان عوام سے بھرا ہوا تھا نوجوان درختوں اور چھتوں پر

چڑھے ہوئے تھے۔ بھٹو کے حق میں پر جوش نعرے لگ رہے تھے۔ ''سرخ ہے سرخ ہے ایشیاء سرخ ہے'' ''گرتی ہوئی دیواروں کو ایک دھکا اور دو'' بھٹو آ گیا میدان میں ہے جمالو'' مقبول عام نعرے تھے بھٹو بارش میں تقریر کر رہے تھے ایک کارکن ان کے سر پر چھتری لے کر کھڑا ہو گیا۔ بھٹو چھتری پیچھے کر کے بارش میں آ گئے اور کہا ''عوام بارش میں میری تقریر سن رہے ہیں میں بھی بارش میں کھڑے ہو کر تقریر کروں گا میں عوام سے مختلف نہیں ہوں'' شروع میں بھٹو کی اُردو کمزور تھی اور وہ تقریر میں انگریزی کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ سرکاری دانشوروں نے پی پی پی کے منشور کے خلاف بے بنیاد اور منفی پروپیگنڈا شروع کر دیا تھا، بھٹو جلسوں میں حکومتی پروپیگنڈے کا جواب بھی دیتے تاکہ عوام کے ذہنوں میں پی پی پی کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا نہ ہوں۔ موچی دروازے کے جلسہ میں بھٹو نے کہا ''ہم اسلامی سوشلزم چاہتے ہیں جس میں خوف خدا کے ساتھ انسانوں کو معیشت صحت تعلیم اور رہائش کی سہولت حاصل ہو۔ لاہورر انصاف کا مرکز ہے ہم تحریر وتقریر کی آزادی چاہتے ہیں۔ ہم تشدد پسندوں کے سامنے جھکنے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے خلاف جدوجہد کا عزم کر چکے ہیں۔ ہمیں ہندوستان کا نقشہ نہ دکھاؤ ہم نے ہندوستان کا دل دیکھا ہوا ہے۔ عوام کی آواز پر کان دھرو عوام کی آواز اللہ کی آواز ہے۔ اسلام پاکستان کے نظریہ کی اساس ہے۔ یہ بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات رکھتا ہے جس سے انحراف کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا۔''

کنونشن لیگ نے ممتاز بھٹو اور مصطفیٰ کھر کو شوکاز نوٹس جاری کر دیئے اور کہا وہ دونوں پی پی پی کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے رہے ہیں۔ ممتاز اور کھر دونوں اسمبلی کے رکن تھے اور کنونشن لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے۔ انہوں نے ابھی تک باضابطہ طور پر پی پی پی میں شمولیت کا اعلان نہیں کیا تھا مگر اپنے دوست بھٹو سے تعاون کر رہے تھے۔ پی پی پی نے شعبہ خواتین بھی تشکیل دے دیا۔ پارٹی کے بانی رکن میاں محمد اسلم نے لاہور میں بیڈن روڈ پر پی پی پی کا پہلا دفتر کھولا اور رفتہ رفتہ تمام شہروں میں پی پی پی کے دفتر کھلنے لگے اور ان کے اوپر پارٹی کے پرچم لہرانے لگے۔ بھٹو نے فروری مارچ اور اپریل 1968ء میں حیدر آباد، نواب، شاہ جیکب آباد، لاڑکانہ اور مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ میر رسول بخش تالپور اور عبدالوحید کٹپر نے سندھ میں پارٹی کو منظم کرنے کے لیے پورے جذبے سے کام کیا۔ کراچی میں معراج محمد خان اور عبدالحفیظ پیرزادہ نے پارٹی کے لیے کام کیا۔ معراج محمد خان اور ان کے ساتھیوں نے ایک تاریخی نعرہ ''مانگ رہا ہے ہر انسان روٹی کپڑا اور مکان'' دیا جو پورے پاکستان میں مقبول ہو گیا۔ پی پی پی کے کارکنوں نے اس نعرے کو پی پی پی کے منشور کے طور پر پیش کیا۔ اس انقلابی نعرے نے پی پی پی کی کامیابی اور ایوب آمریت کے خلاف کلیدی کردار ادا کیا یہ نعرہ غریبوں کے دل میں اتر گیا اور انہوں نے جوش وخروش کے ساتھ پی پی پی کے جلسوں میں شریک ہونا شروع کر دیا۔ ایوب کے دور میں صنعتی ترقی کے باوجود عوام کی اکثریت بنیادی حقوق روٹی کپڑا اور مکان سے

محروم ہوگئی تھی لہٰذا یہ نعرہ پی پی پی کی شناخت بن گیا پی پی پی کے مخالفین کے لیے اسلام سوشلزم اور جمہوریت کے حوالے سے تنقید اور پروپیگنڈا کرنا آسان تھا مگر روٹی کپڑا اور مکان کے مطالبے کی مخالفت کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ ایوب خان کی آمریت ''روٹی کپڑا اور مکان'' کے نعروں کی گونج میں ڈوب گئی۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں اس نعرے کے بعد اور کوئی سیاسی نعرہ اس قدر مقبولیت حاصل نہ کرسکا۔

بھٹو نے 16 مارچ 1968ء کو 4 مزنگ لاہور پر پی پی پی پنجاب کے صوبائی دفتر کا افتتاح کیا۔ شیخ محمد رشید پنجاب پی پی پی کے پہلے صدر تھے انہوں نے دن رات بسوں پر سفر کر کے پنجاب کے اضلاع اور تحصیلوں میں پی پی پی کو منظم کیا۔ پنجاب کے صوبائی دفتر کے مؤثر اور فعال کردار کا اندازہ 1970ء کے انتخابات سے لگایا جاسکتا ہے جس میں پی پی پی نے پنجاب میں واضح اکثریت حاصل کر لی۔ شیخ محمد رشید سے تعاون کرنے والے کارکن مزدور کسان محنت کش اور طلبہ تھے ان میں ایک بھی جاگیردار نہ تھا ثابت ہوا کہ غریب اور محنت کش طبقے ہی معجزے برپا کرسکتے ہیں اور جب جاگیردار سیاسی جماعتوں پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں تو جماعتیں زوال پذیر ہوجاتی ہیں۔ بھٹو نے خیر پور بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

'' حکومت کہتی ہے کہ مشرقی پاکستان اپنے الگ راستے پر چلنا چاہتا ہے میں یہ تسلیم نہیں کرسکتا وہ اکثریت میں ہیں پاکستان کا بیج بنگال نے بویا مسلم لیگ بنگال میں قائم ہوئی۔ اگر بنگال نہ ہوتا تو پاکستان نہ بنتا یہ ہمارا اکثریتی صوبہ ہے۔ جس نے پاکستان کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اکثریت کو اس کے حال پر کیسے چھوڑا جاسکتا ہے''

بھٹو نے اگست 1968ء میں ایک پریس کانفرنس میں حکومت پر زور دیا کہ چھ نکات کے حوالے سے عوامی لیگ سے بات کی جائے وگرنہ صورت حال تشویشناک شکل اختیار کر جائے گی۔ ستمبر 1968ء حیدر آباد میں پی پی پی کا کنونشن ہوا جس میں دس ہزار افراد شریک ہوئے۔ اس کنونشن میں بھٹو نے تاریخی تقریر کی اور جنرل ایوب خان کو زبردست تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا۔

''ہم نے آمریت کو ختم کرنا ہے۔ نواب آف کالا باغ کی وفات سے ایوب کا ایک بازو مفلوج ہوگیا ہے۔ عوام بہت جلد اسکی لاش گورنمنٹ ہاؤس سے باہر پھینک دیں گے۔ خان صاحب میں بزدل نہیں ہوں۔ عوام کی طاقت میرے ساتھ ہے۔ ہم نے کاغذی شیر کو اندر سے دیکھا ہے۔ تم اپنی بندوقیں لاؤ عوام ایٹم بم سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ آؤ مقابلہ کرو ہم تیار ہیں میدانوں میں آؤ غریبوں کی گلیوں میں آؤ جہاں لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو تمہارا منتظر ہے۔''

عوامی شاعر حبیب جالب نے ایوب کی آمریت کے خلاف انقلابی نظمیں لکھیں کلمہ حق کہنے کی پاداش میں وہ ضمیر کے قیدی بھی بنے ان کی ایک نظم دستور بہت مشہور ہوئی جس کا ایک بند درج ہے۔

http://www.apnaorg.com

دیپ جس کا محلات ہی میں جلے
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سائے میں ہر مصلحت کے پلے
ایسے دستور کو صبح بے نور کو
میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

اکتوبر 1968ء میں بھٹو نے سرحد کا دورہ کیا اور پشاور، کوہاٹ، چارسدہ، ایبٹ آباد اور مانسہرہ میں عوام سے خطاب کیا اور مختلف وفود سے ملاقاتیں کیں۔ پشاور میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

''یہ آدم خوروں کی حکومت ہے یہ خواجہ ناظم الدین اور سہروردی کو کھا گئی۔ میں مادر ملت کا نام نہیں لینا چاہتا۔ اس نے بہت سی شخصیتوں کو نگل لیا۔ اس کی بھوک ابھی تک ختم نہیں ہوئی لیکن یہ مجھے نہیں کھا سکے گی''۔

بھٹو کی رابطہ عوام مہم ایوب کے خلاف تحریک کی صورت اختیار کرتی چلی جارہی تھی عوام بھٹو کو ایوب خان کے متبادل کے طور پر قبول کررہے تھے۔ 7 نومبر 1968ء طلبہ کا ایک گروپ لنڈی کوتل سے سامان خرید کر آرہا تھا۔ کسٹم حکام نے ان کا سامان چھین لیا۔ ان طلبہ کا تعلق گارڈن کالج راولپنڈی سے تھا جب کالج میں کسٹم حکام کی زیادتیوں کی خبر پہنچی تو ہزاروں طلبہ نے احتجاجی جلوس نکالا۔ راولپنڈی پولی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ اور دوسرے کالجوں کے طلبہ بھی جلوس میں شامل ہوگئے۔ طلبہ کہ خبر ملی کو بھٹو ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل آرہے ہیں تو طلبہ ہوٹل پہنچ گئے۔ پولیس نے آنسو گیس پھینکی اور لاٹھی چارج شروع کردیا۔ طلبہ نے پولیس پر پتھراؤ کیا اور پولیس نے فائرنگ شروع کردی۔ پولی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کا طالب علم عبدالحمید پولیس فائرنگ سے ہلاک ہوگیا۔ طلبہ نے اشتعال میں آکر توڑ پھوڑ کی اور بسوں اور عمارتوں کو نذر آتش کردیا۔ طلبہ کی خواہش تھی کہ بھٹو کی قیادت میں طالب علم عبدالحمید کی لاش کو جلوس کی صورت میں ایوان صدر لے کر جائیں بھٹو نے پارٹی کے عہدیداروں کو طلبہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ بھٹو کا احتجاجی جلوس میں شامل ہونا مناسب نہیں۔ بھٹو دوسرے روز مرحوم طالب علم کے گھر گئے اور اس کے والدین سے اظہار تعزیت کیا۔ خورشید حسن میر ان کے ہمراہ تھے۔ بھٹو کے اس اقدام سے ملک بھر کے طلبہ میں بھٹو کے بارے میں عقیدت کے جذبات پیدا ہوئے 8 نومبر 1968ء کو طلبہ کے ہنگاموں کی وجہ سے راولپنڈی شہر کو فوج کے حوالے کردیا گیا۔ 9 نومبر کو زبردست ہنگامے ہوئے۔ مظاہرین نے بسوں اور سرکاری گاڑیوں کو نذر آتش کردیا۔ پولیس نے گولی چلائی دو آدمی ہلاک ہوگئے۔ پورے ملک میں شدید ردعمل ہوا اور بڑے شہروں میں احتجاجی مظاہرے ہوئے۔

http://www.apnaorg.com

بھٹو 9 نومبر 1968ء کو تیز گام کے ذریعے لاہور روانہ ہوئے تو راولپنڈی ریلوے سٹیشن پر عوام کے ہجوم نے ان کو الوداع کہا۔ جہلم، گجرات، لالہ موسیٰ، گوجرانوالہ اور وزیر آباد کے سٹیشنوں پر عوام نے زبردستی ٹرین کو روک لیا۔ ٹرین دو گھنٹے کی تاخیر سے لاہور پہنچی تو ایک لاکھ عوام ریلوے سٹیشن پر موجود تھے۔ لوگ چھتوں، پلوں، دروازوں، اور کھڑکیوں سے چمٹے ہوئے تھے۔ جب ٹرین رینگتی ہوئی پلیٹ فارم پر پہنچی تو فضا ''بھٹو زندہ باد آمریت مردہ باد'' کے نعروں سے گونج اٹھی۔ بھٹو کو بڑی مشکل سے گاڑی سے نکال کر ہوٹل پہنچایا گیا۔ پورے شہر میں عوام نے احتجاج کیا پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ مظاہرین نے کئی بسوں اور سرکاری گاڑیوں کو جلا دیا۔ ایوب خاں کے خلاف تحریک اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی اور پاکستان کے ہر شہر میں ایوب کے خلاف نعرے لگ رہے تھے۔ پی پی لاہور نے یونیورسٹی گراؤنڈ میں جلسہ عام کا اعلان کر رکھا تھا حکومت کسی قیمت پر بھٹو کو لاہور میں جلسے کی اجازت نہیں دینا چاہتی تھی۔

پنجاب کے سابق آئی جی پولیس حاجی حبیب الرحمٰن بتاتے ہیں کہ مرکزی حکومت بہت پریشان تھی یونیورسٹی گراؤنڈ میں اگر دو تین لاکھ لوگ جمع ہوجاتے تو پورے لاہور میں امن و امان کا مسئلہ پیدا ہوجاتا اور ایوب حکومت لرز کر رہ جاتی چنانچہ عوام کو یونیورسٹی گراؤنڈ میں جمع ہونے سے روکنے کے لیے ایک ترکیب سوچی گئی دو تین ٹیکسیوں پر پی پی کے جھنڈے اور بھٹو کی تصویریں لگا کر پورے شہر میں اعلان کر دیا گیا کہ بھٹو بذریعہ سڑک لاہور سے روانہ ہوگئے ہیں لہٰذا جلسہ منسوخ کر دیا گیا ہے نئی تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ پارٹی چونکہ منظم نہ تھی لہٰذا وہ اس پلان کا توڑ نہ کر سکی۔ صدر ایوب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور انہوں نے بھٹو کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ ڈاکٹر مبشر حسن نے بھٹو کی گرفتاری کی روداد سنائی۔

''13 نومبر 1968ء کی رات کو ڈیڑھ بجے مسلح پولیس نے گلبرگ میں ان کی کوٹھی کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک پولیس آفیسر نے چوکیدار سے گیٹ کھولنے کے لیے کہا لیکن اس نے انکار کر دیا پولیس نے چوکیدار کو دھکے دے کر ایک طرف کردیا۔ ڈاکٹر مبشر کی آنکھ کھل گئی دروازے پر شور سن کر کمرے سے باہر نکلے تو پولیس کو دیکھ کر سب کچھ سمجھ گئے۔ ڈاکٹر مبشر نے پوچھا ''تم کس لیے آئے ہو اور کیا چاہتے ہو'' ڈی ایس پی نے کہا ''ہم بھٹو صاحب سے ملنے آئے ہیں''۔ ڈاکٹر مبشر نے بھٹو کو اطلاع دی تو انہوں نے بغیر کسی تشویش کے کہا پولیس آفیسر کو اندر لے آؤ۔ ڈاکٹر مبشر نے پولیس سے گرفتاری کے لیے احکامات دیکھے۔ بھٹو نے تیار ہونے کے لیے کچھ وقت مانگا۔ پولیس ذوالفقار علی بھٹو، ممتاز علی بھٹو، پیر بخش بھٹو اور ڈاکٹر مبشر حسن کو گرفتار کر کے لے گئی۔ ان کے علاوہ عبدالولی خان، غلام مصطفیٰ کھر، ارباب سکندر خان خلیل، میر رسول بخش تالپور، اجمل خٹک، ممتاز سندھی شاعر شیخ ایاز، سٹوڈنٹ لیڈر امان اللہ خان اور احمد رضا خان کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ پاکستان کے اکثر اخبارات پاکستان ٹائمز، مشرق، امروز

http://www.apnaorg.com

،مارننگ نیوز حکومت کے کنٹرول میں تھے ان میں بھٹو کی گرفتاری کی خبر کو کوئی اہمیت نہ دی گئی، جبکہ دنیا کے تمام اہم اخبارات لندن ٹائمز، ڈیلی ٹیلی گراف، گارڈین نے گرفتاری کی خبر کو نمایاں کوریج دی اور ایوب حکومت پر سخت تبصرے کئے۔ ان اخبارات کی دو سرخیاں اہم تھیں جن میں تحریر کیا گیا۔ ''کیا صدر ایوب نے اپنے جانشین کو قید کر دیا ہے'' اور ''صدر ایوب نے بھٹو کے سر پر شہادت کا تاج رکھ دیا ہے''۔ ایوب کا خیال تھا کہ بھٹو کی گرفتاری سے تحریک ختم ہوجائے گی مگر بھٹو مجاہدانہ قوم پرستی اور شعلہ بیانی کی وجہ سے طلبہ کے مقبول لیڈر بن چکے تھے ان کی گرفتاری کے بعد احتجاجی مظاہروں میں شدت پیدا ہوگئی اور بھٹو عوام کی نظروں میں مظلوم بن گئے۔ 14 نومبر کو بیگم نصرت بھٹو لاہور پہنچیں اور بھٹو کی نظر بندی کو ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ بھٹو کی وکالت ممتاز قانون دان میاں محمود علی قصوری نے کی۔ بھٹو کو ساہیوال جیل سے میانوالی جیل منتقل کر دیا گیا اور انہیں ذہنی اذیت کا نشانہ بنایا گیا۔ اپوزیشن راہنماؤں کی گرفتاریاں ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت کی گئی تھیں۔ بھٹو کی جانب سے ہائی کورٹ میں حلفیہ بیان دائر کیا گیا اس میں تحریر تھا۔

''عوام کی غربت ناقابل بیان ہے اس کے باوجود وہ بہتر مستقبل کی اُمید رکھتے ہیں۔ بھوک کی وجہ سے ماؤں کی چھاتیوں میں اپنے بچوں کے لیے دودھ نہیں رہا۔ آفتوں اور مصیبتوں نے باپوں کی آنکھوں کے آنسو خشک کر دیئے ہیں۔ یہ خدا کا قانون نہیں ہے کہ عوام نااُمیدی اور مایوسی کا شکار رہیں اور ان کے بچے بھوک اور پیاس سے مرجائیں پاکستان کے عوام بہتر زندگی چاہتے ہیں وہ روٹی کپڑا مکان اور روزگار مانگتے ہیں۔ ضمیر کا قیدی اپنے خدا سے غریب لوگوں کی دعاؤں کا جواب مانگتا ہے کیونکہ حکمرانوں کے کان بہرے ہوچکے ہیں اور نوکر شاہی کے دل سرد ہو چکے ہیں''۔

ہائی کورٹ میں اپیل کی سماعت کے دوران بیگم نصرت بھٹو، ڈاکٹر مبشر حسن، حنیف رامے، علی احمد تالپور، جے اے رحیم، ملک غلام جیلانی، ایئر مارشل اصغر خان اور شورش کاشمیری کے علاوہ پارٹی کے کارکن کمرہ عدالت میں موجود تھے۔ میاں محمود علی قصوری ،ذکی الدین پال، جاوید اقبال، شیخ محمد رشید، عبدالحفیظ پیرزادہ، خورشید حسن میر نے کیس کی پیروی کی۔

پی پی پی نے لاہور میں مال روڈ پر ایک احتجاجی جلوس نکالا جس کی قیادت بیگم نصرت بھٹو نے کی۔ یہ جلوس تانگوں، ٹیکسیوں، رکشوں اور ریڑھوں پر مشتمل تھا اور اس میں ایک بھی کار نہ تھی۔ جلوس میں مزدور طلبہ غریب کارکن، صحافی، وکیل اور دانشور شامل تھے۔ تین رنگوں والے پارٹی پرچم اور بھٹو کی تصاویر نے جلوس میں دلکش رنگ بھر دیا۔ یہ جلوس پی پی پی کے عوامی نظریاتی اور انقلابی مزاج کا آئینہ دار تھا۔ جلوس کے شرکاء پرجوش انداز میں انقلابی نعرے لگا رہے تھے چینی کی قیمت 25 پیسے فی کلو بڑھنے سے عوام میں مزید اشتعال پیدا ہوا اور تحریک زور پکڑ گئی۔

17 نومبر 1968ء کو ایئر مارشل اصغر خان نے سیاست میں آنے کا اعلان کردیا۔ بھٹو نظر بند

تھے۔ اصغر خان نیک نام تھے اور 1965ء کی جنگ میں مثالی کردار کی وجہ سے عوام میں مقبول تھے لہٰذا عوام نے ان کے فیصلے کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ جب تک بھٹو نظر بند رہے اصغر خان تحریک کی قیادت کر کے عوام میں جوش و جذبہ پیدا کرتے رہے۔ اصغر خان کی وجہ سے تحریک کو تقویت ملی اور ایوب خان کی حکومت مزید کمزور ہوگئی۔

مشرقی پاکستان بھی ہنگاموں اور مظاہروں کی لپیٹ میں تھا۔ بنگالی احساس محرومی کا شکار ہو چکے تھے وہاں پر مغربی پاکستان کی نسبت غربت کہیں زیادہ تھی۔ بنگالیوں نے پولیس سٹیشنوں پر حملے کیے ٹرینیں روک دیں سرکاری محکموں کو مفلوج کر دیا۔ بی ڈی ممبرز مستعفی ہونے پر مجبور ہوگئے کئی ممبران کو زندہ جلا دیا گیا۔ گورنر منعم خان کو اپنی فیملی کے ساتھ اسلام آباد آنا پڑا۔ جنرل یحیٰی خان نے جنرل ایوب کے کہنے پر مشرقی پاکستان کے چند شہروں میں مارشل لا لگانے سے انکار کر دیا۔

پی پی پی کے علاوہ دوسری سیاسی جماعتوں نے ایوب خان کے خلاف پاکستان ڈیموکریٹک موومینٹ (پی ڈی ایم) کے نام سے اتحاد قائم کر لیا۔ اس اتحاد میں جماعت اسلامی کے امیر مولانا مودودی جمیعت العلمائے اسلام کے صدر مفتی محمود نیشنل عوامی پارٹی کے سربراہ ولی خان نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے نور الامین کونسل مسلم لیگ کے دولتانہ عوامی لیگ کے مجیب الرحمٰن اور عوامی لیگ گروپ کے نواب زادہ نصر اللہ شامل تھے۔

ایوب حکومت نے بھٹو سے خوف زدہ ہو کر ان کی کردار کشی شروع کر دی اور ان کے خلاف بے بنیاد الزامات لگائے۔ بھٹو نے بڑے مدلل اور موثر انداز میں ان کا جواب دیا اور کہا۔

''میرے بھائیو پی پی پی ایک اصولی اور نظریاتی جماعت ہے مگر حکومت نے ذاتی انتقام لینا شروع کر دیا ہے۔ ہم اصولوں کی بات کرتے ہیں حکومت ٹریکٹر کیس بناتی ہے۔ ہم سوشلزم کی بات کرتے ہیں حکومت ہمیں ڈی پی آر میں گرفتار کرتی ہے۔ ہم بلوچستان کے عوام سے انصاف کرنے کی بات کرتے ہیں حکومت اکبر بگتی کو گرفتار کر لیتی ہے۔ ہم کہتے ہیں عوام جمہوریت مانگتے ہیں حکومت کہتی ہے بی ڈی کا نظام کافی ہے۔ ہم عوام کے لیے روٹی کپڑا اور مکان کا مطالبہ کرتے ہیں حکومت ہم پر تشدد کرتی ہے اور گولیاں مارتی ہے۔''

بھٹو کے ذاتی دوست حکومت میں موجود تھے جو انہیں اندر کی خبریں دیتے رہتے تھے جب بھٹو کو علم ہوا کہ ایوب خان ہتھیار پھینک چکا ہے تو بھٹو نے ایوب خان پر اپنی تنقید میں شدت پیدا کر دی۔

فروری 1969ء میں بھٹو کو المرتضیٰ لاڑکانہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ بھٹو نے بھوک ہڑتال کر دی۔ ڈاکٹر مبشر وحید کٹھپڑ نثار احمد خان اور سینکڑوں کارکنوں نے بھی المرتضیٰ کے سامنے تا دم مرگ بھوک ہڑتال کر دی۔ بھوک ہڑتال کی یہ لہر پورے ملک میں پھیل گئی۔ ایوب خان نے دباؤ میں آ کر بھٹو کو رہا کر دیا۔ ان کی رہائی کے بعد ہزاروں لوگ المرتضیٰ پر جمع ہوگئے اور بھٹو کو ہار پہنائے انہیں کندھے پر

اٹھا لیا ''جئے بھٹو ساڈا جئے'' کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ اصغر خان بھی اس موقع پر موجود تھے۔ بھٹو اصغر خان سے گلے ملے اور ہجوم نے ''بھٹو اصغر بھائی بھائی'' کے نعرے لگائے۔ بھٹو بولان میل سے کراچی پہنچے ریلوے سٹیشن پر لاکھوں افراد جمع ہوگئے۔ بھٹو کو پرچموں اور جھنڈیوں سے سجے ہوئے ایک ٹرک میں سوار کیا گیا۔ جلوس میں لوگ ڈانس کر کے بھٹو کی رہائی پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ عوام پُرجوش انداز میں نعرے لگا رہے تھے۔ ''سینے پہ گولی کھائیں گے انقلاب لائیں گے'' ''ہم کو روٹی کپڑا دو ورنہ کرسی چھوڑ دو'' کراچی کے طلبہ جو معراج محمد خان کے ساتھی تھے کمیونزم اور سوشلزم پر یقین رکھتے تھے اور مکمل انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا کراچی کے جلسے اور جلوسوں میں نعرے بھی انقلابی نوعیت کے ہوتے تھے۔ جلوس کے دوران بھٹو دونوں ہاتھوں سے اشارے کر کے عوام کو بتاتے کہ ہاتھوں میں زنجیر لگی تھی اب ٹوٹ گئی ہے۔۔ قائداعظم کے مزار پر انہوں نے پرجوش خطاب کیا۔

جنرل ایوب نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے آخری حربہ کے طور پر 11 فروری 1969ء کو سیاست دانوں کی گول میز کانفرنس بلانے کا اعلان کر دیا۔ بھٹو نے اس کانفرنس میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ گول میز کانفرنس 10 مارچ 1969ء کو ہوئی جس میں مجیب الرحمٰن سمیت تمام سیاست دانوں نے شرکت کی۔ بھٹو، اصغر خان اور مولانا بھاشانی نے کانفرنس میں شرکت نہ کر کے سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کیا۔ سڑکوں پر ایوب خان کے خلاف نعرے لگ رہے تھے۔ ایوبی آمریت کی دیوار گرنے والی تھی ان حالات میں ایوب خان کے ساتھ بیٹھنا اسے مستحکم کرنے کے مترادف تھا۔ بھٹو نے موچی دروازے میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے عوام میرے لیے گول میز کانفرنس سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ مغربی پاکستان کی جن سیاسی جماعتوں نے گول میز کانفرنس میں شرکت کی انہیں 1970ء کے انتخابات میں شکست کا سامنا کرنا پڑا پاکستان کے عوام بھٹو کے ساتھ تھے کانفرنس کے باوجود وہ احتجاجی مظاہرے کرتے رہے۔ جب جنرل ایوب خان کا آخری حربہ ناکام ہوگیا تو انہوں نے 25 مارچ 1969ء کو اقتدار فوج کے کمانڈر ان چیف جنرل یحییٰ خان کے سپرد کر دیا۔ حالانکہ ان کے اپنے آئین 1962ء کے مطابق اقتدار قومی اسمبلی کے سپیکر کو منتقل ہونا چاہئے تھا۔ ایک مصدقہ روایت کے مطابق جب یحییٰ خاں نے دیکھا کہ ایوب خاں ہمت ہار چکے ہیں تو وہ مسلح ہو کر جنرل ایوب کے آفس میں چلے گئے اور انہیں مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔ سینئر جرنیلوں نے بھی جنرل یحییٰ خان سے تعاون کیا۔ جنرل یحییٰ خان نے اقتدار سنبھالتے ہی ملک بھر میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ مرکزی اور صوبائی حکومتیں توڑ دیں۔ اسمبلیاں معطل کر دیں اور سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد کر دی۔ 1962ء کا آئین منسوخ کر دیا اور خود چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن گئے۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد حالات میں بہتری آئی۔ عوام کا بڑا مطالبہ پورا ہوگیا۔ ملک میں ایجی ٹیشن رک گئے۔

ایوب کی حکومت مضبوط اور مستحکم تھی فوج، بیوروکریسی، کنونیشن لیگ اور بی ڈی ممبران حکومت

کے ساتھ تھے۔ ایوب دس سالہ کامیابیوں کا جشن منا رہے تھے۔ ایوب کے دور میں عوام کا بری طرح استحصال ہوا۔ بائیس خاندانوں نے ملک کی نوے فیصد دولت پر قبضہ کرلیا تھا۔ ان بائیس خاندانوں میں سہگل، آدم جی ،حبیب، داؤد ،کریسنٹ ،دادا بھائی، باوانی ،ولیکا ،ڈنشا ،جی سنز ،آرگ ،مولا بخش ،وزیر علی، کاؤس جی ،بیکو ،فتح ،گندھارا ،گوہر ایوب ،حسین ،شاہ نواز گروپ شامل تھے۔ بھٹو عوام کے مزاج شناس تھے ان کو اس حقیقت کا ادراک ہو چکا تھا کہ عوام تبدیلی چاہتے ہیں چنانچہ انہوں نے بڑی جرأت اور بے باکی سے ایوب خان کو چیلنج کر کے عوام کا خوف دور کیا۔ معاہدہ تاشقند کو بڑی مہارت سے ایوب خان کے خلاف استعمال کیا۔ اپوزیشن صدارتی نظام اور بنیادی جمہوریت کے نظام سے مطمئن نہ تھی اور پارلیمانی نظام کا مطالبہ کر رہی تھی۔ ایوب کے دور میں صنعتی انقلاب آیا مگر سماجی انصاف کو نظر انداز کر دیا گیا۔ متوسط اور غریب طبقے احساس محرومی کا شکار ہو گئے۔ ایوب خان نے جن سیاست دانوں کو ایبڈو کے تحت نااہل قرار دیا تھا وہ پابندی کی مدت ختم ہونے کے بعد ایوب کے خلاف تحریک کا حصہ بن گئے۔

گوہر ایوب اور ان کے سسر جنرل حبیب اللہ بائیس خاندانوں میں شمار ہو گئے جس سے عوام میں ایوب خان کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوئے۔ مذہبی جماعتوں نے ایوب خان کے فیملی لاز آرڈیننس کو قبول نہیں کیا تھا۔ جاگیردار کسانوں کا استحصال کرتے تھے جبکہ صنعت کار مزدوروں کو روزگار کا تحفظ دینے کے لیے تیار نہیں تھے اور جب جی چاہتا مزدور کو فیکٹری سے نکال دیتے۔ جب ایوب خان کے خلاف تحریک چلی تو محروم طبقے اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ ایوب کے دور میں پورے ایشیا میں سوشلزم کی لہر چل رہی تھی۔ طلبہ سوشلزم سے بہت متاثر تھے اور پاکستان میں سوشلسٹ انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے ایک روایت یہ بھی ہے کہ بڑی طاقتیں بھی ایوب خان کے خلاف ہو چکی تھیں اور اس کو تبدیل کر کے چین سے تعلقات قائم کرنا چاہتی تھیں۔ ایوب خان سپر پاور امریکہ کے لیے مردہ گھوڑا بن چکا تھا اور وہ اس سے اپنا کام لے چکا تھا۔ ایوب خان کے خلاف تحریک صحیح معنوں میں ایک عوامی اور انقلابی تحریک تھی جسے کامیاب بنانے کے لیے مزدوروں ،کسانوں ،طلبہ ،صحافیوں ،وکیلوں، دانشوروں مذہبی علماء، سوشلسٹوں اور غریبوں نے اہم اور فعال کردار ادا کیا فوج عوامی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اگر بھٹو چین کی طرز کا انقلاب لانے کا فیصلہ کر لیتے تو مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام انقلاب کے لیے تیار تھے۔ بھٹو ترقی پسند تھے۔ مگر ماؤزے تنگ اور چواین لائی کی طرح انقلابی نہ تھے لہٰذا انہوں نے انتخابات کو انقلاب پر ترجیح دی اور پاکستان نے انقلاب کا تاریخی موقع کھو دیا۔

http://www.apnaorg.com

لاہور ہائی کورٹ۔ قیوم نظامی اور جسٹس (ریٹائرڈ) ملک سعید حسن

نظریاتی کشمکش، کفر کے فتوے، قاتلانہ حملے

1970ء انتخابات کا سال بن گیا پی پی ایک نئی جماعت تھی جسے عوامی رابطے کی ضرورت تھی تا کہ پارٹی کا پروگرام ہر گھر میں پہنچ جائے بھٹو جانتے تھے کہ پی پی کے اتحادی غریب عوام ہیں جو اخبار نہیں پڑھ سکتے لہٰذا ان کے دلوں میں گھر کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ جلسوں کے ذریعے براہ راست ان سے خطاب کیا جائے۔ بھٹو نے پارٹی کو مقبول بنانے کے لیے شب و روز محنت کی۔ انہوں نے ملک کے ہر گوشے میں جا کر عوام سے خطاب کیا۔ بھٹو برصغیر کے سیاست دانوں میں عوام سے سب سے زیادہ رابطہ کرنے والے سیاست دان تھے۔ عوام سے ان کا تعلق عاشق اور معشوق جیسا تھا۔ بھٹو نے عوام کو سیاست میں شناخت اور طاقت دی اور معاشرے میں عزت نفس دی۔ عوام نے بھی بھٹو سے وفاداری نبھائی۔

لب بام بھی پکارا سر دار بھی صدا دی
میں کہاں کہاں نہ پہنچا تیری دید کی لگن میں

یکم مارچ 1970ء کو بھٹو نے دینہ سے گجرات تک پینتالیس میل لمبا جلوس نکالا۔ جلوس میں سکوٹر، موٹر سائیکل، کاریں، ٹیکسیاں، جیپیں، بسیں، ٹرک، ریڑھے اور ٹریکٹر شامل تھے لوگ دیوانہ وار بھٹو پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کرتے رہے۔ جلوس میں بوڑھے بچے اور جوان شامل تھے جو ''بھٹو جئے ہزاروں سال'' ''سوشلزم آوے ای آوے'' ''چیئرمین بھٹو زندہ باد'' ''امریکی فتوئی ہائے ہائے'' کے پر جوش نعرے لگا رہے تھے۔ منو بھائی نے بتایا کہ ایک جگہ پر نوجوانوں نے بھٹو کی کار کو روک لیا اور ''سوشلزم آوے ای آوے'' کے زبردست نعرے لگانے شروع کر دیئے بھٹو نے کہا کہ ہم سوشلزم کے بارے میں شاید اتنے سنجیدہ نہ ہوں مگر نوجوان سوشلزم پر پورا یقین رکھتے ہیں۔

23 مارچ 1970ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ایک تاریخی کسان کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے روح رواں مولانا بھاشانی تھے جو انتہائی سادہ لباس پہنتے تھے۔ کانفرنس میں پی پی پی نیشنل عوامی پارٹی، جمعیت العلمائے اسلام، لیبر پارٹی، اسلام لیگ، جمعیت العلمائے پاکستان (محمود شاہ گروپ) کے راہنماؤں نے شرکت کی۔ صدارت راؤ مہروز اختر نے کی۔ مولانا بھاشانی نے صدارتی خطاب میں کہا ''آپ جو چاروں طرف لال ٹوپیاں اور لال جھنڈے دیکھ رہے ہیں یہ ہمیں کربلا کے شہیدوں کی یاد دلاتے ہیں سرخ جھنڈا کمیونسٹوں کا جھنڈا نہیں یہ اسلامی جھنڈا ہے۔ ظالموں کو ختم کرنے کا جھنڈا ہے۔

http://www.apnaorg.com

اس تاریخی کانفرنس سے بیگم میاں افتخار الدین، مسیح الرحمٰن، عابد حسن منٹو، مرزا ابراہیم، ملک معراج خالد، کنیز فاطمہ، میاں عارف افتخار، بشیر بختیار اور طارق عزیز نے خطاب کیا۔ مولانا بھاشانی ''جالو جالو آگن جالو'' کے نعرے لگاتے تھے ایک صحافی نے مولانا سے سوال کیا آپ جلاؤ اور گھیراؤ کے نعرے کیوں لگواتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں حکمرانوں کو یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ غریبوں کے پیٹ میں بھوک اور افلاس کی جو آگ جل رہی ہے اسے بجھانے کی سبیل کرو ورنہ آگ کا کام پھیلنا ہوتا ہے۔ آگ پھیلے گی تو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لی گی۔ مولانا بھاشانی اکثر یہ کہتے کہ سرمایہ دار اور جاگیردار مزدوروں اور کسانوں کو صبر کو تلقین کرتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ صبر کرو گے تو تمہیں جنت ملے گی میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے کہتا ہوں کہ تم بھی صبر کرو خدا تم سے خوش ہوگا اور تمہیں جنت ملے گی ہم تمہارے بغیر جنت میں نہیں جانا چاہتے''۔

''میرا نام ذوالفقار علی بھٹو ہے مجھے گولی مارو میرے عوام کو گولی کیوں مارتے ہو'' یہ الفاظ بھٹو نے اس وقت کہے جب سانگھڑ میں ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ بھٹو سندھ کا دورہ کرتے ہوئے شہداد پور سے سانگھڑ پہنچے۔ وہ ریسٹ ہاؤس کی جانب جا رہے تھے۔ راستے میں پیر پگاڑا کے مرید خندقیں کھود کر چھپے بیٹھے تھے کچھ درختوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھٹو اور ان کے ساتھیوں کو گھیرے میں لے کر فائرنگ شروع کر دی بھٹو جذباتی انداز میں اپنی کار سے باہر نکل آئے اور حملہ آوروں کو للکارا ایک گولی بھٹو کی ٹوپی کو لگی۔ بھٹو کے ساتھیوں نے ان کو زبردستی زمین پر گرالیا۔ بھٹو نے جوش میں آ کر ایک بار پھر حملہ آوروں کا سامنا کرنے کی کوشش کی مگر ان کے ساتھی انہیں کار میں بٹھا کر حیدر آباد کی جانب لے گئے میونسپل پارک میں ہزاروں افراد اپنے قائد کا انتظار کر رہے تھے۔ شر پسندوں نے جلسہ گاہ میں بھی ہنگامہ کر دیا۔ انہوں نے پتھروں اور لاٹھیوں کے علاوہ گولیاں بھی چلانی شروع کر دیں پارٹی کا ایک کارکن ابراہیم چانڈیو شہید ہوا اور ساٹھ لوگ زخمی ہوئے بھٹو پر ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا۔ بھٹو نے پریس کانفرنس میں کہا'' میں متنبہ کرتا ہوں کہ اگر یہ قاتلانہ حملے کامیاب ہوگئے اور میں عوام کے حقوق کی بحالی کی جدوجہد کے دوران ہلاک ہوگیا تو مجھ سے عقیدت اور محبت رکھنے والے عوام کا ردعمل انتہائی سنگین ہوگا۔ میں یقین سے کہتا ہوں پھر دریائے سندھ کا پانی سرخ ہوجائے گا''

اس قاتلانہ حملے سے ملک بھر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی اور پی پی پی کے کارکنوں نے ہر شہر میں اس اندوہناک واقعہ کے خلاف احتجاج کیا۔ بھٹو کو سیاسی منظر سے ہٹانے کے لیے یہ پہلا قاتلانہ حملہ نہیں تھا بلکہ سرمایہ داروں جاگیرداروں اور رجعت پسندوں کے غنڈے پہلے بھی بھٹو کی زندگی ختم کرنے کے لیے کئی حملے کر چکے تھے۔ جون 1967ء میں ان پر ایوب خان کے حامیوں نے اس وقت حملہ کرایا جب وہ گول باغ لاہور میں ایک عظیم الشان جلسہ عام سے خطاب کر رہے تھے۔ ایوب خان کے غنڈوں نے بھٹو پر دوسرا حملہ جنوری 1968ء میں ملتان کے جلسہ عام میں کیا۔ ایوب خان کا خیال تھا کہ بھٹو خوف

زدہ ہو کر سیاست ترک کر دیں گے مگر بھٹو نڈر اور بے باک لیڈر تھے۔ انہوں نے یہ کہتے ہوئے اپنا سیاسی سفر جاری رکھا۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

ستمبر 1967ء میں ایوب خان کے ایک صوبائی وزیر نے بھٹو پر ایک حملہ ڈیرہ اسماعیل خان میں کرایا جہاں پر وہ عوام کے اجتماع سے خطاب کرنے کے لیے پہنچے تھے۔ اس موقع پر عوام پر لاٹھی چارج کیا گیا اور آنسو گیس استعمال کی گئی۔ بھٹو نے جب کراچی میں ایک تاریخی جلوس کی قیادت کی تو اس موقع پر بھی کرایے کے غنڈوں نے قاتلانہ حملہ کیا مگر عوام نے ان غنڈوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ صادق آباد میں بھی رجعت پسندوں نے بھٹو کی جان لینے کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔ بھٹو پر حملے اس لیے کئے گئے کیونکہ بھٹو سرمایہ داری، جاگیرداری اور سٹیٹس کو (Status Quo) کے خلاف تحریک چلا رہے تھے مظلوم بے بس عوام اٹھ کھڑے ہوئے تھے استحصالی طبقات انقلابی اور عوامی لہر سے خوف زدہ ہو گئے تھے اور بھٹو کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ بھٹو نے استحصالی طبقات کے خلاف جہاد جاری رکھا اور عوامی جلسوں میں حبیب جالب کے الفاظ میں یہ کہتے رہے۔

میں بھی خائف نہیں تختۂ دار سے
میں بھی منصور ہوں کہہ دو اغیار سے
کیوں ڈراتے ہو زنداں کی دیوار سے
ظلم کی رات کو جہل کی بات کو
میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

بھٹو نے اپنی پرجوش انقلابی اور نظریاتی تقریروں سے نہ صرف مزدوروں کسانوں محنت کشوں اور غریب عوام کو متاثر کیا بلکہ ترقی پسند صحافی اور دانشور بھی ان سے متاثر ہوئے۔ پاکستان کے سینئر صحافی اطہر ندیم جو آج کل روزنامہ دن کے صفحہ اداریہ کے انچارج ہیں ان دنوں ہفت روزہ نصرت کے لیے رضاکارانہ کام کرتے تھے۔ اطہر ندیم راوی ہیں کہ انہوں نے حسین نقی کو مشورہ دیا کہ صحافتی محاذ پر بھٹو سے تعاون کرنا چاہیئے۔ پی پی پی کے حق میں ایک پمفلٹ تیار کیا گیا جو حنیف رامے نے بھٹو کو دیا۔ پارک لگژری ہوٹل لاہور میں پنجاب کے پی پی پی ضلعی آرگنائزز کا ایک اجلاس ہوا۔ اطہر ندیم نے یہ پمفلٹ وہاں پر بھی تقسیم کیا۔ حسین نقی، اطہر ندیم، شفقت تنویر مرزا اور عباس اطہر نے لاہور میں بھٹو سے ملاقات کی۔ حسین نقی نے بھٹو سے کہا۔

"بھٹو صاحب ایک بات نوٹ کر لیں آپ فوج یا عوام کی مدد سے اس ملک کے حکمران بنیں

http://www.apnaorg.com

گے۔ حکمران بننے کے بعد آپ سب سے پہلے ہمیں گرفتار کریں گے۔ ہم شعوری طور پر تاریخ کے اس دور میں آپ کا ساتھ دے رہے ہیں کسی غلط فہمی یا خوش فہمی سے ساتھ نہیں دے رہے یہ تاریخ کا تقاضہ ہے کہ ہم آپ کا ساتھ دیں۔ ہم پی پی پی کے لیے کام کرنا چاہتے ہیں مگر پارٹی میں کام لینے کی صلاحیت نہیں ہے۔ آپ کمیٹی بنائیں جو ہفتہ وار میٹنگ کرے اور پروپیگنڈے کا جواب دے یہ کمیٹی براہ راست آپ کی نگرانی میں کام کرے۔ پبلشنگ حنیف رامے کا فیملی بزنس ہے ان سے کام لیں اگر آپ دس کام ایک شخص کے سپرد کریں گے تو کام نہیں چلے گا۔"

بھٹو نے حسین نقی کی تجویز سے اتفاق کیا اور حسین نقی، منو بھائی، اطہر ندیم، عباس اطہر، شفقت تنویر، مرزا مسعود اللہ خان، علی جعفر زیدی اور ڈاکٹر سعید شفقت پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی حنیف رامے کو کمیٹی کا کوآرڈی نیٹر مقرر کیا گیا۔

عبداللہ ملک، شورش کاشمیری، ایچ کے برکی نے بھی پی پی پی کے ابتدائی دور میں بھٹو سے تعاون کیا۔ عبداللہ ملک نے بتایا کہ ان کے بھٹو کے ساتھ پرانے مراسم تھے باہمی احترام کا یہ رشتہ آخر دم تک قائم رہا۔ وہ بتاتے ہیں ایک دفعہ بھٹو نے وزیر پٹرولیم کی حیثیت سے لاہور میں ایک تقریب میں امریکہ کے خلاف سخت تقریر کر دی۔ ڈیلی ٹیلی گراف کے نمائندے نے رپورٹ فائل کر دی۔ عبداللہ ملک رات گیارہ بجے بھٹو کے کمرے میں چلے گئے وہ نشے میں تھے۔ عبداللہ ملک نے اُنھیں رپورٹ کے بارے میں بتایا اور کہا کہ رپورٹ شائع ہونے سے بڑا مسئلہ پیدا ہوگا۔ بھٹو نے کہا "میں بھی بڑا گدھا ہوں امریکہ کے خلاف سخت تقریر کر دی"۔ وفاقی انفارمیشن سیکرٹری عبدالقیوم کے ذریعے ڈیلی ٹیلی گراف کی رپورٹ رکوائی گئی بھٹو عبداللہ ملک کے ممنون رہے۔ ایوب کی زرعی اصلاحات کے بعد عبداللہ ملک نے بھٹو سے پوچھا کو آپ سندھ کے زمیندار ہیں زرعی اصلاحات کا آپ پر کیا اثر ہوگا۔ بھٹو نے جواب دیا۔

"عبداللہ بیوقوف نہ بنو زرعی اصلاحات سے مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوگا۔ ہاری کے ذہن پر اثر ہوگا مگر ہاری زمین نہیں لے گا۔ اسے زمین دو تب بھی نہیں لے گا ہاری پس ماندہ ہے وہ اسے خدا کے حکم کے خلاف سمجھے گا۔ ہاری جب تک اپنے حقوق سے آشنا نہیں ہوگا اس کی قسمت نہیں بدلے گی۔"

عبداللہ ملک کے بھٹو کے ساتھ تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے 1977ء کے انتخابات کے لیے جو غیر سرکاری پبلسٹی کمیٹی بنائی گئی اس میں عبداللہ ملک، حامد محمود اور عباس اطہر شامل تھے۔ 29 مارچ 1970ء میں پی پی پی پنجاب کا ایک اجلاس ہوا جس میں شیخ محمد، رشید تاج محمد لنگاہ، احمد رضا قصوری، خورشید حسن میر اور امان اللہ خان نے ایک قرار داد پیش کی کہ زمین کی ملکیت کی حد 25 ایکڑ سے 50 ایکڑ تک مقرر کی جائے۔ مصطفیٰ کھر اور معراج خالد نے قرار داد کی مخالفت کی۔ اجلاس ملتوی کر دیا گیا اور امان اللہ خان کو پارٹی سے خارج کر دیا گیا شیخ رشید کے اصرار پر امان اللہ خان کی رکنیت بحال کی گئی۔

http://www.apnaorg.com

مارچ میں بھٹو نے انتخابی مہم کے سلسلے میں موچی دروازہ لاہور میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کیا۔ موچی دروازہ کی جلسہ گاہ کے علاوہ برانڈرتھ روڈ، شاہ عالمی بازار، دہلی دروازہ کی سڑکیں بھی عوام سے بھری ہوئی تھیں لوگ درختوں اور مکانوں کی چھتوں پر چڑھے ہوئے تھے بھٹو نے تین گھنٹے دس منٹ تک طویل تقریر کی انہوں نے اسلامی سوشلزم، جمہوریت، سرمایہ داری اور جاگیرداری کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی۔ دلائل سے ثابت کیا کہ قائداعظم اسلامی سوشلزم کے حامی تھے بھٹو نے اپنے خطاب میں کہا

"میرے دوستو اور بھائیو۔ 1965ء کی جنگ میں جب بھارتی فوجیں پاکستان کے خلاف جارحیت کررہی تھیں اس وقت ایوب خان سوات میں گالف کھیل رہے تھے۔ جنرل یحییٰ خان، ایئر مارشل نور خان اور ایئر مارشل رحیم بھارت کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ایوب خان اور موسیٰ خان ڈر گئے۔ اس وقت میں سلامتی کونسل میں کہہ رہا تھا کہ ہم بھارت سے ہزار سال لڑیں گے۔"

"میرے بھائیو پاکستان میں کچھ لوگ اتنے امیر ہیں کہ آسمان سے باتیں کررہے ہیں اور باقی اتنے غریب ہیں کہ زمین پر رینگ رہے ہیں۔ میں یہ فرق ختم کرنا چاہتا ہوں اوپر والوں کو نیچے لانا چاہتا ہوں اور نیچے والوں کو اوپر اٹھانا چاہتا ہوں"۔

زندہ دلان لاہور نے بھٹو جمہوریت اور سوشلزم کے حق میں اور سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوکر شاہی کے خلاف فلک شگاف نعرے لگائے۔ اس جلسے سے ثابت ہوگیا کہ لاہور پی پی کے ساتھ ہے۔

بھٹو کے جنرل یحییٰ خان سے تعلقات خوشگوار تھے مگر رفتہ رفتہ بھٹو کے مخالفین میجر جنرل غلام عمر، ایم اے قزلباش محمود ہارون، شیر علی، زیڈ اے سلہری، بیوروکریٹ سلطان ایم خان، جنرل یحییٰ کے قریب ہوگئے تو بھٹو اور یحییٰ خان کے تعلقات میں گرم جوشی نہ رہی۔

بھٹو کی انقلابی تقریروں نے عوام میں جوش و خروش پیدا کر دیا تھا غریب اور متوسط طبقے کے عوام پی پی پی کے پرائمری یونٹ کھول رہے تھے۔ پاکستان کے مختلف شہروں اور دیہاتوں میں پارٹی کے دفاتر کھلنے لگے اور پارٹی پرچم فضاؤں میں لہرانے لگے۔ لاہور میں دفاتر کھلنے کی رفتار سب سے زیادہ تھی۔ میں نے اپنے گھر پر پارٹی کا دفتر کھولا اس دفتر کا افتتاح شیخ صفدر علی ایم پی اے مرحوم نے کیا۔ نیو سمن آباد میں بھٹو کے حامیوں نے مجھے پرائمری یونٹ کا چیئرمین اور ملک منیر کو جنرل سیکرٹری منتخب کرلیا۔ چھوٹے دکانداروں، چھابڑی فروشوں، برف بیچنے والوں، تانگہ بانوں، رکشہ اور ٹیکسی ڈرائیوروں، مزدوروں، کسانوں، نوجوانوں اور طلبہ نے پی پی پی کو مقبول بنانے کے لیے دن رات کام کیا یہی محنت کش پی پی پی کی اصل قوت اور طاقت تھے۔ سرمایہ دار، جاگیردار اور روایتی سیاست دان محنت کشوں کی طاقت سے آشنا نہ تھے لہٰذا انہوں نے عوامی لہر کو اہمیت نہ دی۔ لاہور کا پہلا مرکزی دفتر علامہ اقبال روڈ

http://www.apnaorg.com

گڑھی شاہو پر کھولا گیا جہاں پر لاہور کے پہلے صدر ڈاکٹر مبشر حسن اور جنرل سیکرٹری شیر محمد بھٹی تنظیمی فرائض سرانجام دیتے۔ تمام پرائمری یونٹ لاہور کے دفتر کے لیے دس روپے ماہانہ چندہ دیتے۔ ایک اندازے کے مطابق 71-1970ء میں لاہور کے مختلف علاقوں میں بارہ سو پرائمری یونٹ کھولے گئے۔ لاہور میں تنظیم سازی کے لیے شیر محمد بھٹی مرحوم نے بڑے جذبے اور لگن سے کام کیا وہ ڈاکٹر مبشر حسن کے بعد پی پی پی لاہور کے صدر بھی رہے۔ کراچی کے پہلے صدر عبدالحفیظ پیرزادہ اور جنرل سیکرٹری معراج محمد خان نامزد ہوئے جبکہ صوبوں میں پی پی پی کے پہلے صدر شیخ محمد رشید پنجاب حیات محمد خان شیر پاؤ سرحد رسول بخش تالپور سندھ امان اللہ گچکی بلوچستان نامزد ہوئے۔ انتخابی مہم کے دوران بھٹو نے روایتی سیاست دانوں دیوان غلام عباس بخاری حیات محمد ٹمن ، سجاد حسین قریشی، محمود نواز بابر، محمد حسین چٹھہ، علامہ اقبال کے فرزند جاوید اقبال۔ سردار احمد علی، چوہدری انور عزیز اور کئی دوسرے سیاست دانوں کو پی پی پی میں شمولیت اور انتخاب لڑنے کی دعوت دی مگر روایتی سیاست دان عوامی لہر کا ادراک نہ کرسکے اور پی پی پی میں شمولیت سے انکار کردیا۔ کئی جاگیرداروں نے کہا کہ پی پی پی انتخابات جیت جائے تو وہ پارٹی میں شامل ہوجائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ پی پی پی ایک نئی سیاسی جماعت تھی اور کسی کو یہ یقین نہ تھا کہ نئی جماعت اسمبلیوں میں اکثریت حاصل کرلے گی وگرنہ موقع پرست جاگیردار پارٹی میں شمولیت سے گریز نہ کرتے۔

پی پی پی نے یکم مئی 1970ء کو مزدوروں کے عالمی دن کے موقع پر محنت کشوں سے یک جہتی کا اظہار کرنے کے لیے ملک بھر میں جلسے اور جلوسوں کا اہتمام کیا جن میں لیبر اصلاحات جاری کرنے کا اعلان کیا گیا اور مزدوروں کو یقین دلایا کہ پی پی پی اقتدار میں آکر ان کو روزگار کا تحفظ دے گی یکم اور 2 جولائی کو حیدرآباد سے 35 میل دور ہالہ کے مقام پر پی پی پی کی دو روزہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مغربی اور مشرقی پاکستان کے تقریباً 750 مندوبین نے شرکت کی۔ میزبانی کے فرائض مخدوم طالب المولیٰ نے ادا کیے۔ اس تاریخی کانفرنس میں ذوالفقار علی بھٹو، جے اے رحیم، میجر جنرل اکبر خاں، ڈاکٹر مبشر حسن، میر علی احمد تالپور، میر رسول بخش تالپور، حیات محمد شیر پاؤ، نصر اللہ خٹک، سردار حق نواز، احمد رضا خان، خورشید حسن میر، ڈاکٹر شمیم زین الدین، میر یوسف علی خان مگسی، معراج محمد خان، طارق عزیز، حنیف رامے، ستار گبول اور مشرقی پاکستان سے ولی الحق نے شرکت کی۔ اس دو روزہ کانفرنس میں ملک کی سیاسی صورتحال کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ پاکستان کی داخلی اور خارجہ پالیسی پر غور کیا گیا۔ پی پی پی کی تنظیم سازی کے لیے پالیسی طے کی گئی۔ صوبائی خودمختاری کے لیے موقف اختیار کیا گیا۔ ہالہ کانفرنس میں میر علی احمد تالپور اور معراج محمد خان نے اپنی تقریروں میں انتخابات میں حصہ لینے کی سخت مخالفت کی اور یہ موقف اختیار کیا کہ عام انتخابات سے ملک کے حالات بہتر نہیں ہوسکتے اور نہ ہی عوام کے معاشی مسائل حل ہوسکیں گے لہٰذا پی پی پی کو انتخاب کی بجائے انقلاب کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ معراج محمد

http://www.apnaorg.com

خان نے ماؤ کے نظریات کا حوالہ دے کر انتخابات میں حصہ لینے کی مخالفت کی اور کہا کہ انتخابات میں حصہ لینے سے پارٹی اپنی منزل سے ہٹ جائے گی۔

بھٹو نے اپنی تقریر میں کہا ''میں ماؤ کو معراج سے زیادہ جانتا ہوں اور سوشلزم کو بہتر طور پر پڑھا ہے'' ہالہ کانفرنس میں مندوبین کی اکثریت انتخابات میں حصہ لینے کے حق میں تھی لہٰذا ایک قرارداد کے ذریعے یہ فیصلہ کیا گیا کہ پی پی پی انتخابات میں حصہ لے گی۔ بھٹو نے ون یونٹ توڑنے کے فیصلے کی تائید کی اور اس مؤقف پر زور دیا کہ 120 دن کے اندر آئین تیار کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ مخدوم طالب المولیٰ نے اپنی تقریر میں کہا کہ نام نہاد اسلام پسند جماعتوں نے اسلام کے ٹھیکے دار بن کر پی پی پی کے معاشی نظام کے خلاف فتوے صادر کیے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے منشور میں کوئی بات قرآن و سنت کے منافی نہیں ہے۔ دوسرے مقررین نے کہا سرمایہ داری جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی کے خاتمہ کے بغیر حقیقی جمہوریت قائم نہیں ہوسکتی۔ صنعت کار مزدوروں کا استحصال کر رہے ہیں اور ان کو پوری اجرت نہیں دیتے۔ انتخابات معاشی مسائل کا حل نہیں مگر عوام سے رابطہ کے لیے مشروط طور پر انتخابات میں حصہ لینا پی پی پی کے مفاد میں ہوگا۔ اسلامی سوشلزم کی اصطلاح قائداعظم اور مادر ملت نے اپنی تقریروں میں استعمال کی تھی۔ معراج محمد خان نے اپنے مخصوص انداز میں تقریر کر کے میلہ لوٹ لیا تھا۔ حنیف رامے نے ''جمہوریت ہماری سیاست ہے'' کے حوالے سے مدلل تقریر کر کے معراج کے اثر کو زائل کیا۔ پارٹی کے ابتدائی دور میں کئی سیاسی کارکنوں کے پارٹی کی پالیسیوں کے بارے میں اختلافات پیدا ہوگئے اور انہوں نے پارٹی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ پی پی پی کے بانی رکن ملک اسلم حیات ایڈووکیٹ نے ایک تقریب میں یہ شعر پڑھ کر پارٹی سے علیحدگی کا اعلان کیا۔

چمن کے رنگ و بو نے اس قدر دھوکے دیئے مجھ کو
کہ میں نے شوق گل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھ دی

ملک حامد سرفراز ایڈووکیٹ نے بھٹو سے اپنے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ''میں نے عوامی لیگ کے شیخ مجیب الرحمٰن سے مذاکرات کیے قمر الزماں کو مغربی پاکستان لے کر آیا اور ان کی بھٹو سے ملاقات کرائی مغربی پاکستان میں عوامی لیگ کے کئی راہنما پی پی پی میں شامل ہوگئے۔ جب شیخ مجیب الرحمٰن کو اگرتلہ سازش میں ملوث کیا گیا تو بھٹو نے ان کی مدد سے انکار کر دیا۔ میں نے ایک سال تک بھٹو کے ساتھ ملک بھر کے تنظیمی دورے کیے اور اصولی اختلاف کی بنیاد پر پارٹی چھوڑ دی''

بھٹو نے ککری گراؤنڈ کراچی میں ایک انتخابی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ پی پی پی سات افراد نے بنائی ہے جن میں 1- جے اے رحیم 2- معراج محمد خان 3- ڈاکٹر مبشر حسن 4- رسول بخش تالپور 5- شیخ محمد رشید 6- مخدوم طالب المولیٰ 7- حیات محمد خان شیر پاؤ شامل ہیں۔ ان سات افراد میں سے چھ سوشلزم کے کٹر حامی تھے۔ ان میں صرف شیخ محمد رشید نے آخری دم

تک بھٹو کا ساتھ دیا۔ بھٹو انتخابی جلسوں میں امریکی سامراج کی مخالفت کرتے اور جب امریکی سفیر سے ملتے تو اسے کہتے کہ پبلک جلسوں میں امریکہ کی مخالفت ان کی سیاسی مجبوری ہے تاکہ عوام کے ووٹ حاصل کر سکیں ورنہ وہ امریکہ کے خلاف نہیں ہیں۔ یہ ان کی عوامی سیاست کا نیا انداز تھا۔

پی پی پی تیز رفتاری کے ساتھ عوام میں مقبول ہو رہی تھی۔ روایتی سیاست دان اور رجعت پسند مولوی اس مقبولیت سے خوف زدہ ہو گئے ان کی اجارہ داریاں خطرے میں پڑ گئیں۔ سرمایہ دار اور جاگیردار بھی پی پی پی کے منشور سے خوف زدہ تھے۔ عوام آزاد ہو رہے تھے۔ سیاست کا انداز بدل رہا تھا مزدوروں نے گردن اٹھا کر چلنا شروع کر دیا تھا چنانچہ استحصالی قوتوں نے آخری حربے کے طور پر پی پی پی کے خلاف کفر کے فتوے صادر کر دیئے تین سو سے زیادہ علماء نے فتویٰ جاری کیا کہ جو شخص پی پی پی کو ووٹ دے گا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

جماعت اسلامی نے پی پی پی کی سخت مخالفت کی۔ اس نے پروپیگنڈہ شروع کیا کہ اسلام خطرے میں ہے۔ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے تمام مسلمان جہاد کے لیے تیار ہو جائیں۔ جماعت اسلامی کے کارکنوں نے پی پی پی کے کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ لاہور میں قرآن جلانے کا ڈرامہ رچایا گیا پی پی پی کے کارکنوں پر بے بنیاد الزام لگایا گیا کہ انہوں نے قرآن پاک جلایا ہے۔ اس خبر سے پورے شہر میں اشتعال پھیل گیا کہ پی پی پی کے صوبائی دفتر 4 مزنگ روڈ پر حملہ کیا جائے گا۔ پی پی پی پنجاب کے صدر شیخ محمد رشید نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لاہور کے جیالے کارکنوں کو صوبائی دفتر میں جمع کر لیا وہ اپنے بیٹے کو بھی دفتر میں لے آئے تاکہ کارکنوں کو حوصلہ ہو جب جماعت اسلامی کو علم ہوا کہ پی پی پی کے کارکن مقابلے کے لیے پوری طرح تیار ہیں تو انہوں نے 4 مزنگ کا رخ نہ کیا۔ مولانا کوثر نیازی نے پی پی پی میں شمولیت اختیار کر کے جماعت اسلامی کے پروپیگنڈے کا مقابلہ کیا انہوں نے قرآن اور حدیث کی روشنی میں اسلامی سوشلزم کا دفاع کیا وہ ایک شعلہ بیان مقرر تھے ان کی اثر آفرین تقریروں اور ہفت روزہ شہاب میں مدلل تحریروں نے جماعت اسلامی کے پروپیگنڈے کا اثر زائل کر دیا۔ اسلام اور سوشلزم کے حوالے سے ایک تحریر میں مولانا کوثر نیازی نے کہا۔

"حضور اکرمؐ نے مساوات محمدیؐ کی بنیاد رکھی۔ حضورؐ نے اپنا لباس اس لیے چھوٹا رکھا تاکہ جماعت کے دوسرے افراد کو لباس میسر ہو انہوں نے کئی کئی دن بھوک برداشت کی تاکہ ان کے ساتھیوں کو روٹی میسر آئے۔ حضور اکرمؐ نے کبھی اپنی جماعت کے بھوکے افراد کے بغیر کھانا نہ کھایا۔ انہوں نے کئی بار اپنی قمیض اتار کر ننگے ساتھیوں کو پہنا دی۔ انہوں نے بیٹی فاطمہؓ کی ضرورتوں پر مدینہ کی بیواؤں کی حاجتوں کو مقدم رکھا۔ حضورؐ کھردری چٹائی پر سوتے اور ان کے جسم پر نشان پڑ جاتے۔ ایسے حجروں میں رہائش اختیار کی جس کی چھت سات فٹ تھی۔ ان کے ساتھی اگر بھوک کی وجہ سے ایک پتھر پیٹ پر

باندھتے تو حضورؐ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوتے"

1970ء کے انتخابات میں اسلام اور سوشلزم کے حوالے سے سیاسی جلسے ہو رہے تھے لہٰذا مولانا کوثر نیازی کی ڈیمانڈ بڑھ گئی اور وہ پارٹی کے مقبول ترین مقرر بن گئے۔ حنیف رامے نے ہفت روزہ ''نصرت''میں اسلامی سوشلزم کا دفاع کیا اور سوشلزم پر ایک خصوصی نمبر نکالا۔ بھٹو اور ڈاکٹر مبشر کی فرمائش پر پارٹی کے ترجمان اخبار مساوات کی اشاعت 7 جولائی 1970ء کو شروع کی گئی جس کے پہلے ایڈیٹر حنیف رامے تھے۔ انہوں نے ذاتی تعلقات کی بناء پر مساوات کے لیے فنڈ جمع کیا۔ مصطفیٰ کھر اور ممتاز بھٹو نے بھی مالی تعاون کیا۔ حنیف رامے، منو بھائی اور پرویز بشیر کی شب و روز محنت کی وجہ سے مساوات بہت جلد عوام کا مقبول ترین اخبار بن گیا اور مارکیٹ میں بلیک ہونے لگا۔ حنیف رامے نے بعد میں مساوات اخبار بھٹو خاندان کے حوالے کر دیا۔

لاہور میں سب سے بڑا نظریاتی انتخابی معرکہ پی پی پی پنجاب کے صدر شیخ محمد رشید اور جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد کے درمیان ہوا۔ شیخ محمد رشید کٹر سوشلسٹ تھے۔ انہوں نے اپنی انتخابی مہم ''سوشلزم ہماری معیشت ہے'' کے نعرے پر چلائی جب کہ میاں طفیل محمد نے سوشلزم کو کفر قرار دیا اور اسلام کو انتخابی مہم کا مرکزی نکتہ بنایا۔ میاں طفیل بری طرح انتخاب ہار گئے جبکہ بابائے سوشلزم شیخ محمد رشید بھاری اکثریت سے انتخاب جیت گئے۔ 1970ء کے انتخابات میں اسلام اور سوشلزم کی نظریاتی کشمکش میں عوام نے اسلامی سوشلزم کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ سمن آباد لاہور کے میاں عبدالخالق نے جو کونسل مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب لڑ رہے تھے شکست کے دوسرے روز پی پی پی میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔ بھٹو نے پالیسی بیان جاری کیا کہ جو ہارے ہوئے سیاست دان پی پی پی میں شامل ہونا چاہیں گے ان کے لیے پرائمری یونٹ کی رضا مندی ضروری ہوگی۔ پاکستان کے ترقی پسند دانشوروں، ادیبوں، صحافیوں اور شاعروں نے بھی پی پی پی کا ساتھ دیا۔ عوامی شاعر حبیب جالب نے مذہبی جماعتوں کے پروپیگنڈا کا توڑ کرنے کے لیے ایک انقلابی نظم تحریر کی جو بہت جلد مقبول عام ہوگئی۔ حبیب جالب کی معروف نظم ''خطرے میں اسلام نہیں'' کے چند اشعار یہ ہیں۔

خطرہ ہے زرداروں کو
گرتی ہوئی دیواروں کو
صدیوں کے بیماروں کو
خطرے میں اسلام نہیں

ساری زمیں کو گھیرے ہوئے ہیں آخر چند گھرانے کیوں
نام نبیؐ کا لینے والے الفت سے بیگانے کیوں

http://www.apnaorg.com

خطرہ ہے خوں خواروں کو
رنگ برنگی کاروں کو
امریکہ کے پیاروں کو
خطرے میں اسلام نہیں

پی پی پی نے نظریاتی معرکہ جیت لیا مذہبی جماعتوں خاص طور پر جماعت اسلامی کو بڑا سیٹ بیک ہوا جو قومی اسمبلی کی صرف چار نشستیں اور کل ووٹوں کا 5.97 فیصد حاصل کر سکی جبکہ پی پی پی نے کفر کے فتوؤں کے باوجود قومی اسمبلی کی 81 نشستیں اور 38.89 فیصد ووٹ حاصل کئے پاکستان کے عوام نے کفر کے فتوؤں اور ''اسلام خطرے میں ہے'' کے نعرے کو مسترد کر دیا اور روٹی کپڑا اور مکان کے حق میں ووٹ دیئے۔

انتخابات 1970ء سیاسی برج الٹ گئے

مارشل لاء کے نفاذ کے باوجود بھٹو نے عوامی رابطہ مہم جاری رکھی جنرل یحییٰ خان نے دباؤ میں آ کر یکم جنوری 1970ء کو عام انتخابات کا اعلان کر دیا اور قومی اسمبلی کے انتخابات کے لیے 27 دسمبر 1970ء کی تاریخ مقرر کی۔ 1970ء کے انتخابات پاکستان کے پہلے براہ راست انتخابات تھے جو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوئے سیاسی جماعتوں کو انسانی تاریخ کی سب سے طویل انتخابی مہم چلانے کا موقع ملا۔ خفیہ ایجنسیوں نے جنرل یحییٰ خاں کو رپورٹیں دیں کہ منصفانہ انتخابات کے نتیجے میں کوئی سیاسی جماعت اکثریت حاصل نہیں کر سکے گی اور طاقت کا توازن یحییٰ خان کے پاس رہے گا۔ اس غلط فہمی یا خوش فہمی کی بناء پر منصفانہ انتخابات کرائے گئے۔ 1970ء کے انتخابات پاکستان کی انتخابی تاریخ کے واحد منصفانہ انتخابات تھے۔ ان انتخابات میں بھٹو کی کرشماتی شخصیت اور روٹی کپڑا مکان کے نعرے نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ پی پی پی کو صنعتی علاقوں اور بھارت کی سرحد کے قریب ووٹ ملے گوجرانوالہ، سیالکوٹ، لاہور، شیخوپورہ، ملتان، ساہیوال، فیصل آباد میں پی پی پی نے تمام نشستیں جیت لیں۔ اسلام سوشلزم، صوبائی خودمختاری، معاشی مسائل، سرمایہ داری، جاگیرداری، استحصال، آزادیٔ صحافت، امریکی سامراج، نوکر شاہی اور بائیس خاندان انتخابی مہم کے اہم موضوعات تھے۔ ممتاز دولتانہ کو شیخ مجیب الرحمٰن کا دوست اور پاکستان کا آئندہ وزیراعظم تصور کیا جاتا تھا۔ دولتانہ نے سندھ کے جاگیرداروں کا تعاون حاصل کیا۔ سندھ میں ایوب کھوڑو، پیر پگاڑا، جی ایم سید پی پی پی کے مخالف تھے جبکہ تھرپارکر سے پیر غلام رسول شاہ، جیکب آباد سے دریا خان کھوسو، نوشہرو فیروز سے غلام مصطفیٰ جتوئی، نواب شاہ سے حاکم علی زرداری، ہالہ سے مخدوم طالب المولیٰ، ٹھٹھہ سے میر علی احمد تالپور، حیدرآباد سے میر رسول بخش تالپور، سانگھڑ سے جام صادق علی نے بھٹو کی حمایت کی۔ کراچی میں مذہبی جماعتوں کا اثر و رسوخ زیادہ تھا۔ پنجاب میں سرگودھا کے نون، گجرات کے چوہدری، ملتان کے قریشی اور گیلانی، میانوالی کے نواب آف کالا باغ، کیمبل پور (اٹک) کے حیات اور مکھڈ، جھنگ کے سید، لاہور کے میاں، کونسل مسلم لیگ کے ساتھ تھے جس کی قیادت ممتاز دولتانہ کے ہاتھ میں تھی۔ مشرقی پاکستان شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ تھا جبکہ جماعت اسلامی اور مولانا بھاشانی بھی نشستیں حاصل کرنے کے لیے دعوے دار تھے۔ صوبہ سرحد میں ولی خان کی نیپ اور خان عبدالقیوم خان کی مسلم لیگ کا اثر تھا۔ بلوچستان میں قبائلی سرداروں خیر بخش مری، نواب اکبر بگٹی، عطاء اللہ مینگل اور غوث بخش بزنجو کا زور تھا جبکہ ملک بھر میں غریب

http://www.apnaorg.com

،مزدور، کسان اور متوسط طبقے کے لوگ پی پی پی کے ساتھ تھے۔ خورشید حسن میر کی تجویز پر پی پی پی نے تلوار کا انتخابی نشان حاصل کیا۔ حضرت علیؓ کی تلوار کا نام بھی الذوالفقار تھا۔اس انتخابی نشان نے انتخابات میں اہم کردار ادا کیا۔ شیعہ ووٹروں نے مذہبی فریضہ سمجھ کر پی پی پی کو ووٹ دیئے پی پی پی کے غریب کارکنوں نے نظریاتی اور ایمانی جذبے کے تحت پارٹی کے امیدواروں کی کامیابی کے لیے کام کیا۔ 1970ء کے انتخابات میں عوام نے ''کھمبوں'' کو بھی ووٹ دے دیئے ایسے غیر معروف امیدوار جن کے پاس پی پی پی کا ٹکٹ تھا معروف اور مستند امیدواروں کے مقابلے میں انتخابات جیت گئے۔ ملک اللہ دتہ جو ضلع لاہور سے پی پی پی کے صوبائی اسمبلی کے امیدوار تھے صرف تین سو روپے خرچ کر کے سائیکل پر انتخابی مہم چلا کر کامیاب ہوگئے۔ پی پی پی پنجاب کے صدر شیخ محمد رشید لاہور سے قومی اسمبلی حلقہ 98 سے اُمیدوار تھے ان کا مقابلہ جماعت اسلامی کے امیر میاں محمد طفیل اور کونسل مسلم لیگ کے رہنما میاں عبدالخالق سے تھا۔ دونوں مخالف امیدواروں کے پاس کاریں تھیں جبکہ شیخ رشید سائیکل پر انتخابی مہم چلا رہے تھے بھاری ووٹ لے کر کامیاب ہوئے۔ ایک دن وہ اپنے انتخابی حلقہ کے بنیادی یونٹوں کا دورہ کرتے ہوئے رات ایک بجے نیو مزنگ آباد پہنچے۔ میں پارٹی کے دفتر میں دوسرے کارکنوں کے ساتھ ووٹرز کی پرچیاں بنانے میں مصروف تھا۔ ہمیں شیخ رشید کی آمد کا علم نہ تھا۔ شیخ رشید دفتر کھلا دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بتایا کہ ان کو اکثر دفاتر بند ملے۔ 1970ء کے انتخابات میں جیالے اور جنونی کارکنوں کا جذبہ کام آیا۔

جس کو چاہا اسے شدت سے چاہا ہے فراز
سلسلہ ٹوٹا نہیں ہے درد کی زنجیر کا

میرے والد دراز قد شخصیت تھے جناح کیپ پہنتے تھے۔ شیخ رشید صحت کے لحاظ سے کمزور تھے ایک روز والد بزرگوار، شیخ رشید کے ساتھ ڈور ٹو ڈور انتخابی مہم پر تھے جب گھر کا سربراہ باہر آتا ہم اسے بتاتے کہ شیخ رشید تشریف لائے ہیں تو وہ میرے والد کو شیخ رشید سمجھ کر ہاتھ ملاتا۔ میرے والد نے شیخ رشید کے ساتھ ڈور ٹو ڈور جانا چھوڑ دیا تاکہ پی پی پی کے اُمیدوار کو پریشان نہ ہونا پڑے۔ انتخابات سے قبل پارٹی یونٹ کے کارکنوں نے شیخ رشید سے انتخابی کیمپ لگانے کے لیے اخراجات طلب کیے تو شیخ رشید نے کہا ''میرے جسم میں تو خون بھی نہیں جو میں کارکنوں کو دے سکوں'' پارٹی یونٹ نے چندہ جمع کر کے اخراجات پورے کیے۔ پی پی پی کے حامی ٹرانسپورٹ مخالف اُمیدواروں کی استعمال کرتے کھانا بھی ان کے کیمپوں سے کھاتے مگر ووٹ تلوار کو دیتے۔ انتخابی مہم میں ''بھٹو کو ووٹ دو بھٹو کو نوٹ دو'' کا نعرہ بڑا مقبول ہوا جب بیلٹ باکس کھولے گئے تو غریب عوام نے ووٹ کی پرچیوں کے ساتھ نوٹ بھی نتھی کیے ہوئے تھے۔ جنرل یحییٰ نے تمام سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کو ٹیلی ویژن پر پارٹی پروگرام پیش کرنے کا موقع دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے عوامی انداز میں خطاب کر کے غریب عوام کے دل موہ

لیے۔ بھٹو نے انتخابی جلسوں اور جلوسوں میں اصغر خان کو ''آلو خان'' خان عبدالقیوم خان کو ''ڈبل بیرل خان'' ''جس کے آگے بھی خان پیچھے بھی خان'' کہہ کر سیاسی مخالفین کو عوام کی نظر میں زیرو کر دیا۔ فوج کے جرنیل بائیں بازو کی جماعتوں کے خلاف تھے اور خان قیوم اور دولتانہ کو خفیہ طور پر سپورٹ کر رہے تھے۔ پاکستان کے اہم ذرائع ابلاغ، اخبارات اور رسائل پی پی پی کے خلاف تھے بھٹو کے انتخابی جلسوں اور دیگر راہنماؤں کی کارنر میٹنگوں نے اخبارات کے پروپیگنڈے کو زائل کر کے سیاسی فضا پی پی پی کے حق میں ہموار کر دی۔ 1970ء کے انتخابات میں عوامی لہر بھٹو کے حق میں چل رہی تھی۔ اخبارات کی مخالفت بے اثر ہوگئی۔ پارٹی کے ترجمان اخبار مساوات نے انتخابات میں کلیدی کردار ادا کیا۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

جوں جوں انتخابات کی تاریخ نزدیک آرہی تھی بھٹو اپنے مخالفین کے مقابلے میں اونچا اڑنے لگے تھے۔ مسلم لیگ کے لیڈر جناح کیپ پہن کر جلسوں میں آتے ان کے جلسوں میں قائداعظم مسلم لیگ پاکستان، کشمیر، اسلام کے نعرے لگتے جو عوام کے لیے نئے نہ تھے۔ بھٹو ماؤ کیپ پہنتے عوامی لباس شلوار کرتے میں ملبوس کبھی آستین چڑھا کر کبھی قمیض کے بٹن کھول کر عوامی انداز میں تقریریں کرتے۔ پی پی پی کے انتخابی جلسوں میں ''سوشلزم آوے ای آوے'' جیہڑا واہوے اوہی کھاوے'' ''گرتی ہوئی دیواروں کو ایک دھکا اور دو'' ''سرخ ہے سرخ ہے ایشیا سرخ ہے'' ''پاک چین دوستی زندہ باد'' ''مانگ رہا ہے ہر انسان روٹی کپڑا اور مکان'' ''ہر برائی کا علاج سوشلزم کا راج'' ''سرمایہ داری ٹھاہ جاگیرداری ٹھاہ'' ''ساڈا بھٹو آوے ای آوے'' ''بھٹو ساڈا شیر اے باقی ہیر پھیر اے'' ''جیوے جیوے بھٹو جیوے'' ''امریکہ ٹھاہ ولیکا ٹھاہ'' کے نعرے لگتے جو عوام میں جوش و خروش پیدا کرتے۔ نوجوان ڈھول کی تھاپ پر ''بھٹو آگیا میدان میں ہے جمالو'' کا راگ الاپتے اور انتخابی جلسوں میں دلکش سماں پیدا کر دیتے۔ بھٹو نے لاہور میں ایک دن میں چودہ جلسوں سے خطاب کیا جن کا اہتمام قومی اور صوبائی اسمبلی کے اُمیدواروں نے کر رکھا تھا۔ فاروق لغاری کے دست راست قسور سعید مرزا نے بتایا کہ 1970ء کی انتخابی مہم کے دوران 4 دسمبر 1970ء کو بھٹو ملتان سے شجاع آباد جا رہے تھے ان کو 104 بخار تھا۔ رانا تاج نون نے جلال پور پیروالہ میں انتخابی جلسے کا اہتمام کر رکھا تھا رانا تاج نے بھٹو سے کہا کہ اگر وہ انتخابی جلسے میں نہ گئے تو وہ انتخاب ہار جائے گا۔ پروفیسر مبارک حیدر بھٹو کے ہمراہ تھے ان کی شکل بھٹو سے کافی ملتی تھی۔ بھٹو نے کہا ''مبارک تمہاری شکل مجھ سے ملتی ہے تم بھٹو بن کر رانا تاج نون کے جلسے میں چلے جاؤ'' بھٹو تاج محمد لنگاہ کے انتخابی حلقہ کا دورہ بھی نہ کر سکے جو میاں ممتاز دولتانہ کے مقابلے میں انتخاب لڑ رہے تھے تاج لنگاہ چند سو ووٹوں سے انتخاب ہار گئے۔

پی پی پی کے تین رنگ کے پرچم نے بھی انتخابی مہم میں اہم کردار ادا کیا۔ پارٹی کا پرچم عوام میں

http://www.apnaorg.com

بہت مقبول ہوا۔ یہ پرچم دور سے نظر آتا اور رائے عامہ کو متاثر کرنے کا سبب بنتا۔ 1970ء کے انتخابی نتائج نے سیاسی اور حکومتی حلقوں کو حیران وششدر کر دیا۔ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پی پی پی نے واضح اکثریت حاصل کر لی۔ عوام نے روایتی سیاسی برج الٹ دیئے رائے دہندگان نے عزیز داریوں برادریوں اور ہر قسم کے مذہبی، لسانی اور علاقائی تعصبات کو مسترد کر دیا۔ پنجاب نے ایک سندھی کو لیڈر تسلیم کر لیا۔ جو خاندان 1921ء سے انتخابی کامیابیاں حاصل کرتے چلے آ رہے تھے 1970ء کے انتخابات میں شکست کھا گئے۔ قزلباش، گیلانی، نون، شاہ جیونہ، لغاری، مزاری، مولانا عبدالستار نیازی، نواب زادہ نصر اللہ خان، محمد حسین چٹھہ، جاوید اقبال، چوہدری محمد حسین، ایئر مارشل اصغر خان، ایوب کھوڑو، لیفٹیننٹ ٹوانہ، حسن محمود، میاں طفیل محمد، رفیق سہگل، رحمت الٰہی، جی ایم سید، ملک قاسم، سعید ہارون بری طرح انتخابات ہار گئے۔ پی پی پی کے اُمیدواروں نے واضح اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ قومی اسمبلی کے انتخابات میں شکست فاش کھانے کے بعد ممتاز دولتانہ نے پنجابی شاونزم کا نعرہ لگایا اور کہا سندھیوں نے سندھی بھٹو کو ووٹ دیئے اور کسی پنجابی سیاست دان کو ووٹ نہیں دیئے لہٰذا پنجابیوں کو بھی صوبائی انتخابات میں پنجاب کے لیڈر کو منتخب کرنا چاہیے۔ ایک دانشور نے دولتانہ کو کہا ''دولتانہ صاحب اگر سندھی کو اپنی بیٹی کا رشتہ دے سکتے ہیں تو ہم ایک سندھی لیڈر کو ووٹ کیوں نہیں دے سکتے''۔

طویل انتخابی مہم کے دوران پی پی پی کے کارکنوں اور حامیوں کو ہر قسم کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا ظلم وستم برداشت کیا کئی کارکن روزگار سے محروم ہوگئے۔ سینکڑوں خواتین کو پی پی پی سے تعلق کی وجہ سے طلاق ہوگئی۔ مولویوں نے پی پی پی کے حامیوں کے جنازے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ ہزاروں کارکن زخمی ہوئے۔ درجنوں قتل ہوئے۔ ایک جلوس کے دوران آغا امیر حسین کے ادارے کلاسیک کو جلا دیا گیا۔ مال روڈ پر کلاسیک ترقی پسندوں کا مرکز بن چکا تھا۔ دو سو سے زیادہ راہنما اور کارکن گرفتار ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے غریب اور محنت کش عوام نے بھٹو کو دل سے نجات دہندہ سمجھ کر ہر قسم کی قربانی دی۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ اصلی سیاسی قوت عوام ہیں اور جب عوام اٹھ کھڑے ہوں تو سرمایہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ غریب عوام نے بھٹو سے اس قدر وفاداری نبھائی کہ اس کی مثال دنیا کی سیاسی تاریخ میں نہیں ملتی بھٹو نے خود قومی اسمبلی کے سات حلقوں سے انتخاب لڑا اور چھ نشستیں جیت لیں۔ وہ صرف ڈیرہ اسماعیل خان سے ہارے جہاں پر ان کے مقابلے میں مفتی محمود انتخاب لڑ رہے تھے اور بھٹو اس حلقے میں انتخابی جلسہ کے لیے وقت نہ نکال سکے۔ پاکستان کے عوام نے بھٹو کا ساتھ دے کر اس شعر پر عمل کر دکھایا۔

جب میں نے پرستش کی حدوں تک تجھے چاہا
پھر جو بھی حسیں ملا میرے معیار سے کم تھا

http://www.apnaorg.com

حقیقت یہ ہے کہ عوام نے 1970ء کے انتخاب کو انقلاب بنا دیا تھا اور بھٹو کو مکمل انقلاب برپا کرنے کا موقع فراہم کر دیا تھا مگر بھٹو نے بوجوہ عوامی انقلاب کی بجائے اصلاحات کا راستہ چنا اور سٹیٹس کو (Status Quo) مکمل طور پر توڑنے کی کوشش نہ کی۔ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے 1977ء میں موقع ملتے ہی 1970ء کے انتخابات کی خفت کا بدلا لے لیا۔ 1970ء کے انتخابات میں سیاسی جماعتوں نے جس تعداد میں قومی اسمبلی کی نشستیں حاصل کیں اور جس تناسب سے ووٹ حاصل کیے ان کی تفصیل یہ ہے۔

پارٹی	پنجاب	سندھ	سرحد	بلوچستان	مشرقی پاکستان	ووٹوں کی شرح تناسب (صرف مغربی پاکستان میں)	کل حاصل کردہ نشستیں
عوامی لیگ	-	-	-	-	160		160
پی ایم ایل (قیوم)	1	1	7	-	-	8.15	9
پی پی پی	62	18	1	-	-	38.89	81
کنونشن مسلم لیگ	7	-	-	-	-	10.68	7
جمیعت العلمائے اسلام	-	-	6	1	-	7.26	7
جمیعت العلمائے پاکستان	4	3	-	-	-	8.27	7
نیشنل عوامی پارٹی	-	-	3	3	-	2.87	6
جماعت اسلامی	1	2	1	-	-	5.97	4
کونسل مسلم لیگ	2	-	-	-	-	3.91	2
پی ڈی پی	-	-	-	-	1	1.60	1
آزاد	5	3	7	-	1	11.00	16

پاکستان پیپلز پارٹی نے 81 نشستیں حاصل کر کے مغربی پاکستان میں واضح اکثریت حاصل کر لی۔ پنجاب اور سندھ میں پی پی پی کے حکومت بنانے کے امکانات روشن ہوگئے۔ بھٹو کا اندازہ تھا کہ پی پی پی 35 نشستیں حاصل کر سکے گی۔ انہوں نے پنجاب کے صدر شیخ محمد رشید کو فون کیا اور پوچھا کہ انقلاب کیسے آگیا۔ شیخ رشید نے کہا کہ پنجاب کے عوام نے بھٹو کی شخصیت اور پارٹی منشور کو ووٹ دیئے ہیں۔ پی پی پی نے تقریباً 39 فیصد ووٹ حاصل کیے جبکہ مخالف سیاسی جماعتوں نے تقریباً 46 فیصد ووٹ حاصل کیے۔ اگر بھٹو مخالف جماعتیں متحد ہو کر انتخاب لڑتیں تو نتائج مختلف ہو سکتے تھے۔

http://www.apnaorg.com

نیویارک سے .... ایوانِ صدارت تک

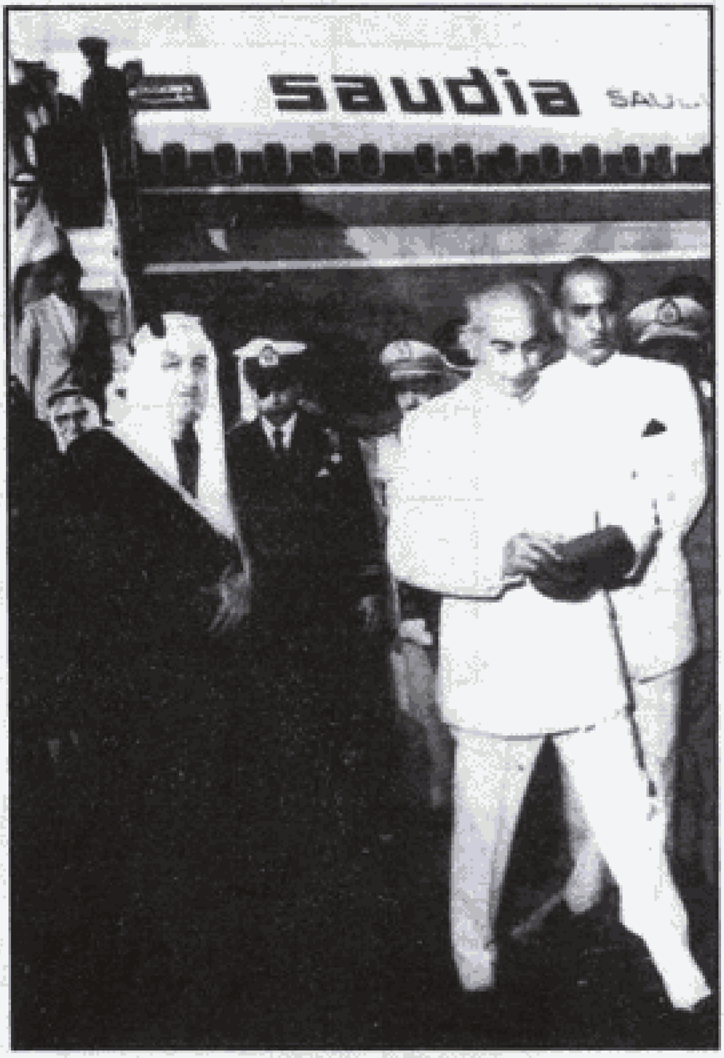

اسلامی کانفرنس کے دوران وزیراعظم بھٹو لاہور ایئرپورٹ شاہ فیصل کا استقبال کرتے ہوئے

http://www.apnaorg.com

پی پی پی کے عروج کی کہانی

(معراج خالد کی زبانی)

ملک معراج خالد مرحوم گزشتہ ساٹھ سال سے عملی سیاست میں شریک رہے وہ پنجاب کے وزیراعلیٰ ،وفاقی وزیر ،دوبار قومی اسمبلی کے سپیکر اور نگران وزیراعظم رہے۔ ان کو بجا طور پر پاکستان کی سیاست کا انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکتا ہے۔ انہوں نے کمال شفقت کا ثبوت دیتے ہوئے اس کتاب کے سلسلے میں میری راہنمائی فرمائی اور طویل انٹرویو دیا۔ پی پی پی کی حیرت انگیز کامیابی کے بارے میں ملک معراج خالد نے جو تجزیہ پیش کیا وہ دلچسپ اور مستند ہے جس سے آنے والی نسلیں استفادہ کرسکتی ہیں اس تجزیہ کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے الگ باب میں پیش کرنا ضروری سمجھا۔ ملک معراج خالد پی پی پی کے قیام سے کامیابی تک اپنے مشاہدات اور تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بھٹو سے ابتدائی مراسم: ''بھٹو صاحب سے میری فکری ہم آہنگی اور ذاتی پسند کی کہانی دلچسپ ہے۔ میرا ان سے یہی رشتہ بعد میں پی پی پی کو دل و جان سے قبول کرنے کا ذریعہ بنا۔ ایفرو ایشیائی عوامی استحکام تحریک کی بنیاد 1957ء میں رکھی گئی اور مجھے اپریل 1960ء میں تحریک کی دوسری کانفرنس منعقدہ گنی میں پاکستان کی نمائندگی کا موقع ملا۔ واپسی پر میں نے پاکستان میں اس تحریک کی بنیاد رکھی جس میں سامراج مخالف اور ترقی پسند سیاسی دانشوروں کو شامل کیا۔ میاں عبدالباری، میاں یٰسین وٹو ، ملک محمد قاسم، شمیم حسین قادری، شباب مفتی، ممتاز احمد خاں اور میاں محمد شفیع (م۔ش) ایفرو ایشیائی عوامی استحکام تحریک میں شامل ہوئے۔ 1964ء میں اس تنظیم کی صوبائی شاخ مشرقی پاکستان میں قائم کی گئی۔ مشرقی پاکستان سے کیو جی اجمیری، مولانا ابوالہاشم، مسیح الرحمٰن ، پروفیسر مظفر احمد، صلاح الدین احمد، محمد زاہد اور مولوی فرید احمد ایفروایشائی سالیڈریٹی میں شامل ہوئے۔ تنظیم کی پہلی چار روزہ کانفرنس کا انعقاد لاہور میں ہوا جس میں شیخ محمد رشید، سی آر اسلم، حیات احمد خان، فیض احمد فیض، عارف افتخار، چوہدری افضل چیمہ، میر حامد حسن ،مولوی رحمٰن اور میاں احسان الحق کے علاوہ دیگر سیاسی کارکن شریک ہوئے۔ اس وقت ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔ انہوں نے اس حیثیت سے کانفرنس کا افتتاح کیا۔ بھٹو صاحب نے تمام ترقی پسند عناصر پر ایک نقش ثبت کر دیا کہ وہ تیسری دنیا کے آزاد ممالک جو سامراج کے خلاف برسرپیکار تھے ان کے ترجمان ہیں اور تیسری دنیا کے ممالک کی سیاسی آزادی کے بعد انہیں معاشی آزادی اور تہذیبی و ثقافتی تحفظ کی جو جدوجہد درپیش ہوگی ان کے مسائل کو حل کرنے

http://www.apnaorg.com

کے لیے پوری تدابیر ذہن میں رکھتے ہیں۔ میرا اور میرے ہم خیال دوستوں کا بھٹو صاحب سے گہرا نظریاتی رشتہ استوار ہوگیا۔ 64-1963 میں ہم خیال دوست پاکستان کے سیاسی و معاشی مسائل کا تجزیہ کرنے کے لیے ہفتہ وار نشستیں کرتے رہے۔ رفقاء نے دو سالوں پر محیط بحث و مباحثہ کو ضبط تحریر میں لانے کا کام میرے سپرد کیا چنانچہ فلسفیانہ تجزیہ پر مبنی ایک مسودہ تیار ہوا جسے سب رفقاء نے اتفاق رائے سے منظور کیا اور طے پایا کہ چونکہ ہمارے گروپ کے پاس اس دستاویز کی اشاعت اور عوام میں تقسیم کے لیے مناسب وسائل نہیں ہیں لہذا حالات سے جنم لینے والی نئی انقلابی سیاسی قوت کا انتظار کیا جائے۔ جب بھٹو صاحب ایوب کابینہ سے مستعفی ہو کر لاہور پہنچے تو عوام کی طرف سے والہانہ استقبال نے اور ان کے قومی غیرت وحمیت کے سلسلے میں سامراج دشمن مؤقف نے انقلاب دوست قوتوں کے دلوں میں اُمید کی شمع روشن کی۔ افروایشائی استحکام تنظیم سے وابستہ افراد نے بھٹو صاحب کو مذاکرات کی دعوت دی یہ مذاکرات حیات احمد خان اور ممتاز احمد خان کے گھروں میں ہوئے۔ ہم نے انہیں تجزیاتی دستاویز پیش کی جس پر انہوں نے غور کرنے کا وعدہ کیا۔ تمام احباب کا اصرار تھا کہ بھٹو صاحب کسی سیاسی جماعت میں شامل نہ ہوں بلکہ ایک نئی جماعت تشکیل دیں۔ میں اس وقت مسلم لیگ کا رکن تھا مگر گزشتہ سالوں میں بھٹو صاحب سے رابطہ کی وجہ سے ان کے نظریات سے اتفاق رکھتا تھا جس سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔ ان دنوں بھٹو صاحب نے زیادہ توجہ نوجوانوں خصوصی طور پر یونیورسٹی کے طلبہ کو بیدار کرنے پر دی چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کو اپنی تحریک کا ہراول دستہ بنایا۔ میں نے اپنی زیر قیادت ایم ایس ایف کا دفتر لکشمی مینشن ہال روڈ لاہور پر قائم کیا اور طلبہ کے نمائندوں کا اجلاس بلایا تاکہ انہیں نظریاتی جدوجہد سے آگاہ کیا جاسکے 1967ء میں جب پی پی پی کا قیام عمل میں آگیا تو میں نے اسمبلی میں پارٹی کے مقاصد اور نظریات کے روشنی میں ایک قرارداد پیش کی اس قرارداد کا نام ”ضمیر کا بحران“ رکھا۔ یہ قرارداد پورے پاکستان کے سیاسی حلقوں میں مقبول ہوگئی اور سب نے جان لیا کہ میں اسمبلی کے اندر پی پی پی کے نظریات کا مبلغ ہوں بھٹو صاحب میری سرگرمیوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔ میں نے چونکہ پارٹی کے قیام سے پہلے ہی بھٹو صاحب سے نظریاتی اتفاق رائے کرلیا تھا اس لیے مجھے پارٹی کے اولین بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جب بھٹو صاحب گرفتار ہوئے تو انہوں نے مجھے جیل سے تحریری پیغام بھیجا کہ میں پی پی پی ضلع لاہور کا چیئرمین بننا قبول کرلوں میں نے اس حیثیت سے لاہور میں پارٹی کو منظم کیا۔

معراج خالد کی برطرفی: 1968ء میں لاہور کے نظریاتی عوام دوست کارکنوں کی معقول تعداد پی پی پی میں شامل ہوچکی تھی۔ اس وقت سائنٹیفک سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کی بحث بھی چل نکلی۔ میں نے نظریاتی ہم آہنگی اور فکری یک جہتی کی خاطر لاہور کے کارکنوں کی میٹنگ بلائی جس میں سوشلزم کے

http://www.apnaorg.com

مسئلہ پر اختلاف رائے شدت سے کھل کر سامنے آیا۔ افتخار احمد تاری اور شیر محمد بھٹی نے موقف اختیار کیا کہ پاکستان میں معاشی اور معاشرتی انصاف کی حدود و قیود اسلام کے عالمگیر اصولوں کی روشنی میں متعین ہوں گی۔ اس موقف کی تائید کارکنوں کی اکثریت نے کی۔ ہماری اس کارروائی کو پارٹی کے بنیادی تصور سیاست کے منافی سمجھا گیا۔ ڈاکٹر مبشر حسن کے ذریعے اس میٹنگ کی کارروائی کی رپورٹ بھٹو صاحب تک پہنچائی گئی۔ انہوں نے مجھے ضلع لاہور کے چیئرمین کے عہدے سے الگ کر دیا میں نے ان کا فیصلہ بخوشی قبول کر لیا تاکہ ابتدائی مرحلے میں پارٹی کو نقصان نہ ہو کیونکہ میرا پختہ یقین تھا کہ پی پی پی محروم طبقوں کے عوام کو بیدار متحرک اور منظم کرنے کے لیے تاریخی کارنامہ انجام دے رہی ہے اسے کمزور نہیں پڑنا چاہیے۔ بھٹو صاحب کچھ عرصہ کے لیے پاکستان سے باہر چلے گئے۔ میں نے ان کی عدم موجودگی میں ''اسلام ہمارا دین'' کے موضوع پر ایک مقالہ تحریر کیا جو ہفت روزہ نصرت میں شائع ہوا۔ بھٹو صاحب لاہور آئے تو میں نے ان سے ملاقات کی انہوں نے میری برطرفی کے فیصلہ پر معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا میں نے انہیں باور کرایا کہ ان کا فیصلہ درست تھا لیکن وہ معذرت پر مصر رہے۔ میں نے ان کی توجہ مذکورہ مقالہ کی جانب دلائی۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ میں نے ''اسلام ہمارا دین'' کی روشنی میں پارٹی کے بنیادی مقاصد کی جو تشریح کی ہے وہ درست ہے۔ بھٹو صاحب نے ڈاکٹر مبشر اور حنیف رامے سے پوچھا کہ کیا وہ میرے تجزیے سے متفق ہیں دونوں احباب نے مکمل اتفاق کا اظہار کیا جس کے بعد مستقل طور پر طے ہوا کہ چونکہ ''اسلام ہمارا دین'' ہے اس لیے جمہوریت ہماری سیاست ہے سوشلزم ہماری معیشت ہے اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔

قرآن جلانے کا واقعہ: اس مرحلے پر ایک افسوسناک واقعہ رونما ہوا۔ پی پی پی پر الزام لگایا گیا کہ اس کے کارکنوں نے نیلا گنبد لاہور میں قرآن پاک جلایا ہے۔ یہ ایک خطرناک الزام تھا اور اندیشہ تھا کہ مشتعل عوام پارٹی کے دفاتر کو نذر آتش کر دیں گے اور کارکنوں پر حملے کریں گے مگر یہ خطرناک سازش اس لیے ناکام ہوگئی کہ میں نے چند روز پہلے ''اسلام ہمارا دین'' کے موضوع پر قد آور پوسٹر لاہور کی سڑکوں پر لگوا دیئے تھے اور پارٹی کارکنوں نے بھی ان اشتہارات کو بڑی تعداد میں تقسیم کر دیا تھا جس میں یہ وضاحت کی گئی تھی کہ پی پی پی کے بنیادی اصول ''اسلام ہمارا دین ہے'' کی روشنی میں وضع کیے گئے ہیں اور پارٹی کا منشور ہرگز اسلام کے منافی نہیں ہے شفقت تنویر مرزا اور عباس اطہر جو ان دنوں امروز میں کام کرتے تھے دونوں نے رجعت پسند قوتوں کی سازش کو بے نقاب کرنے کے لیے قابل قدر کردار ادا کیا۔ قرآن سوزی کا دوسرا المناک سانحہ ملتان میں ہوا۔ نظریاتی دوستوں کی بروقت کاوشوں اور ''اسلام ہمارا دین ہے'' کے بارے میں اشتہارات نے عوام کو مشتعل نہ ہونے دیا اور اس طرح پی پی پی کے خلاف حساس نوعیت کی سازش ناکام ہوئی۔

پارٹی کی سیاسی لائن: میں بدستور پی پی پی لاہور، چونیاں، قصور کا سربراہ رہا اور اس حیثیت سے پارٹی کا پروگرام عوام تک پہنچاتا رہا۔ 1970ء کے انتخابات میں مجھے دیہی لاہور سے پی پی پی کا ٹکٹ دیا گیا میں نے یہ انتخاب بھاری اکثریت سے جیت لیا۔ اگست 1971ء میں ضلع لاہور کی پارٹی نے مجھے ذمے داری سونپی کہ میں پارٹی کے پروگرام اور مقاصد کے بارے میں اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے ''پارٹی کی سیاسی لائن کیا ہے'' کے موضوع پر پمفلٹ تحریر کروں۔ میں اس وقت پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کا رکن نہ تھا۔ سینٹرل کمیٹی کا ایک اجلاس کوئٹہ میں ہوا جس میں میرا تحریر کیا ہوا پمفلٹ پیش کیا گیا۔ پنجاب پی پی پی کے صدر شیخ محمد رشید نے سینٹرل کمیٹی میں میرے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کے لیے ایک قرارداد پیش کی کیونکہ پارٹی لائن دینے کا اختیار سینٹرل کمیٹی کو حاصل تھا اور میں سیاسی لائن دینے کا مجاز نہ تھا جب سب معزز اراکین نے پمفلٹ کا مطالعہ کیا تو اس سے اتفاق کرتے ہوئے اس پمفلٹ کی حتمی منظوری دے دی اس طرح میں ڈسپلن کی کارروائی سے محفوظ رہا پارٹی کی سیاسی لائن کی وضاحت کرتے ہوئے میں نے تحریر کیا تھا کہ تحریک پاکستان میں برصغیر کے مسلمانوں کو سیاسی آزادی معاشی خود کفالت اور تہذیبی اور ثقافتی روایات کے مطابق زندگی بسر کرنے اور استحصال سے پاک عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ برپا کرنے کے لیے جو تصورات اور نظریات لازمی قرار دیئے گئے تھے پاکستان پیپلز پارٹی ان کی علمبردار ہے۔ دراصل تحریک نے پاکستان کے تمام انسانوں کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر زندگی بسر کرنے کے جو آداب و اطوار اور عوام کی حکمرانی اور قانون کی بالادستی کے جو نظریات ناگزیر قرار دیئے ہیں پی پی پی ان کی روشنی میں پاکستان کو لاحق تضادات کا حل چاہتی ہے۔ وہ قوتیں جنہوں نے تحریک آزادی کے مقاصد سے روگردانی کر کے اپنی پسند کی حکمرانی کے اطوار مسلط کر رکھے ہیں پارٹی عوام کو ان سے نجات دلانا چاہتی ہے۔ عالمی سامراج جس طرح پاکستان کے اندر عوام دشمنوں کی حمایت سے سیاسی غلبہ اور استحصال قائم رکھنے کی کوشش کر رہا ہے پارٹی اس کے خلاف برسرپیکار ہے۔

میرا ایمان ہے کہ میں نے اور میرے ہم خیال دوستوں نے مختلف امور کے بارے میں جو مؤقف اختیار کیا بھٹو صاحب دل سے اس کی قدر کرتے تھے۔ شیخ محمد رشید، ڈاکٹر مبشر حسن، حنیف رامے، شیر محمد بھٹی، قیوم نظامی اور دوسرے نظریاتی ساتھی بھی میرے مؤقف سے متفق تھے البتہ اگر کوئی اختلاف تھا تو وہ طریقہ کار کے بارے میں تھا جو حکومت میں آنے کے بعد نمایاں ہوا اور پارٹی کے پروگرام کو ہر مرحلے میں قابل قبول رکھنے کے سلسلے میں افراد کے اپنے اپنے طرز عمل سے ظاہر ہوا۔

پی پی پی کی تاریخی کامیابی کے اسباب: بھٹو صاحب نے تین سال کے مختصر عرصہ میں ایک نئی جماعت کو حیرت انگیز کامیابی سے ہم کنار کر کے پاکستان میں نئی سیاسی تاریخ کو جنم دیا۔ انہوں نے کس طریقے سے ساری انسانی تاریخ کے انقلابی اصولوں سے نتائج اخذ کرتے ہوئے عوام کو بیدار اور متحرک کیا یہ ایک نہایت ہی دلچسپ اور مفید مطالعہ ہے۔ ان عوامل کا تجزیہ کرنا ضروری ہے جو کسی

http://www.apnaorg.com

نظریاتی یا انقلابی تحریک کی کامیابی کا سبب بنتے ہیں۔ بھٹو تاریخ شناس اور عوامی نفسیات کے ماہر تھے انہوں نے بڑی مہارت سے تاریخ کے ان عوامل کو پی پی پی کی کامیابی اور اسے عروج پر پہنچانے کے لیے استعمال کیا۔ ملک میں خونی انقلاب سے تبدیلی لانے کی بجائے عدم تشدد کا راستہ اپنایا اور ووٹ کے ذریعے عوامی سیاسی بالادستی کا ہدف حاصل کیا۔ ساری انسانی تاریخ میں پانچ عوامل کو بروئے کار لا کر ہی معاشرہ یا قوم میں تبدیلی لائی جا سکی یا انقلاب برپا کیا جا سکا۔ پہلا اصول یہ کہ عوام کو اس معاشی، سیاسی اور معاشرتی نظام کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا جائے جس میں عوام اپنی بنیادی آزادیوں سے محروم ہوتے ہیں۔ حق اور سچ کی بجائے جھوٹ، فریب کاری اور بے انصافی کا بول بالا ہوتا ہے۔ جس میں جابرانہ اور آمرانہ ذہنیت کی وجہ سے عوام کو عزت نفس کے ہر احساس سے بے بہرہ کر دیا جاتا ہے ان کے درمیان نسل، قبیلہ، زبان، فرقہ اور جنس کے امتیازات کی بنیاد پر اعلیٰ اور ادنیٰ حاکم اور محکوم کے غیر انسانی امتیازات کو فیصلہ کن قدروں کا درجہ دیا جاتا ہے۔ قانون کی بالادستی اور عوام کی حکمرانی خیال خام بن کر رہ جاتی ہے۔ عوام کو اس استحصالی نظام کو تبدیل کرنے کے لیے تیار کرنا انقلاب یا تبدیلی کی پہلی شرط ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ اس نظام کی بدولت جو قوتیں برسر اقتدار ہوتی ہیں اور اس نظام میں کسی قسم کی تبدیلی کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتیں اور حالات کو جوں کا توں رکھنے کے لیے مصر رہتی ہیں اور عوام کی طرف سے تبدیلی کی ہر خواہش کو دبانے کے لیے تمام مکروہ حربے استعمال کرتی ہیں اور عوام کے انقلابی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے عوام میں مذہب، فرقہ، ذات، نسل علاقہ اور زبان کی بناء پر انہیں فکری انتشار میں مبتلا کرنے کی تمام تدبیریں اختیار کرتی ہیں۔ عوام کو ان تمام قوتوں کو اختیار و اقتدار کی گدیوں سے اتارنے کے لیے منظم کرنا لازمی ٹھہرتا ہے۔ ان استحصالی قوتوں کو چیلنج کرنا اور عوام کو ان کے خوف سے باہر نکالنا ضروری ہوتا ہے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ حالات کو جوں کا توں رکھنے والی قوتیں اپنے حکومتی اختیارات کی بدولت ملک کے جن وسائل رزق پر قابض ہو چکی ہوتی ہیں اور انہی وسائل کو اپنے اقتدار کے دوام کے لیے استعمال کرتی ہیں ان تمام وسائل رزق کو ان قوتوں سے واپس لینا انقلابی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے لازمی ہوتا ہے۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ استحصال اور جبر پر مبنی نظام کے خاتمے کے بعد ایک ایسا نظام حق تشکیل دینا جس کے نافذ کرنے سے عوام کو اپنی شناخت واپس ملے ان کی عزت نفس بحال ہو اور وسائل رزق کی تقسیم کا نظام منصفانہ ہو۔ عدل و انصاف اور معاشرتی مساوات کے عالمگیر اصول کارفرما ہوں۔ اس نظام میں ہر انسان بلاامتیاز اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکے۔ کوئی کسی کا مولا ہو اور نہ کوئی کسی کا غلام ہو۔ کوئی انسان اپنی بنیادی ضروریات کے لیے کسی کا محتاج نہ ہو۔ پانچواں عالمگیر اصول یہ ہے کہ ایسی قیادت ظہور پذیر ہو جو عظیم کارنامہ سرانجام دینے کے لیے تیار ہو اور وہ اپنے فکر و عمل کی بلندی جرأت اور انسان دوستی کی بنیاد پر اس نصب العین کا مکمل نمونہ ہو۔ عوام کو اس شخصیت کے افکار و اعمال پر غیر متزلزل یقین اور ایمان ہو۔

عوام یہ جان لیں کہ یہ شخصیت ان کے لیے نجات دہندہ کی حیثیت رکھتی ہے اور خدا کا عطیہ ہے جس کی قیادت میں متحد ہو کر ہی وہ ہر قسم کے مصائب سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

ذوالفقار علی بھٹو نے انسانی تاریخ کے ان پانچ اصولوں کا ادراک کیا اور ان اصولوں پر عمل پیرا ہو کر پاکستان میں عوامی انقلاب برپا کر دیا۔ بھٹو کو قدرت نے 1965ء کی جنگ کے بعد ایک طلسماتی کردار بنا دیا۔ قومی غیرت جرأت مندی حب الوطنی اور عوام دوستی کی بناء پر وہ عوام کے محبوب ٹھہرے عوام ایوب خان کے استحصالی نظام کے خلاف تھے بھٹو عوام کے نبض شناس تھے انہوں نے بہادری کے ساتھ جنرل ایوب اور اس کے نظام کو چیلنج کیا عوام مسیحا کے انتظار میں تھے انہیں بھٹو کے روپ میں ایک نجات دہندہ نظر آیا۔ بھٹو نے عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیا اور قاتلانہ حملوں کے باوجود عوام کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اس وقت تحریک پاکستان کا جذبہ قوم میں موجود تھا۔ بھٹو صاحب نے عوام کے اس جذبے کو بیدار کیا اور ان کو جنرل ایوب ان کے حواریوں اور استحصالی نظام کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ بھٹو صاحب نے استحصالی نظام کے مقابلہ میں روٹی کپڑا اور مکان پر مبنی ایک منصفانہ پروگرام دیا۔ بھٹو صاحب نے پانچ عالمگیر اصولوں پر عمل کر کے عوام کو انقلاب یا تبدیلی کے لیے تیار کر لیا تھا۔ عوام مکمل طور پر ان کی شخصیت کے زیر اثر آچکے تھے لہٰذا جب انہوں نے انتخابات کا فیصلہ کیا تو عوام نے ووٹ کے ذریعے انقلاب برپا کر دیا۔ روایتی سیاست دان سرمایہ دار اور جاگیر دار اور جنرل ایوب کے حواری عوامی قوت کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ عوام نے پی پی پی کو عروج پر پہنچا دیا۔ آج بھی تاریخ کے سنہری اصولوں کی روشنی میں عوامی طاقت پر بھروسہ کر کے انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے ان عالمگیر اصولوں پر عمل کئے بغیر موجودہ استحصالی نظام سے نجات حاصل کرنا ممکن نہیں جس نے بے بس عوام کو خودکشیوں پر مجبور کر دیا ہے۔ پی پی پی کی تاریخی کامیابی انسانی تاریخ کے پانچ سنہری اور ابدی اصولوں پر شعوری طور پر عمل کرنے کا نتیجہ تھی۔ اگر پانچ اصولوں میں سے ایک اصول بھی کارفرما نہ ہوتا تو پی پی پی کبھی کامیابی حاصل نہ کر سکتی اور پاکستان کی سیاست کے عروج پر نہ پہنچ پاتی۔

http://www.apnaorg.com

سقوط ڈھاکہ۔ استحصال کا نتیجہ

1970ء کے انتخابات میں پی پی پی کو مغربی پاکستان میں اکثریتی نمائندہ پارٹی کا درجہ حاصل ہوا جبکہ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے بلاشرکت غیرے اکثریت حاصل کر لی اور اسے قومی سطح پر حکومت تشکیل دینے کا جواز حاصل ہوگیا۔ 1970ء کے آزادانہ انتخابات کا منفی پہلو یہ تھا کہ عوامی لیگ مغربی پاکستان میں اور پی پی پی مشرقی پاکستان میں کوئی نشست حاصل نہ کر سکی چنانچہ اس طرح ایک بحرانی کیفیت پیدا ہوگئی۔ شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات سے قومی وحدت پر ضرب کاری لگتی تھی لہٰذا بھٹو چاہتے تھے کہ قومی اسمبلی کے اجلاس سے پہلے پی پی پی اور عوامی لیگ کے درمیان آئینی سمجھوتہ ہو جائے۔ جنرل یحییٰ خان کو خفیہ ایجنسیوں نے رپورٹیں دی تھیں کہ غیر جانبدارانہ اور آزادانہ انتخابات کی صورت میں کوئی سیاسی جماعت اکثریت حاصل نہیں کر سکے گی انتخابی نتائج سے یحییٰ خان کے سیاسی عزائم کو دھچکا لگا اور اس نے حکومتی دباؤ استعمال کر کے پوری کوشش کی کہ مجیب الرحمٰن اور بھٹو اسے پاکستان کا صدر قبول کر لیں۔ پاکستان کا وزیراعظم بننا شیخ مجیب کا حق تھا مگر وہ چھ نکات کے بغیر وزیراعظم بننے کے لیے تیار نہ تھے۔ بھٹو مغربی پاکستان کے اکثریتی لیڈر تھے لہٰذا اقتدار میں مغربی پاکستان کی نمائندگی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے 20 دسمبر 1971ء کو لاہور میں ایک عظیم الشان جلوس سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

> ''پنجاب اسمبلی کی چابیاں میری ایک جیب میں ہیں سندھ اسمبلی کی چابیاں میری دوسری جیب میں ہیں۔ دائیں بازو کا پریس کہتا ہے کہ میں اپوزیشن کے بنچوں پر بیٹھوں اگر میں اپوزیشن میں بیٹھ گیا تو غریب عوام کے مسائل کون حل کرے گا۔ میں عوام کی آواز ہوں عوام کے طوفان کو کوئی نہیں روک سکتا۔''

جنوری 1971ء میں ڈھاکہ میں مجیب بھٹو پہلی ملاقات ہوئی ڈھاکہ پہنچنے پر مشرقی پاکستان کے عوام نے بھٹو کا پرجوش استقبال کیا اور ''بھٹو مجیب بھائی بھائی'' کے نعرے لگائے دونوں منتخب قائدین کے درمیان دلچسپ مکالمہ ہوا۔

مجیب: کیا دنیا ایک سٹیج نہیں ہے اور ہم سب ایکٹر ہیں۔

بھٹو: ہاں جنہوں نے اچھی اداکاری کی وہ جیت گئے جنہوں نے کمزور ایکٹنگ کی وہ ہار گئے۔

مجیب: مگر انتخابات ایکٹنگ نہ تھے عوام نے ہمارے چہروں کو نہیں بلکہ پروگرام کو ووٹ دیئے۔

بھٹو: میرا بھی یہی مطلب ہے ہمارے کندھوں پر بھاری ذمے داری عائد ہوتی ہے شیخ صاحب آپ مجھ سے چھوٹے نظر آتے ہیں۔

http://www.apnaorg.com

مجیب: مجھے کہنے دیں کہ بھٹو مجھ سے زیادہ خوبصورت ہیں۔
بھٹو: اس طرح تو میں زیادہ بہتر سلوک کا مستحق ہوں۔

بھٹو لاہور واپس آئے تو کہا گزشتہ 23 سال کے مسائل کو 3 دن میں حل نہیں کیا جا سکتا۔ میں اُمید اور نا اُمیدی کے جذبات لے کر ڈھاکہ سے واپس آیا ہوں۔ جنرل یحییٰ نے 3 مارچ 1971ء کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا۔ اجلاس کے اعلان کے بعد صورت حال پی پی پی کے لیے مشکل ہوگئی۔ بھٹو اگر قومی اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہوتے تو مجیب چھ نکات کی بنیاد پر آئین منظور کرا لیتے۔ مغربی پاکستان کے عوام چھ نکات کو تسلیم کرنے کے لیے کسی طرح تیار نہ تھے۔ اگر اسمبلی 120 روز کے اندر آئین منظور نہ کرتی تو الیکشن کے لئے دیئے گئے لیگل فریم ورک آرڈر کے مطابق خود بخود ختم ہو جاتی اور نئے انتخابات کی صورت میں پی پی پی کی مخالف جماعتیں انتخابی اتحاد بنا کر بھٹو کے لیے مشکلات کھڑی کر دیتیں بھٹو نے اس نئی صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے فروری 1971ء میں پی پی پی کا قومی کنونشن طلب کیا۔ جس میں قومی اسمبلی کے منتخب اراکین نے بھٹو کو اپنے استعفے پیش کر دیئے تا کہ بھٹو انہیں جماعتی اور قومی مفاد میں استعمال کر سکیں۔

28 فروری 1971ء کو لاہور کے جلسہ عام میں بھٹو نے تین تجاویز پیش کیں۔

1- مجیب اجلاس سے پہلے واضح اشارے دے کہ وہ چھ نکات میں سے تین نکات (کرنسی ٹیکس اور بیرونی تجارت) پر مذاکرات کے لیے تیار ہے۔
2- قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کیا جائے یا
3- 120 روز کے اندر آئین تیار کرنے کی شرط ختم کی جائے۔

بھٹو نے کہا کہ ان تین تجاویز میں سے ایک تجویز بھی تسلیم کر لی جائے تو ان کی جماعت قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے تیار ہے۔ بھٹو نے کہا مجیب میرا بڑا بھائی ہے۔ انہوں نے شاہ لطیف بھٹائی کا سندھی قول سنایا جس کا مطلب یہ ہے۔

"میں اپنے معشوق کے پاس جاؤں گا اس کے قدموں کو ہاتھ لگاؤں گا۔ بھیک مانگوں گا اور قائل کرنے کے لیے ہر جتن کروں گا"

بھٹو نے اراکین قومی اسمبلی کو انتباہ کیا کہ تجاویز تسلیم کئے بغیر جو رکن اجلاس میں شرکت کے لیے جائے گا اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ مشرقی پاکستان میں مجیب نے عوامی رابطہ بحال رکھا اور جلسوں سے خطاب کر کے کہا اگر اس نے چھ نکات کو ترک کیا تو اس کا عوامی مینڈیٹ ہی ختم ہو جائے گا۔ اس کشمکش میں جنرل یحییٰ نے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا۔ یہ فیصلہ پاکستان کے لیے مہلک ثابت ہوا۔ اس فیصلے کے بعد بنگالیوں نے یقین کر لیا کہ ان کو اقتدار منتقل نہیں کیا جائے گا۔ عوامی لیگ نے 23 مارچ 1971ء کو پلٹن میدان ڈھاکہ میں بہت بڑا احتجاجی جلسہ کیا۔ بنگالیوں نے پاکستان کے پرچم

پھاڑ دیئے اور بنگلہ دیش کے پرچم لہرا دیئے۔ 25 مارچ 1971ء کو جنرل یحییٰ ڈھاکہ سے واپس آئے اور فوج کو بغاوت کچلنے کا حکم دے دیا۔

بھٹو نے کئی بار جنرل یحییٰ سے انتقال اقتدار کا مطالبہ کیا مگر جنرل یحییٰ کسی قیمت پر اقتدار سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتے تھے۔ فوجی کارروائی نے حالات کو مزید سنگین بنا دیا۔ جماعت اسلامی کی تنظیموں البدر اور الشمس نے بنگالیوں کے خلاف فوجی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ بھارت نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا۔ لاکھوں کی تعداد میں بنگالی بھارت ہجرت کر گئے۔ بھارت نے مکتی باہنی کو فوجی تربیت دی اور اسے منظم کیا جس نے مشرقی پاکستان میں پاک فوج کے خلاف پرتشدد کارروائیاں کیں۔ 3 دسمبر 1971ء کو بھارت نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا۔ 7 دسمبر 1971ء کو جنرل یحییٰ خان نے نور الامین کو وزیراعظم بھٹو کو ڈپٹی وزیراعظم اور وزیر خارجہ نامزد کر دیا اور خود صدر مملکت کا عہدہ سنبھال لیا۔ 8 دسمبر 1971ء بھٹو نیویارک پہنچے اور سلامتی کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے چاہے ہزار سال لگ جائیں ہم پاک سرزمین سے بھارت کا قبضہ ختم کرائیں گے"

بھٹو نے جنرل یحییٰ پر زور دیا کہ مشرقی پاکستان میں بھارت کا مقابلہ کیا جائے اور مغربی پاکستان میں بھی محاذ کھولا جائے تاکہ زمینی پوزیشن کو اقوام متحدہ میں پاکستان کے حق میں استعمال کیا جاسکے۔ 12 دسمبر کو بھٹو نے سلامتی کونسل میں بھارت کے وزیر خارجہ سورن سنگھ کی جانب منہ کر کے جذباتی تقریر میں کہا۔

"یہ تاریخ کا سبق ہے جو عوام کی ملکیت ہے وہ عوام کو ملے گا۔ مشرقی پاکستان، پاکستان کا حصہ ہے یاد رکھو سورن سنگھ سنہری بنگال ہمارا ہے۔ بھارت کا اس سے کوئی تعلق نہیں سنہری بنگال پاکستان ہے۔ تم سنہری بنگال کو نہیں لے سکتے۔ ہم آخر تک لڑیں گے آخری آدمی تک لڑیں گے"

مشرقی پاکستان کے کمانڈر جنرل نیازی نے اعلان کیا کہ بھارتی ٹینک اس کی لاش پر گزر کر ہی ڈھاکہ پر قبضہ کر سکیں گے۔ جنرل یحییٰ خان نے شراب آلود آواز میں قوم سے نشری خطاب کیا اور بھارت کو چیلنج کیا۔ 16 دسمبر 1971ء کو جنرل نیازی نے انتہائی شرمناک اور ذلت آمیز انداز میں بھارتی افواج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ نوے ہزار جنگی قیدی اور مغربی پاکستان کا پانچ ہزار مربع میل علاقہ بھارت کے قبضے میں چلے گئے۔ بھٹو نے سلامتی کونسل کے اجلاس سے آخری خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"عالمی طاقتیں مجھے معاف کریں گی میں ان سے رات کے آخری پہر خطاب کر رہا ہوں۔ سپر پاور نے اپنی سپرول (Super Will) ہم پر صادر کر دی ہے۔ اقوام متحدہ میں روسی سفیر مسکرا رہا ہے اور میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ میں سلامتی کونسل کو چھوڑ کر جا رہا ہوں"

http://www.apnaorg.com

بھٹو نے اپنی تقریر کے نوٹس پھاڑ دیئے اور اجلاس سے بطور احتجاج واک آؤٹ کر گئے۔

پاکستان کے سابق وزیر خارجہ آغا شاہی نے جنگ کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے تصدیق کی کہ بھٹو نے پولینڈ کی قرار داد نہیں بلکہ اپنی تقریر کے نوٹس پھاڑے تھے۔ بھٹو نے سلامتی کونسل کے اجلاس سے واک آؤٹ کرنے کے باوجود پاکستان کے سرکاری وفد کو کارروائی میں شریک رہنے کی ہدایت کی۔ بھٹو مجیب یحیٰ کشمکش کے دوران پاکستان کے اخبارات غیر ذمہ دارانہ سرخیاں لگاتے رہے۔ بھٹو نے کراچی کے ایک جلسہ میں کہا کہ "مجیب ادھر تم اکثریت میں ہو ادھر ہم اکثریت میں ہیں آؤ دونوں اکثریتی نمائندے مذاکرات کریں اور پاکستان کو بحران سے نکالیں"۔ روزنامہ آزاد کے ایڈیٹر عباس اطہر نے اپنے اخبار میں "اُدھر تم اِدھر ہم" کی سرخی لگا دی۔ اس سرخی نے آج تک بھٹو کا پیچھا نہیں چھوڑا۔

روزنامہ ڈان نے 21 اگست 2000 کی اشاعت میں جنرل یحیٰ خان کے ذاتی نوٹس پر مشتمل ایک سٹوری شائع کی۔ جنرل یحیٰ خان نے سقوط ڈھاکہ کے بارے میں اپنے ذاتی تاثرات اور مشاہدات بیان کرتے ہوئے ذاتی ڈائری میں تحریر کیا۔

"بھارت روس گٹھ جوڑ، مجیب الرحمن کی غداری اور عالمی طاقتوں کی بے حسی سقوط ڈھاکہ کا سبب بنی۔ بھارت کی فوج بہت زیادہ تعداد میں تھی جس کے پاس ماڈرن روسی ہتھیار تھے جس کی وجہ سے مشرقی پاکستان کا المیہ پیش آیا۔ یہ فوجی شکست نہ تھی۔ بھٹو کا کردار محب الوطنی پر مبنی تھا وہ آخر دم تک قوم پرستی کا ثبوت دیتے رہے۔ سکیورٹی کونسل میں بھٹو کا کردار شاندار تھا۔ بھٹو ہر وقت مجیب سے مذاکرات کے لیے تیار تھے مگر مجیب راضی نہ ہوا مجیب نے مخلوط حکومت بنانے کی پیشکش مسترد کر دی۔ میں نے بھٹو ولی خان دولتانہ مفتی محمود اور خان قیوم کو مجیب سے بات کرنے کے لیے ڈھاکہ بھیجا۔ سب نے مجھے کہا کہ مجیب کے مطالبات ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔ اس کے مطالبات کا صاف مطلب مشرقی پاکستان کی علیحدگی ہے۔ بھٹو نے کسی مرحلہ پر بلاجواز ہٹ دھرمی اور ضد کا مظاہرہ نہ کیا بلکہ متحدہ پاکستان کے اندر ہر فارمولے کی تائید کی"

مشرقی پاکستان میں فوج کشی کے دوران جو ظلم ہوئے ان کی داستانیں مغربی پریس میں شائع ہونے لگیں۔ ڈاکٹر جی ڈبلیو چوہدری ایڈوائزر قانونی امور نے جنرل یحیٰ کو بتایا کہ جو کچھ فارن پریس میں شائع ہو رہا ہے بالکل درست ہے مشرقی پاکستان میں بے گناہ لوگوں کو ہلاک کیا گیا ہے اور ہزاروں عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئی ہیں۔ امریکہ کے سابق صدر نکسن نے اپنی یادداشتوں پر مبنی تصنیف میں تحریر کیا ہے کہ اکتوبر 1971ء امریکہ میں اندرا گاندھی نکسن سے ملاقات کر کے ان کو یقین دلا رہی تھیں کہ بھارتی افواج مشرقی پاکستان میں داخل نہیں ہوں گی جب کہ ہندوستان کی افواج ڈھاکہ کی جانب پیش قدمی کر چکی تھیں۔ بھٹو کے دست راست اور ان کی کابینہ کے اہم وزیر رفیع رضا نے اپنی تصنیف میں

http://www.apnaorg.com

لکھا ہے کہ ''بھٹو نے آرمی ایکشن کو سپورٹ کر کے آرمی کی صلاحیت کا غلط اندازہ لگایا وہ بنگالی نیشنلزم کا صحیح ادراک نہ کر سکے اور بھارت کے عزائم کا درست اندازہ نہ لگا سکے۔ کنفیڈریشن کی تجویز معقول تھی اس پر سنجیدگی سے غور ہونا چاہئے تھا''۔ بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے بعد مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا جس کے سربراہ بنگال سے تعلق رکھنے والے جسٹس حمود الرحمٰن تھے۔

حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ بھٹو نے شائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ 1971ء کی شکست کے بعد فوج مایوس ہو چکی تھی ان حالات میں رپورٹ کی اشاعت قوم کے مفاد میں نہ تھی جنرل ضیاء الحق نے بھی حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کو شائع نہ کیا۔ انہوں نے بھٹو کی کردار کشی کے لیے ہر حربہ اور ہر ہتھکنڈا استعمال کیا۔ حمود الرحمٰن رپورٹ اگر بھٹو کے خلاف ہوتی تو وہ اسے شائع کرنے سے گریز نہ کرتے۔ جنرل مشرف نے اس رپورٹ کو شائع کر دیا جس کے بعد عوام کا یقین مزید راسخ ہوگیا کہ سقوط ڈھاکہ کے ذمے دار فوج کے جرنیل تھے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ جنرل یحییٰ خان کسی موقع پر بھی اقتدار منتخب نمائندوں کو منتقل کرنے کے لیے تیار نہ تھے جرنیلوں کی عیاشیوں نے دفاعی صلاحیت کو متاثر کیا۔ فوجی آفیسر شراب میں دھت رہتے اور عورتیں جنگی محاذ پر مورچوں کے اندر لے جاتے۔ جنرل یحییٰ کا ملٹری ایکشن سقوط ڈھاکہ کا سبب بنا پاکستان کے معروف سیاسی تجزیہ نگار محمد وسیم لکھتے ہیں۔

"General Ayub represented a whole generation of the top military and bureaucratic elite which displayed a racist autitude towards the Bengalis. In his way of thinking Bengalis could not be trusted with the responsibility even to rule over themselves. Not surprisingly, no Bengali was appointed chief secretary of East Pakistan for a whole generation----from 1947 to 1969. Those were the days when the bureaucracy reigned supreme."

اس اقتباس کا مفہوم یہ ہے۔

''جنرل ایوب اور ان کے رفقا کا نکتہ نظر یہ تھا کہ بنگالیوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ان کو خود اپنے صوبہ میں بھی حکومت کرنے کا موقع نہیں دیا جانا چاہئے۔ 1947ء سے 1969ء تک مشرقی پاکستان میں ایک بنگالی بھی چیف سیکرٹری نامزد نہ کیا گیا۔ مغربی پاکستان کے فوجی اور بیوروکریٹ نسلی برتری کا شکار تھے''

ایوب کے دور میں وفاقی وزیر تجارت اور صنعت نے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ ایک بنگالی آفیسر

نے ان سے کہا کہ آپ پنجاب میں نصف درجن سے زیادہ ٹیکسٹائل ملز لگا رہے ہیں ایک مل مشرقی پاکستان میں بھی لگا دیں۔ وفاقی وزیر نے جواب دیا ''تم بنگالی لوگ ایک بنیان اور چھوٹی دھوتی پہن کر گزارہ کرتے ہو جبکہ پنجابی پگڑی اور پورا لباس پہنتا ہے بنگالیوں کو ٹیکسٹائل ملز کی کیا ضرورت ہے۔''

شیخ مجیب کو مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان لا کر میانوالی جیل میں قید رکھا گیا جنرل ایوب نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بیج بوئے۔ اگر بنگالیوں کا استحصال نہ کیا جاتا تو ان کے دلوں میں مغربی پاکستان کے خلاف اس قدر نفرت پیدا نہ ہوتی کہ وہ علیحدگی کا فیصلہ کر لیتے۔ بنگالی آفیسر جب اسلام آباد آتے تو یورپ کے مقابلے کا شہر دیکھ کر حیران رہ جاتے اور کہتے کہ انہیں اسلام آباد میں پٹ سن کی بو آتی ہے۔ مشرقی پاکستان میں ڈھاکے کو خوبصورت بنانے کے لیے بجٹ صرف نہ کیا گیا۔ مشرقی پاکستان کے مقابلے میں مغربی پاکستان کی ترقی اور خوشحالی نے بنگالیوں کے دلوں میں نفرت کے بیج بو دیئے جس کا اظہار انہوں نے 1970 کے انتخابات میں کر دیا۔ جبر، ظلم وتشدد اور ناانصافی کی بنیاد پر قوم کو متحد نہیں رکھا جاسکتا۔ افسوس ہم نے مشرقی پاکستان کے المیہ سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔

بھٹو نیویارک سے ایوان صدر تک

سقوط ڈھاکہ پوری پاکستانی قوم کے لیے ناقابل تلافی سانحہ تھا۔ اس سانحہ کے بعد مغربی پاکستان کے عوام مشتعل ہوگئے اور انہوں نے احتجاجی جلوس نکالنے شروع کر دیے عوام کی نفرت اور غصے کا مرکز اور محور جنرل یحییٰ خان تھے۔ عوام ان احتجاجی مظاہروں میں ''ظالمو جواب دو خون کا حساب دو'' کا نعرہ لگاتے۔ عوام کا اشتعال روز بروز بڑھ رہا تھا جبکہ جنرل یحییٰ خان اقتدار پر قابض رہنے کے لیے آخری جتن کر رہے تھے 19 دسمبر 1971ء کو چیف آف سٹاف جنرل حمید خان نے فوجی آفیسروں کا ایک اجلاس بلایا اور اپنی تقریر میں جنرل یحییٰ خان کی وکالت کرتے ہوئے سقوط ڈھاکہ کی ذمے داری شیخ مجیب الرحمٰن اور بھارت پر ڈالنے کی کوشش کی۔ اس موقع پر میجر منہاس نے پرجوش انداز میں کہا ''جرنیلوں کی وجہ سے قوم کو یہ شرمناک دن دیکھنا پڑا ہمارے سر شرم سے جھک جانے چاہئیں'' میجر منہاس کی اس جرأت رندانہ کے بعد فوج کے نوجوان افسروں نے ''شرابی زانی کرپٹ'' کے آوازے کسنے شروع کر دیئے۔ جنرل حمید کی آخری کوشش ناکام ہوگئی۔ پشاور میں عوام کے ہجوم نے جنرل یحییٰ خان کے گھر کو نذر آتش کر دیا۔ آرمی چیف جنرل گل حسن اور ایئر مارشل رحیم خان نے جنرل یحییٰ پر دباؤ ڈالا کہ اقتدار ذوالفقار علی بھٹو کے سپرد کر دیا جائے۔ جنرل یحییٰ خان نے حالات سے مجبور ہو کر بھٹو کو وطن واپس طلب کر لیا۔ بھٹو کو یقین نہیں تھا کہ فوج ان کو اقتدار منتقل کر دے گی۔ انہوں نے مصطفیٰ کھر اور حیات شیر پاؤ سے وطن واپسی کے لیے مشورہ کیا۔ اس وقت پاکستان کے حالات انتہائی سنگین اور غیر یقینی تھے اور یہ امکان موجود تھا کہ فوج کے جرنیل بھٹو کو گرفتار کر لیں۔ بھٹو نے پاکستان واپسی سے پہلے صدر نکسن اور سیکرٹری آف سٹیٹ ولیم راجر سے ملاقات کی۔ وہ 21 دسمبر 1971ء کو اسلام آباد ایئرپورٹ پہنچے تو امریکہ اور چین کے سفیر اور سرکاری اہل کار ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ بھٹو ایئرپورٹ سے سیدھے ایوان صدر پہنچے اور جنرل یحییٰ خان نے اقتدار ان کے سپرد کر دیا۔ بھٹو پاکستان کے صدر اور سویلین چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بن گئے۔ بھٹو نے جن حالات میں اقتدار سنبھالا وہ انتہائی تشویشناک اور مایوس کن تھے۔ پاکستان کے نوے ہزار فوجی جوان بھارت کی قید میں تھے پاک سرزمین کا ہزاروں مربع میل کا علاقہ دشمن کے قبضے میں تھا۔ اندرا گاندھی نے اپنی قوم کو ایک اور خوشخبری سنانے کا اعلان کر رکھا تھا۔ پاکستان اور بھارت کی افواج سرحدوں پر آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ ملکی خزانہ خالی تھا۔ عوام مشتعل اور اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند تھے۔ فوج مایوسی اور بداعتمادی کا شکار تھی۔ جاگیردار، سرمایہ دار، صنعت کار، بیورو کریسی، مذہبی تنظیمیں، بائیں بازو کی جماعتیں پی پی پی کے خلاف

تھیں۔ ان حالات میں اقتدار سنبھالنا ایک جرأت مندانہ اقدام تھا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشہ لب بام ابھی

بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے بعد قوم سے پہلے نشری خطاب میں کہا:

''ہم تاریخ کے بدترین بحران سے گزر رہے ہیں۔ ہم نے ٹکڑے اکٹھے کرنے ہیں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے۔ ہم نیا پاکستان بنائیں گے ایک خوشحال اور ترقی پسند پاکستان۔ ایسا پاکستان جس میں استحصال نہیں ہوگا۔ قائداعظم کے خواب کا پاکستان۔ میرا یقین ہے نیا پاکستان تعمیر ہوگا۔ مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ میں جادوگر نہیں ہوں میں آپ کے تعاون کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اگر آپ تعاون کریں تو میں ہمالیہ سے بڑا ہوجاؤں گا آپ مجھے وقت دیں میں خلوص نیت سے محنت کروں گا۔ میں چوبیس گھنٹے کام کررہا ہوں۔ جس طرح بھارت فتح کا جشن منا رہا ہے کاش آج میں زندہ نہ ہوتا۔ مگر یہ انجام نہیں ہے یہ نئے پاکستان کا آغاز ہے.......... میں اپنے رشتہ داروں کو اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دوں گا میرا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ میرے کوئی بچے نہیں ہیں۔ پاکستان کے عوام میرا خاندان ہیں پاکستان کے عوام ہی میرے بچے ہیں''

بھٹو نے عوام اور فوج کے جوانوں کے اشتعال اور مایوسی کو ختم کرنے کے لیے اپنے نشری خطاب میں جنرل یحییٰ خان جنرل عبدالحمید خان، جنرل جی ایم پیرزادہ، جنرل عمر، جنرل خداداد خان، جنرل کیانی اور جنرل مٹھہ کو جبری ریٹائر کرنے کا اعلان کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی پہلی کابینہ ان افراد پر مشتمل تھی:۔

نور الامین نائب صدر پاکستان، جے اے رحیم صدارتی امور، میاں محمد علی قصوری وزیر قانون، ریٹائرڈ جسٹس فیض اللہ کندی اسٹیبلشمینٹ، شیخ محمد رشید صحت و سماجی بہبود، راجہ تری دیو رائے، اقلیتی امور، غلام مصطفیٰ جتوئی مواصلات و قدرتی وسائل، ملک معراج خالد خوراک زراعت بلدیاتی امور، عبدالحفیظ پیرزادہ اطلاعات و نشریات، رانا محمد حنیف محنت و تعمیرات، ڈاکٹر مبشر حسن فنانس، پلاننگ، ترقیاتی معاشی امور، رفیع رضا معاون خصوصی، معراج محمد خان، ریٹائرڈ میجر جنرل اکبر خان اور مولانا کوثر نیازی صدر کے مشیر نامزد ہوئے۔ غلام مصطفیٰ کھر گورنر پنجاب، ممتاز علی بھٹو گورنر سندھ، حیات شیر پاؤ گورنر سرحد، غوث بخش رئیسانی گورنر بلوچستان مقرر ہوئے۔

پی پی پی کی پہلی وفاقی کابینہ اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل تھی۔ پانچ وزیر بیرون ممالک کے تعلیم یافتہ تھے۔ سات وزیر وکیل تھے ایک انجینئر تھا۔ ایک ہائی کورٹ کا ریٹائرڈ جج تھا۔ کابینہ میں جتوئی کے علاوہ اور کوئی جاگیردار نہ تھا۔ بھٹو کی ٹیم قومی جذبے سے سرشار تھی جس نے بڑی محنت اور لگن سے آنے والے چیلنجوں کا مقابلہ کیا۔ پوری ٹیم نے سادگی اور کفایت شعاری کا نمونہ پیش کیا۔ بھٹو شگفتہ مزاج

شخصیت تھے۔ لاہور میں جب پولیس کی ہڑتال ہوئی تو آرمی چیف جنرل گل حسن نے فوج کی خدمات صوبائی حکومت کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح جب بلوچستان کے سوئی فیلڈز میں قبائلی جمع ہوگئے اور پنجاب کے گورنر مصطفیٰ کھر نے بلوچستان جانے کے لیے فوج سے ہیلی کاپٹر مانگا تو فوج کے آفیسروں نے ہیلی کاپٹر دینے سے انکار کر دیا۔ بھٹو کے ذہن میں جنرل گل حسن اور ایئر مارشل رحیم کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوگئے۔ انہوں نے دونوں کو فارغ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ ایک انتہائی نازک اور حساس فیصلہ تھا اس پر عملدرآمد عوامی حکومت کے لیے خطرناک بھی تھا۔ بھٹو نے اس اہم اور نازک فیصلہ پر کس طرح عملدرآمد کرایا ڈاکٹر مبشر حسن اپنی تصنیف ''اقتدار کا سراب'' میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

''2 مارچ 1972ء کو جتوئی نے مجھے 5 بجے اپنے گھر پر بلایا۔ کھر، رفیع رضا، ممتاز بھٹو اور اکبر خان وہاں پر پہلے ہی موجود تھے۔ جتوئی نے بتایا کہ صدر بھٹو نے اگلے دن صبح جنرل گل حسن اور ایئر مارشل رحیم کو ایوان صدر بلایا ہے۔ ہم سب وہاں پر موجود ہوں گے۔ دونوں سے استعفے لیے جائیں گے اور انہیں سیف ہاؤس منتقل کر دیا جائے گا اور نیا آرمی چیف چارج سنبھال لے گا۔ میں یہ سن کر ششدر رہ گیا حکومت کے لیے نازک ترین لمحہ تھا۔ میں نے سوچا کہ بھٹو نے خطرات کو روکنے کے لیے یہ فیصلہ کیا ہوگا۔ ایوان صدر میں رفیع رضا نے آرڈر لکھوایا جسے میں نے خود ٹائپ کیا۔ بھٹو نے 3 مارچ 1972ء کو لیاقت باغ میں جلسہ عام کا اعلان کر رکھا تھا جس کا مقصد فوج پر عوامی دباؤ قائم رکھنا تھا۔ ایئر مارشل رحیم کی بیوی کے نام ایک خط لکھا گیا کہ رحیم ان سے رابطہ نہیں کر سکتے۔ وہ مطمئن رہیں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ کھر، ممتاز بھٹو اور جتوئی جنرل گل حسن اور ایئر مارشل رحیم کو بذریعہ کار گورنر ہاؤس لاہور لے گئے۔ میری ڈیوٹی جنرل ٹکا خان سے رابطہ کرنے کی لگائی گئی۔ وہ ساہیوال میں تھے انہیں فوراً اسلام آباد لانا تھا تاکہ وہ بطور کمانڈر ان چیف فوج کا چارج سنبھال لیں۔ میں گورنر کے طیارے پر اوکاڑہ ایئر بیس روانہ ہوا ڈپٹی کمشنر کو بتایا کہ ایریا وزٹ کرنے کے لیے آرہا ہوں کنٹونمنٹ ایئر بیس پر میرا استقبال کریں۔ اوکاڑہ ایئر بیس کے قریب پہنچے تو پائلٹ نے کوڈ ورڈز (Code Words) میں باتیں شروع کیں۔ میں خوف زدہ ہوگیا یہ ایک نازک مشن تھا۔ جس میں جان کا خطرہ تھا۔ پائلٹ سے پوچھا کس سے باتیں کر رہے ہو اس نے بتایا کہ کنٹرول ٹاور سے بات کر رہا ہوں۔ ایئر بیس کے قریب پہنچے تو تین چار افراد یونیفارم میں دیکھے۔ میں نے سوچا راز فاش ہوگیا۔ یہ ملٹری کے جوان ہیں جو مجھے گرفتار کرنے آئے ہیں۔ انہوں نے سلیوٹ کیا تو میری پریشانی دور ہوئی۔ میں نے ڈی سی سے کہا کہ ساہیوال چلو۔ ڈی سی نے کہا کہ ریسٹ ہاؤس خالی نہیں ہے اگر اجازت دیں تو اپنے گھر لے چلوں۔ میں نے پوچھا ریسٹ ہاؤس میں کون ٹھہرا ہوا ہے۔ اس نے بتایا جنرل ٹکا خان ٹھہرے ہوئے ہیں میں نے کہا ریسٹ ہاؤس چلتے ہیں۔ جنرل ٹکا خان لنچ سے فارغ ہوئے تھے انہوں نے میرا گرمجوشی سے استقبال کیا اور

میرے مشن کے بارے میں پوچھا۔ میں نے انہیں آرمی چیف کی حیثیت سے نامزدگی کے آرڈر دکھائے تو وہ حیران اور ششدر رہ گئے اور پوچھا راولپنڈی میں کیا ہوا۔ میں نے کہا کہ صدر پاکستان کو یہ فیصلہ کرنا پڑا۔ میں جنرل ٹکا خان کو لے کر راولپنڈی پہنچا اور ٹکا خان نے اسی دن اپنے نئے منصب کا چارج سنبھال لیا۔ جنرل گل حسن اور ایئر مارشل رحیم کو پاکستان کے سفیر نامزد کر کے پاکستان سے باہر روانہ کر دیا گیا۔"

http://www.apnaorg.com

صدر بھٹو کی قیدی مجیب سے آخری ملاقات

شیخ مجیب الرحمٰن میانوالی جیل میں نظر بند تھے جہاں پر انہیں اخبار اور ریڈیو کی سہولت حاصل نہ تھی وہ مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والے واقعات اور سقوط ڈھاکہ سے بے خبر تھے۔ بھٹو شیخ مجیب کو رہا کرنا چاہتے تھے انہوں نے کراچی میں ایک جلسہ عام میں عوام سے شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائی کے بارے میں پوچھا عوام نے ہاتھ کھڑے کر کے مجیب کی رہائی کی تائید کر دی۔ شیخ مجیب کو میانوالی جیل سے راولپنڈی کے گیسٹ ہاؤس لایا گیا جب بھٹو مجیب سے ملاقات کے لیے پہنچے تو مجیب نے بھٹو کو دیکھتے ہی کہا۔

مجیب: میں سوچ رہا تھا کہ ایک نئی مصیبت آ رہی ہے۔ دوسرے کمرے میں فوجی گارڈز کس لیے ہیں۔

بھٹو: میں نے اقتدار سنبھال لیا ہے۔

مجیب: مجھے بہت خوشی ہوئی۔ مجھے بنگال کی صورت حال بتاؤ میں بڑا فکر مند ہوں۔

بھٹو: بھارتی افواج نے ڈھاکہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ روسی ٹینک بندوقوں اور فوجی طیاروں کے ساتھ بھارتی افواج ڈھاکہ میں داخل ہوئیں۔

مجیب: بھٹو انہوں نے ہمیں ہلاک کر دیا ہے۔ میرا فوری ڈھاکہ جانا ضروری ہو گیا ہے۔ مجھ سے وعدہ کرو اگر انڈیا نے مجھے جیل میں ڈال دیا تو تم میری مدد کرو گے۔

بھٹو: ہم اکٹھے لڑیں گے۔

مجیب: میں معاملات سدھار لوں گا۔ غاصب فوج وہاں پر ہے مجھے یقین ہے عوامی لیگ اسے نہیں نکال سکتی۔ دنیا اس حقیقت کو جان لے گی مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے یقین کرو میں نے کبھی نہیں چاہا کہ بھارتی افواج ڈھاکہ میں داخل ہوں۔

بھٹو: مجھے تم پر یقین ہے اسی لیے میں نے تمہیں جیل سے رہا کر کے راولپنڈی لانے کا آرڈر دیا میں پاکستان کو متحد رکھنا چاہتا ہوں مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔

مجیب: کوئی شرط نہیں مجھے بتاؤ بنگال کی حالت کیا ہے۔

بھٹو: مجیب بھائی کیا کوئی امکان ہے کہ ہم اکٹھے رہ سکیں۔

مجیب: میں ڈھاکہ میں جلسہ عام کروں گا۔ اپنے عوام سے ملوں گا ان سے مشورہ کروں گا اور تمہیں بتاؤں گا۔ عوام مجھ پر اعتماد کر لیں گے اور انشاء اللہ میں ضرور کوشش کروں گا۔ تم

میری پوزیشن کو سمجھتے ہو فی الحال میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

بھٹو نے گیارہ روز کے وقفے کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن سے دوسری ملاقات کی۔ انہوں نے مجیب کو سوچنے کا موقع دیا۔ وقفہ ایک سیاسی حربہ بھی تھا جس کا مقصد مجیب سے وعدہ لینا اور یقین دہانی حاصل کرنا بھی تھا۔

بھٹو: ہم دفاع خارجہ امور اور کرنسی مشترک رکھ سکتے ہیں۔

مجیب: اس سے پہلے مجھے ڈھاکہ جانے دینا ہوگا۔

بھٹو: مجھے کنفیڈریشن پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔

مجیب: میں نے تمہیں بتایا کہ ہمیں انتظار کرنا ہوگا۔ کنفیڈریشن ہوگی لیکن یہ میرے اور تمہارے درمیان ہے مجھے اُمید ہے تم کسی کو نہیں بتاؤ گے۔

بھٹو: میں کسی اور کو کیوں بتاؤں گا میں ہر صورت اسے خفیہ رکھوں گا۔

مجیب: تم مجھ پر اعتما کرو اور یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔

بھٹو: مجھے تم پر اعتماد ہے۔

مجیب: میں بنگال کے عوام کو بتاؤں گا کہ یحییٰ اقتدار منتقل کرنے سے پہلے مجھے قتل کرنا چاہتا تھا۔ میں مطالبہ کروں گا کہ یحییٰ کو پھانسی دو۔

میں کہہ دوں گا کہ یحییٰ کے خلاف مقدمہ چلاؤ پھر میں بھٹو کے ساتھ بات کروں گا اُمید ہے تم میری بات سمجھ رہے ہو۔ زخم بہت گہرے ہیں میں نے عوام کو اعتماد میں لینا ہے۔

بھٹو: تمہارے خیال میں بڑا ولن کون ہے جنرل یحییٰ یا جنرل پیرزادہ۔

مجیب: دونوں۔

بھٹو: صدارت لے لو وزارت عظمٰی لے لو میں قرآن پر حلف اٹھا کر کہتا ہوں میں ریٹائر ہونے کے لیے تیار ہوں۔

مجیب: میرا خیال تھا ہم دونوں پاکستان پر حکمرانی کریں گے لیکن حرام زادے یحییٰ نے سازش کی اور حالات خراب کیے۔

بھٹو: مگر اب ہم نے حالات کو درست کرنا ہے۔

مجیب: ہاں مگر تمہیں میری مشکلات کا احساس ہونا چاہئے میں نے بنگال کے عوام کو اعتماد میں لے کر غاصب فوج کو بنگال سے نکالنا ہے یہ آسان کام نہیں ہے۔

بھٹو: ہاں یہ کام آسان نہیں ہے میں ڈھاکہ جانے کے لیے تیار ہوں۔

مجیب: مجھے وقت دو اور عوام سے ملنے دو میں وہاں جا کر تمہیں بتاؤں گا۔ تم عوام کے ہیرو ہو اور تاحیات رہو گے۔

http://www.apnaorg.com

بھٹو: میں عمر بھر نہیں رہنا چاہتا تم ہمارے صدر بن جاؤ۔

بھٹو نے اس موقع پر مجیب کو پچاس ہزار ڈالر دینے کی پیشکش کی۔ مجیب نے ڈالر لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ انہیں چارٹرڈ فلائٹ پر خرچ کرلو۔ 3 جنوری 1972ء کو آدھی رات کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن لندن روانہ ہوگئے۔

http://www.apnaorg.com

نثار میں تیری گلیوں پہ اے وطن............

صدر بھٹو سے میری ڈرامائی ملاقات

عوام نے پی پی پی سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کر لی تھیں۔ غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کا خیال تھا کہ بھٹو کے برسراقتدار آتے ہی ان کی زندگیوں میں انقلاب آجائے گا۔ بھٹو کو اقتدار انتہائی ناسازگار حالات میں ملا۔ غریب عوام کی توقعات فوری طور پر پوری نہ ہوسکیں۔ انہوں نے بے صبری اور بے چینی کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ کراچی میں مزدوروں نے مظاہرہ کیا جس پر گولی چلائی گئی۔ میں نے 1972ء کے آخری مہینوں میں ملاقات کے لیے صدر بھٹو کو ایک ٹیلی گرام روانہ کیا۔ جس میں لکھا۔

" Please give me time to meet you. I Want to tell you what people are whispering in the streets"

''جناب مجھے ملاقات کا وقت دیں میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ عوام گلیوں میں کیا کھسر پھسر کر رہے ہیں''

اس وقت میں نیو سمن آباد کے پارٹی یونٹ کا صدر تھا۔ مجھے یقین نہ تھا کہ صدر پاکستان مجھے ملاقات کا وقت دیں گے۔ بھٹو عوامی رائے عامہ کے بارے میں بے حد حساس تھے۔ بھٹو کے سیکریٹری نے مجھے اطلاع دی کہ صدر پاکستان مجھ سے گورنر ہاؤس لاہور میں ملاقات کریں گے۔ یہ خبر سن کر مجھے دلی مسرت ہوئی اور مجھے اندازہ ہوا کہ بھٹو عوام اور پارٹی کارکنوں کے خطوط کا مطالعہ کرتے ہیں۔ میں سیاست میں ہمیشہ کارکن ساتھیوں کو ساتھ لے کر چلا ہوں۔ اسی جذبے کے تحت میں پارٹی کے پانچ کارکنوں کے ہمراہ گورنر ہاؤس پہنچا۔ گیٹ پر سیکورٹی آفیسر نے کہا کہ ملاقات چونکہ میری ہے اس لیے باقی کارکن ہمراہ نہیں جاسکتے۔ پی پی پی حکومت کا ابتدائی دور تھا بیوروکریسی کارکنوں سے خوف زدہ تھی۔ میں نے سیکورٹی آفیسر سے کہا کہ کارکنوں کو میرے ساتھ اندر آنے دو میں خود بھٹو صاحب سے بات کرلوں گا۔ میں کارکنوں کے ہمراہ گورنر ہاؤس کی دوسری منزل پر پہنچ گیا جہاں بھٹو ملاقاتیں کر رہے تھے۔ میری باری آئی تو اے ڈی سی مجھے کمرے کے اندر لے گیا اور کہا۔

"Mr Qayyum Nizami Sir"

''جناب صدر مسٹر قیوم نظامی''

بھٹو کمرے میں اکیلے تھے انہوں نے کھڑے ہو کر مجھ سے ہاتھ ملایا اور مجھے بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں نے درخواست کی کہ پارٹی کے چند کارکن میرے ساتھ آئے ہیں اور اپنے قائد سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے دوبارہ بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں نے اصرار کرتے ہو کہا سر کارکنوں کا دل

http://www.apnaorg.com

ٹوٹ جائے گا۔ میرے اصرار پر بھٹو غصے میں آ گئے انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پن پھینک دیا اور لکڑی کے فرش پر زور سے پاؤں مارتے ہوئے کہا۔

"Mr Nizami you do not know how to see the President"

''مسٹر نظامی تمہیں علم نہیں کہ صدر پاکستان سے کیسے ملاقات کی جاتی ہے''

اے ڈی سی شور سن کر فوراً کمرے میں آیا اور مجھے اپنی لپیٹ میں لے کر کمرے سے باہر لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ بھٹو صاحب نے کہا مسٹر نظامی کو بیٹھنے دو مگر اے ڈی سی مجھے کمرے سے باہر لے آیا شاید وہ بھٹو صاحب کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا۔ خدا نے ہر مشکل مرحلے پر مجھے بڑا حوصلہ دیا ہے۔ صدر پاکستان کے غصے کے باوجود میں نروس نہ ہوا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ میں ذاتی کام کے لئے ملاقات نہیں کر رہا تھا اے ڈی سی نے مجھ سے غصے کی وجہ سے پوچھی اور کہا کہ مجھے اصرار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میں نے کہا کہ میں صدر پاکستان سے نہیں بلکہ پی پی پی کے چیئرمین سے ملاقات کے لیے آیا ہوں اور اگر کوئی بے ادبی ہوئی ہے تو میں اپنے قائد سے معذرت کر لیتا ہوں۔ اے ڈی سی مجھے دوبارہ کمرے کے اندر لے گیا۔ میں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ میں نے کبھی کسی سربراہ مملکت سے ملاقات نہیں کی اس لیے آداب ملاقات میں کوتاہی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ بھٹو صاحب نے نرم لہجے میں کہا کہ دراصل سکیورٹی کا مسئلہ ہے اگر میں ایک کارکن کو ملاقات کا وقت دے کر دوسرے کارکنوں سے ملاقات کر لوں تو سکیورٹی والے کہیں گے کہ ملک کا صدر خود ہی سکیورٹی کے قواعد وضوابط کو توڑ رہا ہے۔ دوسرے کارکنوں سے کہنا مایوس نہ ہوں دوبارہ لاہور آؤں گا تو ان سے بھی ملاقات کروں گا۔ میری ملاقات جو پانچ منٹ تک محدود تھی ڈرامائی صورت حال کی وجہ سے آدھ گھنٹہ تک جاری رہی میں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ پارٹی کے کارکن چونکہ بے لوث ہوتے ہیں اس لیے وہ آپ کو اصل حقائق سے آگاہ کر سکتے ہیں جبکہ اراکین اسمبلی اور وزراء مصلحتوں کا شکار ہوتے ہیں۔ جس طرح ایوب خان کے خلاف جلوس نکل رہے تھے اور ان کے مشیر اور وزیر ایوب خان کو ''سب اچھا ہے'' کی رپورٹ دیتے تھے۔ انہوں نے پوچھا اب ایسا تو نہیں ہے میں نے جواب دیا خدا نہ کرے ایسا ہو مگر عوام مہنگائی سے پریشان ہیں۔ میں نے بھٹو صاحب کو پارٹی کے تنظیمی امور کارکنوں کے جذبات اور عوام کے مسائل سے آگاہ کیا اور ان کو تجاویز بھی دیں۔ میں نے بھٹو صاحب کو بتایا کہ مصطفیٰ کھر جب سے گورنر بنے ہیں ایک بار بھی لاہور کے پارٹی آفس میں نہیں گئے پارٹی نظر انداز ہو رہی ہے۔ بھٹو صاحب نے میرے سامنے مصطفیٰ کھر سے ہاٹ لائن پر بات کی اور کہا۔

''مصطفیٰ نظامی صاحب نے مجھ سے ملاقات کی ہے اور بڑی اچھی تجاویز دی ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ گورنر بننے کے بعد تم نے ایک دفعہ بھی لاہور کے پارٹی آفس کو وزٹ نہیں کیا''

مصطفیٰ کھر اسی دن شام کو پی پی پی لاہور کے آفس اولمپک ہاؤس پہنچ گئے۔ بھٹو صاحب نے

مجھے کہا کہ میں رفیع رضا کے ذریعے ان سے رابطہ رکھوں اور حالات سے تحریری طور پر آگاہ کرتا رہوں۔ ملاقات کے آخر پر بھٹو صاحب نے کہا۔

" Mr Nizami tell me what can I do for you:"

''مسٹر نظامی بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں''

میں نے جواب دیا سر میرا کوئی ذاتی کام نہیں ہے۔ انہوں نے دوبارہ پوچھا ''کچھ تو بتاؤ'' میں نے کہا سر کوئی کام ہوا تو ضرور عرض کروں گا۔ بھٹو صاحب کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ کارکنوں اور اپنے رفقاء کو فائدہ پہنچائیں ان کا تصور سیاست یہ تھا کہ جو کوئی ان سے کام کرالے گا وہ ان کا ہمیشہ احسان مند رہے گا۔ جب بھٹو صاحب پر زوال آیا اور وہ جیل میں موت کی کوٹھری میں پہنچ گئے تو ان کو احساس ہوا کہ جن لوگوں پر انہوں نے احسانات کیے وہ ساتھ چھوڑ گئے اور پارٹی کے غریب نظریاتی کارکنوں نے ان کے لیے قربانیاں دیں۔ سیاست میں مادی رشتے بہت کمزور ثابت ہوتے ہیں۔

بھٹو صاحب نے کمرے کے دروازے تک آ کر مجھے رخصت کیا اور اس طرح یہ یادگار اور ڈرامائی ملاقات اختتام کو پہنچی۔

http://www.apnaorg.com

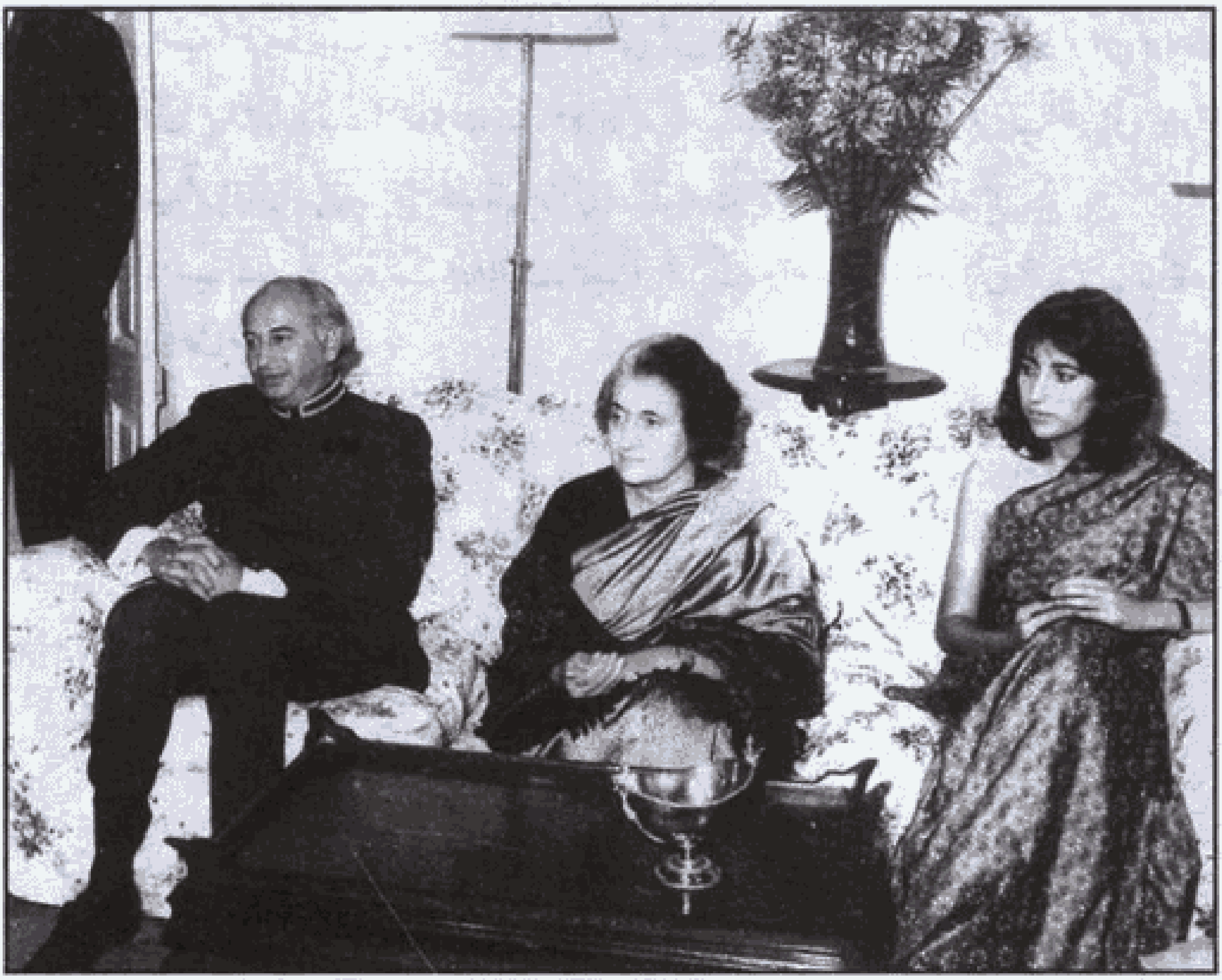

1972 محترمہ بے نظیر بھٹو اور صدر ذوالفقار علی بھٹو شملہ کانفرنس (بھارت) بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی کے ہمراہ

شملہ معاہدہ ...... معجزہ کیسے ہوا

اقتدار سنبھالنے کے بعد بھٹو کے لیے سب سے بڑا چیلنج بھارت میں قید نوے ہزار جنگی قیدیوں کی رہائی کا تھا۔ بھارت فتح کے نشے میں دھت تھا۔ بھارتی عوام مطالبہ کر رہے تھے کہ پاکستان نوے ہزار جنگی قیدیوں کی رہائی اور چھ ہزار مربع میل علاقے کی واگزاری سے پہلے نووار پیکٹ کرنے، بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے اور کشمیر سے دست بردار ہونے کے لیے رضا مند ہو جائے۔ یہ صورت حال سخت تشویش ناک تھی بھٹو معاہدہ تاشقند اور اس کے سیاسی اثرات سے غیر معمولی طور پر متاثر تھے اور بھارت سے ہرگز اس قسم کا معاہدہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے جو ان کی نئی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کا باعث بن سکتا ہو اور ملک کے اندر اپوزیشن اس معاہدہ سے سیاسی فائدہ حاصل کر سکے۔ ان حالات میں بھٹو نے اپنے پتے بڑی احتیاط اور دانشمندی سے کھیلے۔ بھارت جانے سے پہلے انہوں نے اپوزیشن کو اعتماد میں لیا اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کیا۔ پاکستان کے دانشوروں، صحافیوں مزدوروں، وکلاء سے مشاورت کی بڑے جلسوں سے خطاب کر کے عوام کو اعتماد میں لیا اور انہیں یقین دلایا کہ ایک اور معاہدہ تاشقند نہیں ہوگا اور کشمیریوں کے حق خود ارادیت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔ شملہ جانے والا پاکستانی وفد نوے افراد پر مشتمل تھا جس میں سیاست دان صحافی بیوروکریٹس اور سفارتی اہل کار شامل تھے۔ اس وفد میں ملک معراج خالد بطور وزیر اعلیٰ پنجاب شامل تھے انہوں نے شملہ معاہدہ کے بارے میں ذاتی مشاہدات اور تاثرات بیان کرتے ہوئے بتایا!

''سقوط ڈھاکہ نے پاکستان کی قومی سیاست کو ایسے تشویش ناک تضادات میں مبتلا کر دیا تھا جن کو حل کرنا کسی بھی حکمران کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی۔ ہزیمت اور شکست نے ساری قوم کو پژمردگی مایوسی اور خود اپنی تقدیر کے بارے میں تذبذب کا شکار بنا رکھا تھا۔ شرمندگی اور ندامت کے حوصلہ شکن احساس نے قوم کی اجتماعی قوت کو مضمحل کر دیا تھا۔ پاکستان کا مستقبل تاریکیوں میں ڈوبا ہوا نظر آتا تھا۔ نوے ہزار فوجیوں کا بھارت کے کیمپوں میں قید ہونا اور فوجی جرنیلوں پر جنگی جرائم کے مقدمات چلانے کے اندیشے نے پریشانیوں میں مزید اضافہ کر رکھا تھا مغربی محاذ پر کم وبیش پانچ ہزار مربع میل کا علاقہ بھارت کے قبضے میں تھا۔ پاکستانی قوم پر یہ المناک حقیقت بھی عیاں تھی کہ آج تک فاتح اقوام نے کبھی جنگی قیدیوں کو جلدی رہا نہیں کیا اور نہ ہی مقبوضہ علاقے خالی کئے ہیں۔ قوم چاہتی تھی کہ ان کے قیدی جلد وطن واپس آئیں اور بھارت مقبوضہ علاقے خالی کر دے۔ بھٹو نے عالمی سطح پر بھارت پر دباؤ ڈلوایا کہ وہ مذاکرات کے ذریعے یہ مسائل حل کرے۔ بھٹو نے شملہ جانے سے پہلے پوری قوم کو متحد کیا اور

http://www.apnaorg.com

ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھارت پر واضح کیا کہ پوری قوم خارجہ پالیسی کے سلسلے میں بھٹو کے ساتھ ہے۔ شملہ میں جب پاکستان اور بھارت کے وفود آمنے سامنے بیٹھے اس موقع پر صورتحال یہ تھی کہ اندرا گاندھی اور کانگریس کے اراکین فتح کے نشے میں سرشار تھے بھارت کی تمام سیاسی جماعتیں اور ذرائع ابلاغ اس عندیہ کا برملا اظہار کر چکے تھے کہ بھارت اس پوزیشن میں ہے کہ وہ پاکستان کی مجبوری سے فائدہ اٹھائے اور پاکستان کو مستقل طور پر کشمیر کے مسئلے سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا جائے۔ پاکستان کے سامنے ایسی شرائط رکھی جائیں کہ وہ اس خطے میں دوسری چھوٹی ریاستوں کی طرح بھارت کے رحم وکرم پر جینے کی حیثیت کو تسلیم کر لے۔ چنانچہ ابتدائی اجلاس میں ہی بھارت کے وزراء اور سیکرٹریوں نے پاکستان کے بارے میں ہتک آمیز رویہ اختیار کیا۔ پاکستان کے وفد نے اس رویے کو بادل نخواستہ برداشت کرتے ہوئے اپنا مؤقف پیش کیا۔ پورا بھارت ایک ہیجانی اور نفسیاتی کیفیت میں مبتلا تھا۔ مذاکرات کے تیسرے روز بھٹو نے اپنے وفد کو بتایا کہ مذاکرات ناکام ہوگئے ہیں ہمیں کل صبح پاکستان واپس لوٹنا ہے پاکستان کے عوام نے اس دورے سے غیر معمولی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ مذاکرات کے تیسرے روز بھٹو نے ایک پریس کانفرنس طلب کر رکھی تھی اور پریس کانفرنس سے پہلے وہ اندرا گاندھی سے آخری ملاقات کرنے والے تھے۔ ملاقات کے بعد انہوں نے پرہجوم کانفرنس سے خطاب کیا اور بتایا کہ معاہدہ طے پانے کی امید ہے ان کا یہ اعلان سب کے لیے غیر معمولی طور پر حیران کن تھا کیونکہ بھارت کے وزراء اور سیکرٹری مذاکرات کی ناکامی کی وجہ سے دہلی روانہ ہو چکے تھے۔ بھٹو نے اپنی غیر معمولی ذہانت کی بناء پر معجزہ کر دکھایا اور رات کو بارہ بجے شملہ معاہدہ پر دستخط ہوگئے جس کی رو سے 90 ہزار جنگی قیدی رہا ہو کر پاکستان واپس آئے اور مقبوضہ علاقے واگزار ہوگئے۔ غور وفکر کی بات یہ ہے کہ کمزور پوزیشن کے باوجود وہ کونسی ایسی ناقابل تسخیر قوت تھی جس کی تصویر کشی کر کے بھٹو نے اندرا گاندھی کو معاہدے پر آمادہ کیا۔ مجھے بھٹو نے اندرا گاندھی سے آخری ملاقات کے بارے میں اعتماد میں لیتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے اندرا گاندھی سے کہا کہ میں بھارت کی دھرتی سے مایوس ہو کر جا رہا ہوں۔ خالی ہاتھ آیا تھا خالی ہاتھ واپس جا رہا ہوں۔ میں پی پی پی کے چیئرمین یا پاکستان کے وزیراعظم کی حیثیت سے بھارت نہیں آیا تھا میں پوری قوم کے متفقہ نمائندے کی حیثیت سے بھارت آیا تھا۔ میری حیثیت پاکستان کے کروڑوں شہریوں کا وجود ہے آپ جانتی ہیں اس کے معنی اور مفہوم کیا ہے۔

آپ جانتی ہیں کہ میں پوری قوم کی تمناؤں آرزؤں اور ارادوں کو متحد کر کے شملہ کے لیے روانہ ہوا تھا۔ آپ ایک عظیم باپ کی بیٹی اور ایک عظیم دادا کی پوتی ہیں۔ آپ کا عظیم خاندان مسلمانوں کے کلچر اور تاریخ سے پوری طرح آگاہ ہے اور آپ جانتی ہیں کہ مسلمان موت وحیات کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں۔ میں مایوس ہو کر جا رہا ہوں اس مایوسی کی بناء پر پاکستان کے مسلمان عوام میں مر مٹنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اس کے بعد پاکستان اور بھارت کے عوام میں محاذ آرائی اور دشمنی کی ایسی صورتیں

پیدا ہوں گی جو انسانی تاریخ نے نہ دیکھی ہوں گی۔ ہم آخری فرد تک مقابلہ کریں گے چاہے مٹ ہی کیوں نہ جائیں آپ کے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہونا چاہئے کہ بھارت کے عوام بھی ہولناک پریشانیوں سے دوچار ہوں گے۔ بھٹو نے جو دوسری تاریخی حقیقت اندرا گاندھی کے سامنے پیش کی وہ یہ تھی کہ برصغیر کے تمام انسان جن میں کانگریس کے مسلمان قائدین شامل تھے سامراج سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد میں اول روز سے شامل رہے اور جن کے تدبر حوصلہ مندی اور جرأت کی بناء پر ہی سامراج کو برصغیر سے رخصت ہونا پڑا اس سے ساری دنیا میں برصغیر میں بسنے والے انسانوں کے بارے میں احترام کا جذبہ پرورش پا چکا ہے۔ آج ہم دونوں پاکستان اور بھارت کے قائدین کی حیثیت سے برصغیر کی تاریخ آزادی کی روح کے امین ہیں ہمیں اپنے اس عظیم ورثہ کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ اگر ہم ایسا نہ کر سکے تو یہی عالمی سامراج جس کی چالبازیوں کی وجہ سے برصغیر کے کروڑوں عوام غربت اور افلاس میں مبتلا ہیں ہمارے درمیان اذیت ناک جنگ سے پورا فائدہ اٹھائیں گے اور ہمیں ان کی طے کردہ شرائط کے مطابق زندہ رہنا پڑے گا۔ ہمیں ایسی صورت حال سے بچنا چاہئے اور اقوام عالم پر اپنی سیاسی بصیرت اور انسان دوستی کی صلاحیت تسلیم کرانی چاہئے۔ بھٹو کے ان دلائل نے اندرا گاندھی کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا اور اس نے کہا ہاں ہمیں مستقل طور پر برصغیر کے عوام کو آنے والے مصائب سے بچانا چاہئے اور متنازعہ مسائل کو باہمی گفت وشنید سے طے کرنے کی پائیدار بنیادوں کو استوار کرنا چاہئے۔ اندرا نے تسلیم کیا کہ اس پر پاکستان کے عوام کی عزت نفس کو بحال کرنے کی اخلاقی ذمے داری ہے اور انہیں باور کرانے کی ضرورت ہے کہ ہمیں مل جل کر اپنے باہمی تنازعات کو حل کرنا ہے اور محاذ آرائی نے جن مصائب سے دوچار کر دیا ہے ان پر قابو پانا ہے۔ اس لیے یہ معاہدہ آج ہی ہوگا۔ چنانچہ رات کے بارہ بجے معاہدے پر دستخط ہوگئے۔"

حقیقت یہ ہے شملہ معاہدہ بہترین سفارت کاری کا اعلیٰ نمونہ ہے جسے پوری دنیا میں سراہا گیا۔ شملہ معاہدہ کئی ممالک کی یونیورسٹیوں میں بین الاقوامی امور کے سلیبس میں شامل ہے۔ شملہ میں مذاکرات کے دوران سارے پتے اندرا گاندھی کے ہاتھ میں تھے جبکہ بھٹو کے ہاتھ میں ایک پتا بھی نہ تھا اس کے باوجود بھٹو نے میدان جنگ میں ہاری ہوئی بازی مذاکرات کی میز پر جیت لی۔ بے نظیر بھٹو بھی شملہ وفد میں شامل تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ شملہ میں مذاکرات کے دوران رات کو وہ بھٹو کے کمرے میں گئیں اور دیکھا کہ بھٹو بیڈ کی بجائے زمین پر سوئے ہوئے ہیں بے نظیر نے پوچھا پاپا آپ زمین پر کیوں لیٹے ہوئے ہیں بھٹو نے جواب دیا "میرے دیس کے نوے ہزار فوجی جوان بھارتی کیمپوں میں زمین پر سوتے ہیں مجھے بیڈ پر کیسے نیند آسکتی ہے" اس دورے میں بے نظیر جہاں بھی جاتیں عوام انہیں دیکھنے کے لیے جمع ہوجاتے اور اخبارات بے نظیر کی سرگرمیوں کو بڑی کوریج دیتے۔ بھٹو نے کہا "بے نظیر تم بھارت میں مجھ سے زیادہ مقبول ہو" بھٹو جب شملہ سے واپس لاہور پہنچے تو ان کا قومی ہیرو کی طرح استقبال کیا گیا۔ بھٹو نے شملہ معاہدے کی قومی اسمبلی سے توثیق کرائی۔

http://www.apnaorg.com

کس شخص کو سولی پہ چڑھا بیٹھے ہو لوگو

1973ء کا آئین کیسے بنا

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد ملک کے لیے ایک ایسا آئین تیار کرنا ضروری تھا جو مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کے عوام کی خواہشات اور توقعات کے مطابق ہو اور جس پر تمام سیاسی جماعتیں متفق ہوں۔ متفقہ آئین کی تیاری انتہائی کٹھن کام تھا۔ آئینی معاملات حساس اور نازک نوعیت کے تھے جن پر سیاسی جماعتوں کے شدید اختلافات تھے۔ پی پی پی نے جس منشور کے تحت انتخابات میں واضح کامیابی حاصل کی تھی اس پر عملدرآمد کے لیے آئینی تحفظات کی اپنی اہمیت تھی۔ پی پی پی کا طاقتور سوشلسٹ گروپ جس کی قیادت شیخ محمد رشید کر رہے تھے اصرار کر رہا تھا کہ آئین سوشلسٹ نظریات کا ترجمان ہونا چاہئے جبکہ مذہبی جماعتیں اسلامی دفعات پر زور دے رہی تھیں۔ وفاقیت، صوبائی خود مختاری، ریاست اور مذہب کا تعلق، پارلیمانی یا صدارتی نظام، قومی زبان، جداگانہ یا مخلوط انتخابات، براہ راست یا بالواسطہ انتخابات، مقننہ اور انتظامیہ کے اختیارات، بنیادی انسانی حقوق، عدلیہ کے اختیارات جیسے اہم آئینی مسائل تھے جن پر اتفاق رائے کا حصول آسان کام نہ تھا۔ بھٹو صدارتی نظام کے حامی تھے جبکہ وزیر قانون میاں محمود علی قصوری پارلیمانی نظام کے کٹر حامی تھے وہ خود قد آور سیاسی شخصیت تھے اور بھٹو کی خوشامد نہیں کر سکتے تھے۔ وزارت میں بھی ان کی زیادہ دلچسپی نہ تھی وہ ایک دیانت دار شخصیت تھے ملک کے مایہ ناز وکیل کی حیثیت سے ان کی آمدنی لاکھوں روپے ماہانہ تھی۔ وزیر قانون بننے کے بعد وہ وکالت نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا ان کی آمدنی محدود ہوگئی وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے ایک میٹنگ میں بھٹو نے سخت الفاظ میں قصوری کو یاد دلایا کہ وہ ان کی وجہ سے ایم این اے اور وزیر بنے ہیں۔ اس میٹنگ کے بعد قصوری نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ یہ ایک نازک مرحلہ تھا آئین کا ڈرافٹ تیار ہو رہا تھا۔ میاں محمود علی قصوری کے استعفے سے پی پی پی کی حکومت کو نقصان پہنچا۔ اپوزیشن جماعتوں نے پارلیمانی نظام کے لیے دباؤ ڈالا بھٹو کو اپوزیشن کے اس مطالبے کو تسلیم کرنا پڑا البتہ بھٹو اپوزیشن کے راہنماؤں کو قائل کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ وزیراعظم مکمل طور پر بااختیار ہوگا تاکہ نئے چیلنجوں کا مقابلہ کر سکے اور عوامی مفاد میں اصلاحات نافذ کر سکے۔ بھٹو آخری دم تک اپوزیشن کو یہ تاثر دیتے رہے کہ وہ ملک کا نمبرون عہدہ پاکستان کی صدارت اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں اور نمبر ٹو بننا پسند نہیں کریں گے۔ اپوزیشن اس جھانسے میں آگئی اور جب پارلیمانی نظام اور مضبوط بااختیار وزیراعظم پر متفق ہوگئی تو بھٹو خود وزیراعظم کے امیدوار بن گئے۔ بھٹو نے بیرسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ کو پاکستان کا نیا وزیر قانون نامزد کر دیا۔ 1973ء کے آئین کا ڈرافٹ عبدالحفیظ پیرزادہ، جسٹس گل حسن

http://www.apnaorg.com

جسٹس سعد سعود جان اور رفیع رضا نے تیار کیا۔ بھٹو خود آئینی امور کے ماہر تھے۔ انہوں نے آئین کی تیاری میں ذاتی دلچسپی لی۔ بھٹو نے مولانا مودودی سے ملاقات کر کے ان کا تعاون حاصل کیا اور ان کی یہ شرائط تسلیم کر لیں کہ پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا اور آئین میں یہ درج کیا جائے گا کہ پاکستان کے قوانین قرآن و سنت کے منافی نہیں ہوں گے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کو آئینی تحفظ دیا گیا۔ بھٹو نے آئین پر اتفاق رائے کے لیے ان تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کی کانفرنس بلائی جن کی قومی اسمبلی میں نمائندگی تھی۔ صوبائی خودمختاری کے مسئلے کو خوش اسلوبی سے طے کر لیا گیا۔ سوشلسٹ گروپ کو مطمئن کرنے کے لیے آئین میں آرٹیکل 3 شامل کیا گیا جس میں قرار پایا۔

''مملکت استحصال کی تمام اقسام کے خاتمے اور اس بنیادی اصول کی تدریجی تکمیل کو یقینی بنائے گی کہ ہر کسی سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے گا اور ہر کسی کو اس کے کام کے مطابق معاوضہ دیا جائے گا۔''

اتفاق رائے حاصل کرنے کے لیے پنجاب کے گورنر مصطفیٰ کھر نے مختلف ہتھکنڈے استعمال کئے۔ خوف و ہراس اور لالچ کے حربے استعمال ہوئے۔ ایک مولانا نے آئین پر دستخط کرنے کے لیے پیسے طلب کئے۔ بھٹو نے مولانا کو اپنے دفتر بلایا اور نوٹوں کا بنڈل فرش پر پھینک کر کہا مولانا پیسے اٹھا لو انہوں نے نوٹ اٹھا لیے۔ عبدالحفیظ پیرزادہ نے آئین کی تیاری اور اس پر اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے شب و روز کام کیا۔ مولانا ظفر احمد انصاری اور مصطفیٰ صادق نے مذہبی جماعتوں کو تعاون پر مائل کیا آئین میں پہلی بار آرٹیکل 6 درج کیا گیا جس کے مطابق طاقت کے استعمال یا غیر آئینی طریقوں سے دستور کی تنسیخ کو غداری کا جرم قرار دیا گیا اس آرٹیکل کا مقصد مارشل لاء کو روکنا تھا۔ آئین پر 12 اپریل 1973 کو پی پی پی، نیشنل عوامی پارٹی، جماعت اسلامی، مسلم لیگ، قاسم گروپ، کونسل مسلم لیگ، جمعیت العلمائے اسلام، جمعیت العلمائے پاکستان، قبائلی علاقوں سے تعلق رکھنے والے اراکین اسمبلی اور آزاد اراکین قومی اسمبلی نے دستخط کئے۔ آئین میں پہلی بار سینیٹ کو شامل کیا گیا جس میں تمام صوبوں کو مساوی نمائندگی دی گئی۔

1973ء کا آئین پاکستان کا پہلا متفقہ اسلامی اور جمہوری آئین ہے جس کا کریڈٹ بجا طور پر ذوالفقار علی بھٹو کو جاتا ہے۔ 1971ء کی شکست اور سقوط ڈھاکہ کے بعد حالات نے بھی مختلف سیاسی جماعتوں کو مجبور کیا کہ وہ متفقہ آئین کے لیے راضی ہو جائیں۔ پاکستان بہت سے سیاسی نشیب و فراز سے گزرا ہے مگر تیس سال گزرنے کے باوجود 1973ء کا آئین آج بھی موجود ہے یہ اتفاق رائے کا معجزہ ہے۔ 1973ء کے آئین میں بھٹو نے سات آئینی ترامیم شامل کیں جن کا مقصد انقلابی اصلاحات کو تحفظ دینا تھا۔ 1973ء کے آئین میں اب تک چودہ ترامیم شامل ہو چکی ہیں۔ بعض سیاسی جماعتوں کا مطالبہ ہے کہ نئے حالات اور نئے تقاضوں کے مطابق نیا آئین تیار کیا جائے جبکہ بڑی

http://www.apnaorg.com

سیاسی جماعتیں نئے دستور کی مخالف ہیں کیونکہ ان کے بقول موجود حالات میں اتفاق رائے کا حصول ممکن نہیں ہے۔

آئین کو ہمیشہ آمروں نے پامال کیا۔ 1956ء کا آئین جنرل ایوب خان نے توڑا۔ 1962ء کے آئین کے مطابق اقتدار سپیکر قومی اسمبلی کے حوالے کیا جانا چاہیے تھا مگر جنرل یحییٰ خان نے اقتدار پر خود قبضہ کر لیا.......... جنرل ضیاء الحق نے 1973ء کا آئین توڑا اور کہا ''آئین بارہ صفحات کی کتاب ہے اسے جب چاہوں پھاڑ کر پھینک سکتا ہوں''

آئین عوام کی آرزوؤں، خواہشات اور توقعات کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس کو توڑنا رائے عامہ کی توہین اور تذلیل کے مترادف ہے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ فوجی آمروں نے ہمیشہ عوام کی آرزوؤں کا خون کیا۔ جنرل مشرف نے بھی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اقتدار پر قبضہ کیا۔

1973ء کا متفقہ آئین آج بھی وفاق اور قومی یک جہتی کا ضامن ہے۔ جنرل پرویز مشرف ایل ایف او کو پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر آئین کا حصہ بنا کر 1973ء کے آئین کی بنیاد کو ہی ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس سے وفاق اور قومی یکجہتی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔

http://www.apnaorg.com

ذوالفقار علی بھٹو خانہ کعبہ میں حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے

ذوالفقار علی بھٹو اسلامی کانفرنس کے دوران یاسر عرفات کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے

http://www.apnaorg.com

اسلامی سربراہی کانفرنس

امریکہ کی خارجہ پالیسی کا اہم نکتہ یہ رہا ہے کہ کوئی اسلامی ملک اس قدر مضبوط اور طاقتور نہ ہو کہ وہ امریکہ کے لیے چیلنج بن جائے تاریخ میں غیر مسلم ممالک متحدہ بلاک بناتے رہے مگر عالمی طاقتوں نے مسلمانوں کو کبھی متحد نہیں ہونے دیا۔ بھٹو نے جب پاکستان میں اسلامی سربراہی کانفرنس بلانے کا فیصلہ کیا تو امریکہ نے ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ کانفرنس کا ارادہ ترک کر دیں۔ بھٹو نے امریکہ کی مخالفت کے باوجود دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس کا اجلاس پاکستان کے دل لاہور میں کرنے کا اعلان کر دیا۔ امریکہ کی دوسری کوشش یہ تھی کہ کانفرنس کامیاب نہ ہو اور اسلامی ملکوں کے سربراہ شرکت نہ کریں۔ دوسری اسلامی سربراہ کانفرنس ہر لحاظ سے کامیاب رہی اس میں 38 مسلم ممالک کے سربراہ شریک ہوئے جبکہ رباط میں ہونے والی پہلی سربراہ کانفرنس میں 24 اسلامی ممالک نے شرکت کی تھی۔ بھٹو نے اہلیت، صلاحیت اور بصیرت کا مظاہر کرتے ہوئے دنیا کے مسلمان ممالک کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر لیا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

امریکہ کے ایجنٹ شہنشاہ ایران کانفرنس میں شریک نہ ہوئے جبکہ شاہ فیصل، کرنل قذافی، بومدین، یاسر عرفات، حافظ الاسد، انور سادات اور شیخ مجیب الرحمٰن سمیت اسلامی ممالک کے 38 سربراہ کانفرنس میں شریک ہوئے۔ بھٹو نے ہمیشہ عرب کاز کی حمایت کی تھی۔ دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس میں اس حقیقت کا ادراک کیا گیا کہ مسلمان ملکوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وسائل ایک دوسرے کی ترقی و خوشحالی کے لیے صرف کریں۔ بھٹو کی دلی خواہش تھی کہ مسلمان ممالک نیٹو اور وارسا بلاک کے مقابلے میں اسلامی بلاک بنائیں اور یہ فیصلہ کریں کہ اگر کوئی غیر مسلم ملک کسی مسلمان ملک پر حملہ کرے گا تو سب مسلمان ملک متحد ہو کر حملہ آور کا مقابلہ کریں گے۔ امریکہ نے بھٹو کا یہ خواب پورا نہ ہونے دیا۔ کانفرنس کا اجلاس 18 فروری 1974ء سے 22 فروری 1974ء تک جاری رہا۔ اس کانفرنس کا مرکزی نکتہ معاشیات اور دفاع تھا۔ کانفرنس کے بعد عالم اسلام میں اتفاق اور ہم آہنگی پیدا ہوئی۔ پاکستان کا وقار بڑھا اور اسے معاشی فائدے حاصل ہوئے۔

اسلامی ممالک نے لاکھوں پاکستانیوں کو روزگار کے مواقع فراہم کیے جس سے زرمبادلہ کے ذخائر میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اس کانفرنس میں بنگلہ دیش کو ایک آزاد ملک کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا۔ کئی

مسلمان ممالک بنگلہ دیش کو بہت پہلے تسلیم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ملک معراج خالد نے جدہ کانفرنس میں بہترین سفارت کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسلامی ممالک کو قائل کیا کہ وہ پاکستان سے تعاون کریں اور بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا فیصلہ عجلت میں نہ کریں۔ جدہ کانفرنس میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ شریک ہوئے ملک معراج خالد نے پاکستانی وفد کے لیڈر کی حیثیت سے کانفرنس میں شرکت کی۔ دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس میں عرب اسرائیل تنازعہ مسئلہ فلسطین اور مسئلہ کشمیر پر سنجیدگی سے غور کیا گیا اور قرار دادیں منظور ہوئیں۔ اسلامی ملکوں سے غربت جہالت اور بیماری کے خاتمہ کے لیے ایک گروپ تشکیل دیا گیا۔ یہ کانفرنس ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔ اہم مسلمان سربراہوں نے بادشاہی مسجد میں ایک صف میں کھڑے ہو کر جمعہ کی نماز ادا کی۔ شالامار باغ میں مسلمان سربراہوں کے اعزاز میں استقبالیہ دیا گیا۔ زندہ دلان لاہور نے اپنے مہمانوں کا گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ قذافی سٹیڈیم میں بھٹو اور کرنل قذافی نے عوام سے خطاب کیا بھٹو نے کہا کہ پاکستان کی فوج عالم اسلام کی فوج ہے کانفرنس کے دوران ایک صحافی نے شاہ فیصل سے پوچھا کہ وہ بھٹو سے شیخ مجیب الرحمٰن سے زیادہ محبت کیوں کرتے ہیں۔ شاہ فیصل نے جواب دیا کہ "بھٹو اسلام کا بیٹا ہے" شاہ فیصل اور بھٹو بلاشبہ عالم اسلام کا بہت درد رکھتے تھے اور عالم اسلام کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے دونوں امریکی سازش کا شکار ہوئے اور اپنے خواب کی تعبیر نہ دیکھ سکے۔ ایک کامیاب اسلامی سربراہ کانفرنس کا انعقاد بھٹو کا ایک سنہری کارنامہ تھا جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آج جب کہ عالم اسلام غیر مسلم طاقتوں کے نرغے میں ہے اور مسلمان اپنے مستقبل کے بارے میں گہری تشویش میں مبتلا ہیں بھٹو کی عالم اسلام کے لیے بروقت سنجیدہ کوششوں کی اہمیت اور بھی کھل کر سامنے آنے لگی ہے۔

ایٹمی ٹیکنالوجی کا بانی

(قطرے سے گہر ہونے تک)

ذوالفقار علی بھٹو کو ایٹمی ٹیکنالوجی کے بانی کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ جب ہندوستان نے پہلا ایٹمی دھماکہ کیا تو بھٹو نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ پاکستان کو ہر صورت ایک ایٹمی قوت بنائیں گے۔ اپنی آخری تصنیف ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' میں بھٹو لکھتے ہیں۔

''میں پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام کے ساتھ اکتوبر 1958ء سے جولائی 1977ء تک عملی طور پر وابستہ رہا ہوں یہ زمانہ انیس برسوں پر محیط ہے۔ یہ اہم قومی ایشو بطور وزیر خارجہ وزیر ایندھن پاور اور وزیر انچارج اٹامک انرجی کمیشن کے حوالے سے میرے ساتھ براہ راست تعلق رکھتا رہا ہے جب میں نے پاکستان کے اٹامک انرجی کمیشن کا چارج سنبھالا تو اس کی حیثیت ایک دفتر اور بورڈ سے زیادہ نہ تھی۔ اپنے پورے اخلاص اور مستحکم اور آہنی ارادے کے ساتھ میں نے اپنی پوری طاقت اور صلاحیت اس پر صرف کر دی کہ میرا ملک نیوکلیئر توانائی کا ملک بن سکے۔ میں نے سینکڑوں نوجوانوں کو نیوکلیئر سائنس میں تربیت حاصل کرنے کے لیے یورپ اور شمالی امریکہ بھیجا۔ میں نے اسلام آباد کے جنگلوں میں ایٹمی ریسرچ سینٹر کی بنیاد رکھی اور مذاکرات کر کے 5.MW ریسرچ ری ایکٹر کا معاہدہ کیا۔ وزیر خزانہ شعیب اور پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین کی شدید مخالفت کے باوجود کینیڈا سے 137 ایم ڈبلیو حاصل کرنے میں کامیاب ہوا جو کراچی نیوکلیئر پلانٹ بنا۔ 1976ء کے وسط میں چشمہ نیوکلیئر پلانٹ کی منظوری دی اور فرانس سے ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ حاصل کرنے کا معاہدہ کیا۔ میری اکلوتی جدوجہد اور کوشش کے نتیجے میں پاکستان میں نیوکلیئر اہلیت اور استعداد کے لیے ڈھانچہ بنا اور اس پر کام شروع ہوا۔ ہمارے جیسے ترقی پذیر اور غریب ملک کے لیے یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ جب میں نے اٹامک انرجی کمیشن کا چارج سنبھالا اس وقت پاکستان بھارت سے بیس برس پیچھے تھا۔ جب میں وزیراعظم نہ رہا تو مجھے یقین ہے کہ پاکستان بھارت سے پانچ یا چھ سال پیچھے تھا۔ اگر نیوکلر پروگرام کے سلسلے میں طاقتور وزیروں اور بیوروکریٹس نے داخلی مخالفت نہ کی ہوتی تو میں اس گیپ کو اور بھی کم کر دیتا۔ محض نیوکلیئر استعداد اور اہلیت حاصل کر کے کوئی ملک دولت مند نہیں بن جاتا اگر یہی ایک ضرورت ہوتی تو ہر اوپیک ملک نیوکلیئر استعداد کا مالک بن جاتا۔ اصل ضرورت انفراسٹرکچر کی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے میں نے سب سے زیادہ ترجیح اس بات کو دی کہ ہزاروں نیوکلیئر سائنس دانوں کو غیر ملکوں میں تربیت دلوائی جائے۔ اب ہمارے پاس برین پاور ہے کراچی میں ہمارے پاس نیوکلیئر پلانٹ ہے اب ہمیں ایک

http://www.apnaorg.com

نیوکلیئر ری پروسیسنگ پلانٹ کی ضرورت تھی۔ جب میں حکومت چھوڑ کر اس موت کی کوٹھڑی میں آیا تو ہم مکمل نیوکلیئر استعداد حاصل کرنے کی دہلیز تک پہنچ چکے تھے۔ امریکہ کے وزیر خارجہ ہنری کسنجر ایک شاندار ذہن کے مالک ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ میں یہ کہہ کر کہ پاکستان کو ری پروسیسنگ پلانٹ کی توانائی کے لیے ضرورت ہے امریکی انٹیلی جنس کی ذہانت کی توہین نہ کروں میں نے جواب دیا کہ میں پاکستان کی توانائی کی ضرورتوں پر بحث کر کے امریکی انٹیلی جنس کی توہین نہیں کروں گا لیکن اس حوالے سے وہ بھی میرے ساتھ پلانٹ کی کوئی بات نہ کریں۔ جنرل ضیاء الحق کو فرانس کے صدر کی طرف سے لیموں مل گیا ہے پاکستان کو لڈو اور پی این اے کو حلوہ مل گیا ہے۔ مجھے موت کی سزا ملی ہے۔ اب میری زندگی کی کیا اہمیت رہ گئی ہے جب میں یہ تصور کر سکتا ہوں کہ میرے آٹھ کروڑ ہم وطن غیر محفوظ آسمان کے نیچے جس پر ایٹمی بادل چھائے ہوئے ہیں زندگی گزار رہے ہیں"

بھٹو نے اعلیٰ سفارت کاری کا مظاہرہ کر کے شب و روز کی جدوجہد کے بعد فرانس سے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کا معاہدہ کیا تھا۔ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لا کے بعد فرانس نے یہ معاہدہ ختم کر دیا۔ بھٹو نے فرانس کی تمام شرائط مان لیں اور خاموش سفارت کاری کا مظاہرہ کر کے فرانس کے ری پروسیسنگ پلانٹ کا معاہدہ کیا اسلامی ممالک نے مالی تعاون کیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے بھٹو سے پہلی ملاقات میں ایٹمی ٹیکنالوجی کے بارے میں تبادلہ خیال کیا جس سے وہ بے حد متاثر ہوئے اور ڈاکٹر قدیر کو قائل کیا کہ وہ بیرونی ملک کی ملازمت چھوڑ کر پاکستان آجائیں اور اٹامک انرجی کمیشن کے لیے کام کریں۔ ڈاکٹر قدیر راضی ہو گئے مگر انرجی کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر قدیر کو برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے دل برداشتہ ہو کر کمیشن سے علیحدگی اختیار کر لی۔ بھٹو ڈاکٹر قدیر کی خداداد صلاحیتوں سے واقف ہو چکے تھے انہوں نے کہوٹہ میں ایک علیحدہ ریسرچ سینٹر قائم کر کے ڈاکٹر قدیر خان کو اس کا انچارج بنا دیا اور اس مقصد کے لیے پورے وسائل مہیا کیے۔ بھٹو نے وزیر خزانہ غلام اسحٰق خان کو تاکید کی کہ ڈاکٹر قدیر کا پورا خیال رکھا جائے اگر ڈاکٹر قدیر مایوس ہو کر ملک سے باہر چلے جاتے تو پاکستان کے لیے ایٹمی قوت بننا ممکن نہ ہوتا۔ امریکہ اور مغربی ممالک کو خوف تھا کہ اگر پاکستان ایٹم بم بنانے میں کامیاب ہو گیا تو یہ عرب ممالک کے پاس پہنچ جائے گا اور تیل کے کنوؤں پر امریکی بالادستی ختم ہو جائے گی اور مغربی ملکوں کا مستقبل شدید خطرے میں پڑ جائے گا کیونکہ ان کا مستقبل تیل کے مسلسل حصول سے وابستہ ہے پاکستان کے نیوکلر پروگرام کی تکمیل کے لیے اسلامی ملکوں نے بھٹو سے پورا تعاون کیا اور مالی مدد کی۔ بھٹو نے انتہائی راز داری سے مختلف ملکوں سے پرزے حاصل کر کے اور انہیں جوڑ کر نیوکلیئر پراجیکٹ تیار کیا۔ قطرے پہ گہر ہونے تک جو کچھ گزری اس کا علم بھٹو کے علاوہ اور کسی کو نہ تھا۔

جنرل حمید گل نے روزنامہ جنگ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔

"بھٹو کو نیوکلیئر پروگرام اور اسلامی ممالک کی قیادت کی وجہ سے ہٹایا گیا۔"

پاکستان کے سابق وزیر خارجہ آغا شاہی نے روزنامہ جنگ سنڈے ایڈیشن کے ایک انٹرویو میں کہا ''اٹیمی کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر منیر احمد خان ڈاکٹر قدیر کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے میں نے بھٹو کو تجویز دی کہ ڈاکٹر قدیر کو علیحدہ پروجیکٹ دیا جائے بھٹو نے کئی بار میری سنیارٹی کو متاثر کیا میرے ان سے اختلافات تھے مگر یہ حقیقت ہے کہ بھٹو نے بڑی بہادری اور جرأت سے ایٹمی پروگرام کو جاری کیا امریکہ بھٹو کو پسند نہیں کرتا تھا۔ بھٹو نے امریکہ سے ٹکر لے کر غلطی کی۔''

لاہور میں بھٹو نے کسنجر کی دعوت میں کہا کہ یہ لاہور ہے پاکستان کا دل ہے یہاں پاکستان اپنے آپ کو ری پروسیس کرتا ہے۔ کسنجر نے کہا کہ کچھ چیزوں کو ری پروسیس کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور کچھ چیزوں کے لیے بہتر ہے کہ انہیں ہاتھ نہ لگایا جائے۔ کسنجر نے بھٹو سے کہا کہ امریکہ میں اگر ڈیموکریٹ حکومت میں آگئے تو وہ تمہیں عبرت ناک مثال بنا دیں گے۔ ایئر مارشل ذوالفقار نے ایک میٹنگ میں بھٹو سے کہا کہ امریکہ اگر پاکستان کو 10/A جہاز دے دے تو ایٹمی پروگرام بند کر دیا جائے۔ ایئر مارشل ذوالفقار نے بھٹو سے پوچھا کہ ہم کس حد تک امریکہ کا دباؤ برداشت کر سکیں گے۔ بھٹو نے کہا ہم اس وقت تک یہ دباؤ برداشت کریں گے جب تک امریکہ پاکستان کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیک دیتا۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں امریکن سفیر نے ضیاء الحق سے کہا کہ ایٹمی پروگرام بند کر دو ایئر مارشل ذوالفقار نے ضیاء الحق کو انتباہ کیا کہ بھٹو نے اس مسئلہ کو عوامی بنا دیا ہے۔ لہٰذا یہ پروگرام بند کیا گیا تو عوام یہ کہیں گے کہ جنرل ضیاء الحق امریکہ سے ملا ہوا ہے۔

آج بھارت کی افواج سرحدوں پر جمع ہیں اور بھارت جنگ کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ خدانخواستہ اگر پاکستان کے پاس ایٹمی صلاحیت نہ ہوتی تو ہندوستان جارحیت کا ارتکاب کر چکا ہوتا۔ ایٹمی صلاحیت کی بناء پر بھارت کے حکمرانوں کو جنگ کرنے سے پہلے سو بار سوچنا پڑے گا۔

بھٹو نے ایٹم بم کے بارے میں یہ تاریخی اعلان کیا

''اگر ہندوستان نے ایٹم بم بنایا تو ہم گھاس کھالیں گے مگر ایٹم بم ضرور بنائیں گے''

1974ء میں ڈاکٹر قدیر نے بھٹو کے نام خط لکھا کہ سٹیل ملز کے افسران ان کی اہلیت اور صلاحیت سے فائدہ نہیں اٹھا رہے۔ وہ یورینیم کی افزودگی میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں ڈاکٹر قدیر اس وقت ہالینڈ کے ایٹمی پلانٹ میں کام کر رہے تھے بھٹو ایک قوم پرست لیڈر تھے اور پاکستان کو ورلڈ پاور بنانا ان کی زندگی کا خواب تھا۔ خط ملتے ہی بھٹو نے اٹامک انرجی کے چیئرمین منیر احمد خان کو قدیر خان سے پورا تعاون کرنے کا حکم دیا۔ ڈاکٹر قدیر جب 1975ء میں دوبارہ پاکستان آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ منیر احمد خان نے ان کی سفارشات پر کوئی عمل نہ کیا تھا۔ بھٹو نے کہوٹہ ریسرچ لیبارٹری قائم کر کے ڈاکٹر قدیر خان کو اس کا بااختیار سربراہ بنا دیا۔ اٹامک انرجی کمیشن کو شوپیس کے طور پر پیش کیا جبکہ حساس کام خفیہ طور پر کہوٹہ لیبارٹری میں ہوتا رہا۔ بھٹو کابینہ کے چند وزیر امریکہ نواز تھے امریکہ کو بھٹو

http://www.apnaorg.com

کے خفیہ ارادوں کا علم ہوا تو وہ بھٹو کے خون کا پیاسا ہو گیا۔

آج پاکستان دو ستونوں پر کھڑا ہے۔ اندرونی سکیورٹی کا ستون جو 1973ء کے آئین پر قائم ہے۔ اس آئین کی بناء پر پاکستان کے وفاق اور صوبوں میں یک جہتی پائی جاتی ہے دوسرا ستون ایٹم بم ہے جو بیرونی جارحیت سے تحفظ فراہم کرتا ہے اس طرح موجودہ پاکستان کی اندرونی اور بیرونی سلامتی کا سہرا پی پی اور بھٹو کے سر ہے۔

بھٹو سے محبت اور عداوت کی کہانی

(حنیف رامے کی زبانی)

قرآن سے آواز آئی: "عمل کی ضرورت ہے"۔ 1961ء میں احساس ہوا کہ اللہ کی کتاب کو پڑھنے کا حق ادا نہیں کیا۔ میں قرآن کی تعلیم کے لیے مولانا غلام مرشد کے پاس گیا انہوں نے جواب دیا کہ تمہیں پڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم باقی سب کام چھوڑ دیں۔ میں اپنی بیگم کے ہمراہ کوئٹہ چلا گیا۔ 1961ء سے 1963ء تک وہاں پر گوشہ نشین ہوگیا۔ عربی جانتا تھا دوبارہ قرآن پڑھا لفظ لفظ پر پورا غور کیا سب تفسیریں پڑھیں تو قرآن سے آواز آئی اب عمل کی ضرورت ہے۔

ایوب خان کا دور تھا۔ ماہنامہ نصرت کے ایڈیٹر کی حیثیت سے سیاسی اداریے لکھتا تھا قدرت اللہ شہاب الطاف گوہر کے ذریعے میرے اداریے جنرل ایوب خان تک پہنچاتے اس وقت راجہ حسن اختر مغربی پاکستان مسلم لیگ کے صدر تھے۔ انہوں نے مجھے مغربی پاکستان مسلم لیگ کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات کا منصب پیش کیا۔ عمل کا حکم ہو چکا تھا سو میں نے پیش کش منظور کر لی ذوالفقار علی بھٹو ان دنوں کنونشن مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل تھے میں نے انہیں ایک خط لکھا جس کا انہوں نے جواب دیا اور یوں ان سے قلمی تعلق پیدا ہوگیا جو بعد میں قلبی تعلق میں تبدیل ہوا جب بھٹو کو تین ماہ کی جبری رخصت پر ملک سے باہر بھیج دیا گیا تو میں نے ڈاکٹر کنیز یوسف، خورشید حسن میر، غالب احمد، صفدر میر اور دیگر رفقاء سے رابطہ کیا اور بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر نئی سیاسی جماعت کے بارے میں مشورے شروع کیے۔ بھٹو جب کابل سے اسلام آباد پہنچے تو خورشید حسن میر نے میری جانب سے بھٹو سے ملاقات کی اور انہیں بتایا کہ حنیف رامے نے لاہور میں ایک گروپ تشکیل دیا ہے اور نئی سیاسی جماعت کا خاکہ بھی تیار کیا ہے۔ لہٰذا لاہور جائیں تو حنیف رامے سے ضرور ملاقات کریں۔ بھٹو نے کہا کہ رامے سے کہیں کہ وہ فلیٹیز ہوٹل لاہور میں مجھ سے ملاقات کرے اور اس سلسلے میں بیگم نصرت بھٹو سے رابطہ کرے۔ میں نے اور راجہ غالب نے بھٹو سے ملاقات کی اور انہیں نئی جماعت کا خاکہ پیش کیا وہ ذہنی طور پر نئی جماعت کے لیے تیار نہ تھے مگر رفتہ رفتہ عوام کے جوش و جذبے اور دوسری سیاسی جماعتوں کی سرد مہری کو دیکھ کر نئی جماعت تشکیل دینے کے لیے راضی ہوگئے۔

جب ایوب خان نے بھٹو کو گرفتار کیا تو مجھے جے اے رحیم اور بیگم نصرت بھٹو کو گرفتار نہ کیا۔ جب بھٹو رہا ہوئے تو انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ "کیا ایوب خان نے مجھے قید کر کے صحیح فیصلہ کیا یا غلط

فیصلہ کیا''میں نے جواب دیا'' غلط کیا'' بھٹو نے کہا کہ میں ایوب خان کی جگہ ہوتا تو تمہیں اور جے اے رحیم کو ضرور گرفتار کرتا۔ اس دن میں بھٹو کی ذہانت اور ذہنیت سے آگاہ ہوا۔ 1970ء کے انتخابات کے دوران پارٹی کے اندر انتخابات میں حصہ لینے یا نہ لینے کی بحث چل نکلی اور ''پرچی یا برچھی'' کی اصطلاح خوب استعمال ہوئی۔ علی احمد تالپور معراج محمد خان اور طارق عزیز انتخابات میں حصہ لینے کے خلاف تھے اور مکمل انقلاب کے حامی تھے۔ ہالہ میں پی پی کی کانفرنس ہوئی۔ بھٹو نے مجھے اپنی نشست کے پیچھے بٹھایا۔ معراج محمد خان نے شعلہ بیانی سے مجمع لوٹ لیا کانفرنس کا موڈ انتخابات کے خلاف ہوگیا معراج کی تقریر کے بعد بھٹو نے مجھے تقریر کرنے کا اشارہ کیا۔ میں نے پارٹی کے بنیادی سلوگن ''جمہوریت ہماری سیاست ہے'' کی روشنی میں مدلل تقریر کی اور کانفرنس کا رخ بھٹو کی جانب کر دیا۔ بھٹو خوش ہوئے اور شکریہ ادا کیا۔ ہالہ کانفرنس میں اعلان کیا گیا کہ 7 جولائی کو پی پی کا ترجمان اخبار مساوات جاری کیا جائے گا۔ ڈاکٹر مبشر نے بھٹو کے کان میں ڈال دیا تھا کہ رامے پیسے کے بغیر اخبار نکال سکتا ہے۔ میں نے اپنے تجربے اور پرنٹنگ پبلشنگ کے پس منظر کی وجہ سے مساوات شروع کیا میں دفتر میں چپڑاسی اور چیف ایگزیکٹو خود ہی تھا۔ ایک روز سٹاف کو تنخواہ دینے کے لیے پیسے نہ تھے میں نے خدا سے رجوع کیا اور ہمکلام ہوا کہ اے باری تعالیٰ اگر تم مجھ سے اس لیے ناراض ہو کہ میں سگریٹ پیتا ہوں تو میں آج سے سگریٹ چھوڑنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ خدا نے میری فریاد سن لی۔ مساوات مقبول ترین اخبار بن گیا۔ بھٹو نے کہا یہ اخبار مجھے دے دو میں نے اپنی ساری محنت ان کے حوالے کر دی۔ بے نظیر کے دور میں ایک بار ان کے ہمراہ مساوات کا دورہ کیا بے نظیر نے کہا ''رامے صاحب سنا ہے آپ بھی مساوات کے دفتر میں کام کرتے تھے'' میں نے جواب دیا'' بی بی ہاں میں مساوات کے دفتر میں چپڑاسی تھا''۔

(نصرت اور مساوات نہ ہوتے تو پی پی کی تاریخ مختلف ہوتی۔ تمام ذرائع ابلاغ ایوب خان کے کنٹرول میں تھے۔ بھٹو نے بیگم نصرت بھٹو کے سامنے کہا پی پی کو نصرت اخبار نے زندہ رکھا ہے۔ خورشید حسن میر نے کہا کہ پارٹی کے دو لیڈر ہیں ''ذوالفقار علی بھٹو اور ہفت روزہ نصرت'' میرا اور ڈاکٹر مبشر کا رویہ نظریاتی اور مثبت ہوتا۔ میں نے ہمیشہ خود کو پیچھے رکھا۔ 1970ء کے انتخابات میں الیکشن لڑنے کے لیے درخواست نہ دی ۔ میں پارٹی اور اخبار میں رہنا چاہتا تھا میرا نظریہ تھا کہ سب کو حکومت میں شامل کر کے پارٹی کو کمزور نہ کریں کھر اور ممتاز بھٹو ذوالفقار علی بھٹو سے مخلص تھے لہٰذا بھٹو دونوں کی عزت کرتے تھے۔ کھر اور ممتاز نے قومی اسمبلی میں بھٹو کی حمایت کی۔ ایوب خان نے دونوں کے خلاف مقدمے قائم کر دیئے۔ کھر گرفتاری سے بچنے کے لیے میرے گھر میں چھپے رہے) پارٹی اقتدار میں آئی تو کھر گورنر پنجاب اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن گئے مجھے پنجاب کابینہ میں سینئر وزیر نامزد کیا گیا۔ میری کھر کے ساتھ انڈرسٹینڈنگ تھی کہ وہ گورنر رہیں گے اور آئین کے نفاذ کے بعد مجھے

پنجاب کا وزیراعلیٰ بنایا جائے گا جب موقع آیا تو کھر وعدے سے انحراف کر گئے اور مجھے کہنے لگے کہ "اگر تم وزیراعلیٰ بنے تو تم پورے اختیارات استعمال کرو گے جبکہ مجھے ایک درشنی وزیراعلیٰ چاہیے" ملک معراج خالد وزیراعلیٰ بن گئے میں ناراض ہو کر گھر بیٹھ گیا رفقاء نے سمجھایا کہ رامے صاحب آپ پارٹی کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں اس طرح آپ اگر علیحدہ ہوگئے تو عوام کی نظر میں آپ کا وقار مجروح ہوگا۔ دوستوں کے مشورے پر میں نے وزارت کا کام دوبارہ شروع کر دیا اور تہیہ کر لیا کہ ملک معراج خالد کو مکمل سپورٹ کروں گا۔ میں نے معراج خالد کا پورا ساتھ دیا۔ کھر نے نواب آف کالا باغ کا سٹائل اپنا لیا اور افتخار تاری کو میرے پیچھے لگا دیا۔ ایم این اے بھی کھر کے آمرانہ رویے سے ناراض ہوگئے اور انہوں نے بھٹو سے کھر کی شکایتیں شروع کر دیں۔

میں وزیر خزانہ کی حیثیت سے مزدوروں کے مسائل میں بھی دلچسپی لیتا تھا ایک روز اتفاق فاؤنڈری کے مالک میاں شریف میرے گھر ملاقات کے لیے آئے جب میں دفتر جانے کے لیے گھر سے باہر نکل کر گاڑی میں بیٹھا تو گاڑی سٹارٹ نہیں ہو رہی تھی میاں شریف ایک دو کارکنوں کے ساتھ مل کر میری گاڑی کو دھکے لگاتے رہے۔ 1973ء کی آئین کی تیاری ہو رہی تھی بھٹو صدر بننا چاہتے تھے کھر نے مجھے کہا کہ میں بھٹو سے بات کروں کہ اگر وہ صدر بن جائیں تو وزیراعظم صوبہ پنجاب سے مصطفیٰ کھر کو بنایا جائے۔ کھر بے اختیار وزیراعظم بننے کے لیے تیار تھے اور میرے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ اگر کھر مرکز میں چلے جائیں تو میں پنجاب کا وزیراعلیٰ بن سکوں گا چنانچہ میں نے بھٹو سے کھر کی خواہش کا ذکر کیا تو بھٹو کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ کھر کی نظریں وزارت عظمیٰ کے منصب پر ہیں۔

یکم جنوری 1974ء کو بھٹو نے بجٹ کے سلسلے میں کراچی میں گورنرز کانفرنس طلب کی۔ کھر نے ایک سازش کے تحت پنجاب کی نمائندگی کے لیے مجھے کانفرنس میں شرکت کے لیے کراچی بھیج دیا، اور خود جانے سے گریز کیا۔ بھٹو نے 31 دسمبر کی رات کو مجھے اپنے گھر بلایا اور پہلی دفعہ کہا کہ وزیراعلیٰ پنجاب بننے کی تیاری کرو۔ قبل ازیں قدرت اللہ شہاب نے مجھے اشارہ کیا ہوا تھا۔ بھٹو ایک روز چوہدری فضل الٰہی سے پنجاب کے بارے تبادلہ خیال کر رہے تھے بھٹو نے کہا کہ کھر ان کے لیے مسائل پیدا کر رہا ہے فضل الٰہی نے دریافت کیا کہ پنجاب میں اور کون ہے جو موزوں ہے بھٹو نے کہا حنیف رامے ایک کامیاب وزیراعلیٰ ثابت ہو سکتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے مجھے مشورہ دیا کہ مایوس نہ ہونا اور پارٹی کے ساتھ رہنا تمہارا مستقبل روشن ہے۔ گورنرز کانفرنس میں مصطفیٰ کھر موجود تھے جب پنجاب کی باری آئی تو کھر نے کہا رامے پنجاب کی نمائندگی کریں گے کھر کی چال یہ تھی کہ رامے پنجاب کی وکالت کرے گا تو اس کے بھٹو سے اختلافات ہو جائیں گے۔ میں نے خدا سے رجوع کیا اور کہا کہ اگر میں وزیر خزانہ پنجاب کی حیثیت سے پنجاب کے مالی حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتا تو مجھے پنجاب کا وزیراعلیٰ بننے کا کوئی حق نہیں ہے۔ گورنرز کانفرنس میں پنجاب کے مالی حقوق کا مکمل دفاع کیا تو بھٹو ناراض ہوگئے

http://www.apnaorg.com

اور انہوں نے کانفرنس معطل کر دی۔ کھر بچوں کی طرح کھلکھلا کر ہنسنے لگا اور اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ مجھے یقین تھا لاہور واپس پہنچنے سے پہلے میری معطلی کے آرڈر جاری ہو چکے ہوں گے۔ میں ریل کے ذریعے کراچی سے لاہور روانہ ہوا میں نے اپنی بیگم سے اس واقعہ کا ذکر نہ کیا اور نہ ہی اپنے پیرو مرشد "بابا جی نور والے" کو بتایا جنہوں نے میرے بارے میں بڑی اچھی پیشین گوئی کر رکھی تھی میرے لاہور پہنچنے سے پہلے بھٹو کے تین فون آچکے تھے میں نے ان کو فون کیا تو بھٹو کہنے لگے "حنیف میں معذرت چاہتا ہوں کھر جس طرح ہنس رہا تھا مجھے علم ہوگیا کہ اس نے چالاکی کی اور خود بات کرنے کی بجائے تمہیں آگے کر دیا"

11 مارچ 1974ء کو بھٹو نے فون کیا اور مجھے کہا کہ پنجاب کا چارج سنبھال لو ایئرپورٹ پر آجاؤ کھر کو اپنے ساتھ جہاز میں لے جاؤں گا پریس وہاں موجود ہوگا۔تم وزیراعلیٰ کا منصب سنبھالنے کا اعلان کر دینا۔ میں نے 15 مارچ کو حلف اٹھایا کھر کے سیکرٹری انور زاہد اور پرائیویٹ سیکرٹری حمید دونوں میرے پاس آئے اور پوچھا کہ ہمارے لیے کیا حکم ہے۔آپ ہماری جگہ اپنے آدمی لانا چاہیں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ دونوں ایڈمنسٹریشن کو جانتے ہیں اہل اور دیانت دار ہیں میں خود اس منصب پر نیا ہوں سٹاف بھی نیا ہوگا تو مشکلات پیش آئیں گی۔ لہٰذا آپ دونوں کام کرتے رہیں۔ انور اور حمید دونوں کھر کے قریبی ساتھی تھے وہ میرے اس فیصلے پر حیران ہوئے۔

1973ء کے آئین کو وفاقیت کے اصولوں پر تشکیل دیا گیا تھا پہلی بار صوبوں کو خودمختاری دی گئی۔ سینیٹ میں سب صوبوں کو برابر کی نمائندگی دی گئی۔ بھٹو نے وفاقی آئین کو وحدانی آئین کے طور پر چلانے کی کوشش کی۔ وہ صوبائی خودمختاری کے بارے میں میرے خیالات سے آگاہ تھے اور ان کو وہم تھا کہ میں زیادہ عرصہ پنجاب میں رہا تو مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ ڈاکٹر مبشر وفاقی وزارت خزانہ سے علیحدہ ہوئے تو مجھے پیش کش کی کہ مرکز میں آجاؤں۔ بھٹو نے مجھے خط لکھا کہ میں سینیٹر بن جاؤں اور وفاقی حکومت میں شامل ہوجاؤں۔ میں سینیٹر بن گیا مگر وزارت سے انکار کر دیا۔ سینیٹ میں وفاقیت کے بارے میں تقریریں کیں تو پیر علی محمد راشدی سے میرے خلاف مساوات میں کالم شائع کرانے کا سلسلہ شروع کرا دیا گیا۔ میں نے بھٹو کے اہم مشیر حیات ٹمن کے علاقے میں جاگیرداروں کے خلاف تقریر کی۔ بھٹو نے ملاقات کے لیے بلایا اور شکایت کی اور کہا جاگیرداروں کے خلاف ضرور بات کرو مگر ٹمن پر تنقید نہ کرو۔

احمدیوں کا مسئلہ حل کرنے کے بعد بھٹو نے پنجاب کا دورہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا مصطفیٰ کھر نے مختلف بہانوں سے کام لے کر دورے سے گریز کیا جب میں وزیراعلیٰ پنجاب بنا تو میں نے دورہ کرانے کی حامی بھر لی۔ طے پایا کہ تحصیل ہیڈکوارٹر میں جائیں گے۔ بھٹو کے دورے سے پہلے میں خود علاقے کا دورہ کرتا ایڈمنسٹریشن کو ساتھ لے کر جاتا پانی تعلیم صحت اور ورکس کے آفیسر میرے ہمراہ

http://www.apnaorg.com

ہوتے پارٹی کے عہدیدار بھی اجلاس میں شریک ہوتے تا کہ مقامی مسائل سے پوری طرح آگاہی ہو اور بھٹو کا دورہ ہر لحاظ سے کامیاب اور نتیجہ خیز ہوسکے اور بھٹو جو وعدے کریں وہ پورے ہوسکیں اور یہ دورے محض رسمی کارروائی بن کر نہ رہ جائیں۔ میں نے شیخوپورہ میں کھلی کچہری کا اہتمام کیا بھٹو نے تقریر کرتے ہوئے کہا ''میں کھلی کچہری میں یقین رکھتا ہوں جب کہ وزیراعلیٰ پنجاب جعلی کچہریاں لگاتے ہیں ان کی مرضی ہے مگر میں تو کھلی کچہری میں یقین رکھتا ہوں''

میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ آپ کے دورے سے پہلے ایکسرسائز کی جاتی ہے تاکہ بڑے مسائل کی نشان دہی ہوسکے میں نے آپ کی کھلی کچہریاں دیکھیں ہیں جہاں پر بکری چوری اور نلکا نہ لگنے کی شکایتیں ہوتی ہیں آپ میرے لیڈر اور وزیراعظم ہیں پنجاب کے کئی علاقوں میں کبھی کوئی وزیراعظم نہیں گیا میں چاہتا ہوں آپ بکری تلاش نہ کریں بلکہ صدیوں کی محرومیاں پوری کریں لوگوں کو ہسپتال، سکول اور سڑکیں دیں تاکہ عوام آپ کو ہمیشہ یاد رکھیں۔ اگر آپ کو یہ طریقہ پسند نہیں تو میں آپ کے لیے لاہور میں اصلی کچہری کا انتظام کرتا ہوں۔ بھٹو میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بٹھانے کی کوشش کرتے رہے اور کہا ''میں نے مذاق کیا ہے'' میں نے جواب دیا کہ مذاق کرنا آپ کا حق ہے مگر بے عزتی کرنا حق نہیں۔

بھٹو عید پر لاڑکانہ گئے۔ عمر حیات سیال اور خالد ملک بھی بھٹو سے عید ملنے کے لیے لاڑکانہ گئے۔ بھٹو نے گڑھی خدا بخش میں کھلی کچہری لگائی وہ شیشے کی میز پر پاؤں رکھ کر تقریر کر رہے تھے سندھ کے وزیراعلیٰ جتوئی ساتھ بیٹھے تھے۔ بھٹو نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں پنجاب جاتا ہوں تو پنجاب کا وزیراعلیٰ کہتا ہے کہ میرے لوگوں کے لیے کالج اور ہسپتال بناؤ سندھ آتا ہوں تو آپ مجھے پٹواری کے کام پر لگا دیتے ہیں اور مجھ سے بکری تلاش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں بھٹو نے غصے سے میز پر پاؤں مارا اور میز کا شیشہ ٹوٹ گیا۔

بھٹو نے مجھے وزارت اعلیٰ کے منصب سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ بھٹو نے مجھے اور کھر کو راولپنڈی ملاقات کے لیے بلایا اور بتایا کہ ان کا ایک استاد جو ایک ملک کا سفیر بھی ہے آخری ملاقات کے لیے آیا اور مجھے کہا "Do you want to destory PPP in Punjab" کیا آپ پنجاب میں پارٹی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کھل کر بات کرو۔ اس نے کہا تم حنیف رامے کی جگہ صادق قریشی کو لا رہے ہو۔ رامے آپ کا دفاع کرتا ہے اس کی جگہ اس شخص کو لا رہے ہو جو ایک منٹ سیدھا کھڑے نہیں ہوسکتا ہے ایک منٹ سے زیادہ ایک ایشو پر بات نہیں کر سکتا۔ کارکنوں سے مل نہیں سکتا۔ بھٹو نے مجھے اور کھر کو یہ کہانی سنانے کے بعد کہا کہ واپس جاؤ اور سکون سے کام کرو۔ بھٹو نے کھر کو دوبارہ گورنر دیا جسے میں نے گورنر ہاؤس تک محدود کر دیا۔ ہم دونوں ایک جہاز پر اکٹھے واپس آئے اور سوچا بھٹو ہم سے خوش ہیں۔ دو دن کے بعد بھٹو نے مجھے خط بھیج دیا کہ مستعفی ہو جاؤ اور مرکز میں آ جاؤ۔ میرے

http://www.apnaorg.com

استعفیٰ کے بعد مجھے جیل میں بند کر دیا۔کچھ عرصہ کے بعد بھٹو نے ایک محفل میں پوچھا کہ ہم پر مصیبتیں کیوں آئیں۔ بھٹو نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا کہ جس دن سے میں نے رامے کو نکال کر صادق قریشی کو وزیراعلیٰ بنایا ہمارا زوال شروع ہوا۔ خالد کھرل نے بھٹو سے پوچھا ''سر آپ نے رامے کو کیوں ہٹایا'' بھٹو نے کہا رامے سے پہلے پنجاب میں ایک سیاسی وزیراعلیٰ تھا جس کا نام دولتانہ تھا۔آج تک دولتانہ کا نام زندہ ہے۔ دولتانہ کے بعد سیاسی وزیراعلیٰ حنیف رامے تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ آنے والے انتخابات اگر حنیف رامے کے دور میں ہوئے تو وہ غریب کارکنوں کو ٹکٹ دلائے گا۔ سیکریٹریٹ میں بیٹھ کر ان کے علاقوں میں ترقیاتی کام کرائے گا ان کے انتخابی جلسوں میں تقریریں کرے گا۔ اس کے حامی انتخاب جیت جائیں گے جو سات پشتوں تک اس کے وفادار رہیں گے اور پھر مجھے رامے سے اجازت لے کر پنجاب میں داخل ہونا پڑے گا۔

مجھے شاہی قلعہ میں ذہنی اذیت دی گئی جیل میں میری بیرک کی بجلی بند کر دی گئی جیل کے سپرنٹنڈنٹ حمید اصغر کو حکم دیا گیا کہ جیل کے اندر مجھے تشدد کا نشانہ بنایا جائے۔ عدالتوں کے جج میری بے عزتی کرتے۔ 1977ء کے انتخابات کے بعد راجہ منور اور خاکوانی میرے پاس آئے اور کہا وزیراعظم پوچھتے ہیں ہمیں ان حالات میں کیا کرنا چاہئے میں نے مشورہ دیا کہ بیس پچیس نشستوں پر دھاندلی ہوئی ہے جس نے سارے انتخابات کو داغدار کر دیا ہے اب بھی میرا مشورہ ہے کہ دوبارہ انتخابات کرالیں پی پی پی دوبارہ جیت جائے گی۔ میاں احسان الحق اور ڈاکٹر انور سجاد میرے پاس جیل میں آئے اور بتایا کہ بھٹو یحییٰ بختیار کو میرے پاس بھیجنا چاہتے ہیں ان کی خواہش ہے کہ میں پی پی پی کا سیکرٹری جنرل بن جاؤں۔ میرے زخم ابھی تازہ تھے اور غصہ غالب تھا میں نے یہ پیشکش قبول نہ کی۔ مگر آج سوچتا ہوں کہ کاش میں بھٹو سے ملاقات کر لیتا اور ان کو ایسے راستے پر ڈال دیتا جس سے بھٹو اور پاکستان دونوں بحران سے نکل آتے اور بھٹو کا انجام خوفناک نہ ہوتا۔ مجھے اپنے آپ سے گلہ ہے کہ میں نے نازک حالات میں ضد سے کام کیوں لیا یہ پچھتاوا مجھے زندگی بھر رہے گا۔

پی این اے کی تحریک

(وزیراعظم ہاؤس سے موت کی کوٹھڑی تک)

''سازشی عناصر مجھے ہٹانا چاہتے ہیں وہ پاکستان کی معیشت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں ایک ملک موجودہ تحریک کے لئے بھاری رقم خرچ کررہا ہے۔ ہاتھی نے ویت نام اور مشرق وسطیٰ پر ہمارے مؤقف کو تسلیم نہیں کیا۔ یہ ہاتھی مجھ سے ناراض ہے لیکن اس کا واسطہ بندۂ صحرا سے آن پڑا ہے۔ ہم نے ایٹمی پلانٹ پر قومی مفاد کے مطابق مؤقف اختیار کیا ہے۔ پاکستان میں غیرملکی کرنسی پانی کی طرح بہائی جارہی ہے۔ کراچی میں ڈالر چھ روپے کا ہوگیا ہے۔ اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کس طرح لوگوں کو اذانیں دینے کے لیے رقوم دی گئیں اور لوگوں کو جیل جانے کے لیے رشوتیں دی گئیں''

بھٹو نے یہ الفاظ 28 اپریل 1977ء کو پارلیمینٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہے۔ قومی اتحاد کی تحریک اس وقت پرجوش ہورہی تھی۔ امریکہ کے صدر نے اپنے سفیر کے ذریعے بھٹو کو ایک خفیہ خط لکھا جس میں خاموش سفارت کاری کے ذریعے بات چیت کرنے کے لیے کہا گیا۔ بھٹو یہ خط لے کر راجہ بازار راولپنڈی پہنچ گئے اور امریکی خط عوام کے ہجوم کے سامنے لہرا دیا۔ بھٹو کی ٹرم پوری ہونے میں ابھی ایک سال رہتا تھا کہ خفیہ ایجنسیوں نے انہیں مشورہ دیا کہ اپوزیشن جماعتیں منتشر ہیں لہٰذا انتخابات کرادیئے جائیں۔ بھٹو نے ایجنسیوں کی رپورٹوں کی روشنی میں مارچ 1977ء میں عام انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا۔ بھٹو اور ان کے رفقاء ششدر رہ گئے جب انتخابات کے اعلان کے ایک ہفتہ بعد اپوزیشن جماعتوں نے پی این اے کے پلیٹ فارم پر مشترکہ انتخاب لڑنے کا اعلان کر دیا۔ پی این اے میں نو جماعتیں شامل تھیں جنہیں نو ستارے بھی کہا گیا۔ 1- مسلم لیگ پگاڑا گروپ 2- جمعیت العلمائے اسلام 3- جمعیت العلمائے پاکستان 4- تحریک استقلال 5- پاکستان جمہوری پارٹی 6- خاکسار تحریک 7- مسلم کانفرنس 8- جماعت اسلامی 9- نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی۔ پی این اے کے صدر مولانا مفتی محمود تھے اور جنرل سیکرٹری رفیق باجوہ ایڈووکیٹ تھے۔ 1977ء کے انتخابات میں پی پی پی کے مرکزی لیڈروں نے مہم جوئی سے کام لیا۔ لاڑکانہ سے مولانا جان محمد عباسی کو اغواء کر کے ذوالفقار علی بھٹو کو بلامقابلہ منتخب کروایا گیا۔ چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ غلام مصطفیٰ جتوئی، ممتاز بھٹو، حفیظ پیرزادہ، نواب صادق قریشی اور کئی دوسرے بااثر راہنما بلامقابلہ منتخب ہوگئے ملک محمد اختر اور حفیظ اللہ چیمہ نے انتخابی مہم کے دوران اسلحہ کی نمائش کی اپوزیشن متحد تھی لہٰذا ان کے جلوس اور جلسوں میں عوام

http://www.apnaorg.com

بھاری تعداد میں شرکت کرتے پی پی پی کے جلسے اور جلوس بھی بڑے ہوتے پی این اے کے لیڈروں نے انتخابات سے پہلے ہی دھاندلی کے الزامات لگانے شروع کر دیئے پاکستان پیپلز پارٹی نے قومی اسمبلی کے انتخابات واضح اکثریت سے جیت لیے پی این اے نے بطور احتجاج صوبائی انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا اور دھاندلی کا الزام لگایا۔ جب دیکھا کہ دھاندلی کا کارڈ نہیں چل رہا تو نظام مصطفیٰ کا کارڈ چلا دیا۔ پی این اے کے مرکزی راہنماؤں نے کراچی میں انتخابی جلسہ عام میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر عوام سے وعدہ کیا کہ وہ متحد رہیں گے۔ اینٹی پی پی پی قوتیں بھٹو کے خلاف متحد ہو چکی تھیں صنعت کار جن کی صنعتیں نیشنلائز کی گئیں دل کھول کر پی این اے کو سرمایہ فراہم کر رہے تھے۔ 1977ء کے انتخابات میں پارٹی کے ٹکٹ جاگیرداروں کو دیئے گئے تحریک کے دوران وہ خوف زدہ ہو کر گھروں میں بیٹھ گئے۔ ہارنے والے سڑکوں پر تھے اور جیتنے والے گھروں میں بند ہو گئے۔ میں نے پارٹی کی ایک میٹنگ میں مشورہ دیا کہ کامیابی کا جشن منایا جائے اور فتح کے جلوس نکالے جائیں۔ تحریک کے دوران کچی آبادیوں کا ایک جلوس لاہور میں نکالا گیا جس میں خوف و ہراس کے باوجود دس ہزار افراد نے شرکت کی۔ صوبائی اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے میں سمن آباد سے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے پیدل ناصر باغ پہنچا۔ پی این اے کے مقامی راہنماؤں نے مجھے ٹارگٹ کر لیا اور میری کار میں بم پھینک کر مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر بچا لیا۔ پارٹی کے دفتر اولمپک ہاؤس واصف شاہ کے ہوٹل اور طارق وحید بٹ کے گھر پر حملہ کر کے ان کو نذر آتش کیا گیا لاہور کے صدر شیر محمد بھٹی نے صدارت سے استعفیٰ دے دیا جس سے پارٹی کارکن پریشان ہو گئے۔

لاہور میں صوبائی اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر پی این اے نے زبردست مظاہرہ کیا۔ مقامی قیادت نے صوبائی اسمبلی کے اراکین کو اغوا کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا پولیس نے زبردست آنسو گیس استعمال کی جو پنجاب اسمبلی کے اندر تک پہنچ گئی۔ گولی چلنے سے سیاسی کارکن ہلاک ہو گئے۔ پی پی پی کے چند اراکین اسمبلی نے استعفیٰ دینے کا فیصلہ کیا تو ایف ایس ایف نے پیپلز ہاؤس لاہور پر ہلہ بول کر انہیں مستعفی ہونے سے روکا۔ جب تحریک نے زور پکڑا تو پی این اے کے مرکزی راہنما ایئر مارشل اصغر خان نے بری، بحری اور فضائی افواج کے سربراہوں کو خط لکھ کر انہیں مداخلت پر اکسایا انتخابی مہم کے دوران انہوں نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ وہ برسراقتدار آ کر بھٹو کو، کوہالہ کے پل پر پھانسی دیں گے۔ اصغر خان کے خط کے بعد افواج پاکستان کے سربراہوں نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت ایک منتخب آئینی حکومت ہے اور وہ اس حکومت کے وفادار رہیں گے۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد اصغر خان نے پانچ سال تک قید اور گھر پر نظر بند رہ کر اپنی غلطیوں کا کفارہ ادا کیا۔ پی این اے نے نئے انتخابات کا مطالبہ کر رکھا تھا بھٹو نئے انتخابات کرانے کے لیے تیار نہ ہوئے بھٹو نے لاہور میں پارٹی کارکنوں کا ایک اجلاس بلا کر پارٹی کو صورتحال کے بارے اعتماد میں

لیا۔ پی پی پی کے کارکن اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار تھے مگر بھٹو خانہ جنگی کے خوف کی وجہ سے تحریک کا مقابلہ انتظامیہ کی مدد سے ہی کرتے رہے۔ قومی اتحاد نے 30 اپریل 1977ء کو راولپنڈی تک لانگ مارچ کا پروگرام بنایا جو کامیاب نہ ہوسکا۔ پاکستان کے اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار نے سپریم کورٹ میں بیان ریکارڈ کراتے ہوئے اقرار کیا کہ محدود مارشل لاء کے دوران مارچ سے مئی تک 241 افراد ہلاک ہوئے 1198 زخمی ہوئے 1622 کاریں جلائی گئیں جبکہ کئی عمارتوں کو آگ لگا کر نقصان پہنچایا گیا۔

پی این اے اور بھٹو حکومت کے درمیان مذاکرات شروع ہوگئے مگر پی این اے نے دباؤ جاری رکھا اور اپنے مطالبات میں اضافہ کرتے رہے۔ سردار عبدالقیوم خان نے مولانا کوثر نیازی کو بتایا کہ پی این اے کے رہنما فوج سے رابطے میں ہیں باوثوق ذرائع کے مطابق جنرل ضیاء الحق کا معروف صحافیوں الطاف حسن قریشی اور مجیب الرحمٰن شامی کے ذریعے جماعت اسلامی کے ساتھ رابطہ تھا۔ لاہور اور کراچی میں مارشل لاء کے باوجود فوج نے ان مظاہرین پر بھی گولی چلانے سے انکار کر دیا جو تشدد اور دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہوتے۔ آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل میجر جنرل جیلانی نے بھٹو کو ایک خفیہ رپورٹ دی جس میں ملک میں دوبارہ انتخابات کرانے کا مشورہ دیا۔ اس تحریک کے دوران بائیں بازو کے افراد نے بھٹو سے تعاون کیا۔ طاہرہ مظہر علی نے حیدر آباد جیل جا کر ولی خان سے ملاقات کی اور انہیں بھٹو سے تعاون کرنے کی ترغیب دی۔ سعودی سفیر شیخ ریاض الخطیب نے خاموش سفارت کاری کے ذریعے حالات کو سازگار بنانے کی کوشش کی۔ پی این اے نے ریفرنڈم کی تجویز کو مسترد کر دیا۔ بھٹو حکومت نے تجویز پیش کی تھی کہ ریفرنڈم کے ذریعے عوام سے یہ رائے لی جائے کہ کیا وہ نئے انتخابات کے حق میں ہیں۔ ڈاکٹر مبشر حسن کے مطابق 11 اپریل 1977 کو مسعود محمود اور راؤ رشید ان کے گھر پر آئے۔ مسعود محمود نے کہا کہ پارٹی کے لیفٹنٹ لیڈر ایجی ٹیشن کرا رہے ہیں۔ اس نے شیخ محمد رشید اور ڈاکٹر مبشر حسن کی طرف اشارہ کیا۔ راؤ رشید نے مسعود محمود سے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ یہ دائیں بازو کی تحریک ہے۔ بائیں بازو کا اس تحریک سے کوئی تعلق نہیں۔ ڈاکٹر مبشر نے سیکریٹری جنرل کی حیثیت سے بھٹو کو مشورہ دیا کہ پارٹی سے جاگیرداروں کو نکالا جائے۔ بیورو کریٹس کو بھی نکالیں۔ نظام مصطفیٰ کے نعرے سے متاثر نہ ہوں بھاری انقلابی اصلاحات نافذ کی جائیں تاکہ پارٹی کی نظریاتی شناخت بحال ہوسکے۔ جب پی این اے کی تحریک عروج پر تھی تو ڈاکٹر مبشر حسن نے سیکریٹری جنرل کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور بیرون ملک روانہ ہوگئے۔ ان کے استعفیٰ سے پارٹی میں مایوسی پھیل گئی اور قومی اتحاد کی تحریک کو سیاسی فائدہ پہنچا۔ بعض لوگوں کی رائے کے مطابق ڈاکٹر مبشر حسن کو بھٹو کے انجام کا اندازہ ہوگیا تھا لہٰذا وہ پارٹی سے الگ ہوگئے۔ بھٹو اور پی این اے کے لیڈروں کے درمیان مذاکرات کامیاب ہوگئے۔ بھٹو ان مذاکرات کو نتیجہ خیز بنانے کی بجائے عرب ملکوں کے دورے

پر چلے گئے۔ یہ دورہ انہیں بڑا مہنگا پڑا۔ بھٹو نے 4 جولائی کی شب دس بجے ایک ہنگامی پریس کانفرنس کر کے بتایا کہ مذاکرات کامیاب ہوگئے ہیں اور 5 جولائی کو معاہدہ پر دستخط ہو جائیں گے۔ 5 جولائی کی صبح دو بجے جنرل ضیاء الحق نے شب خون مار کر بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ دیا حالانکہ اس نے بھٹو کے سامنے قرآن پاک پر وفاداری کا حلف اٹھا رکھا تھا۔ بھٹو نے آخری کوشش کے طور پر پی پی کے روایتی حریف مولانا مودودی کے گھر جا کر ملاقات کی اور ان کے مطالبے پر شراب جوئے اور نائٹ کلبوں پر پابندی لگا دی اور جمعہ کی چھٹی کا اعلان کر دیا۔ یہ اسلامی اقدامات بھی بھٹو حکومت کو نہ بچا سکے۔ پی این نے کی تحریک ہر لحاظ سے ایک ملک گیر تحریک تھی جس میں عوام نے مذہبی جذبے اور جوش وخروش سے حصہ لے کر بے مثال قربانیاں دیں۔ اس تحریک کے نتیجے میں بھٹو وزیراعظم ہاؤس سے موت کی کوٹھڑی میں پہنچ گئے۔ پی این اے کی اکثر جماعتوں نے ضیا الحق کے مارشل لاء کو قبول کر کے وزارتیں قبول کر لیں۔ عوام کا نظام مصطفیٰ کا خواب پورا نہ ہوا۔ اس تحریک کے بعد عوام سیاست اور سیاسی راہنماؤں سے اس قدر مایوس ہوگئے کہ انہوں نے اس کے بعد کسی سیاسی تحریک میں حصہ نہیں لیا بھٹو نے اپنی آخری کتاب ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' میں تحریر کیا ہے۔

11 جنوری 1977ء میں خفیہ ہاتھوں کے بارے میں مجھے رپورٹیں ملنے لگیں۔ اسی مہینے میں رفیع رضا نے میرے ساتھ ساڑھے چار گھنٹے ملاقات کی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ پی این اے ایک وجود حاصل کر رہی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ پی این اے کا صدر کون ہوگا اور اس کے دوسرے عہدیدار کون ہوں گے۔ انہوں نے مجھے اس کے ڈھانچے۔ ڈیزائن حکمت عملی اور مقاصد کے بارے میں بتایا۔ اپنے انکشافات کے آخر میں انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے پاس تین متبادل ہیں۔

(ا) میں نیوکلیئر پروسیسنگ پلانٹ کو بھول جاؤں تو اپوزیشن کبھی متحد نہ ہو سکے گی۔

(ب) انتخابات ملتوی کر دوں یا۔

(ج) انتہائی سنگین نتائج کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہوں۔

وہ اصرار کرتے رہے کہ میں ان پر ان کے ذرائع کے انکشاف پر دباؤ نہ ڈالوں۔ تاہم جو کچھ ہو رہا تھا اس کے بارے میں وہ پورے علم ویقین کے ساتھ بتا رہے تھے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ میں ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کو فراموش کر دوں۔ انہوں نے مجھے مطلع کیا کہ انتخابات کے زمانے میں اپوزیشن ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کو مسئلہ یا موضوع نہیں بنائے گی۔ کبھی کبھار وہ نیوکلیئر پاور پلانٹس کا ذکر عوام کو جل دینے کے لئے اس امید کے ساتھ کریں گے کہ لوگوں کو نیوکلیئر پاور پلانٹس اور نیوکلیئر ری پروسیسنگ پلانٹ کا فرق معلوم نہیں ہے۔ رفیع رضا نے مجھے متنبہ کیا کہ میرے اردگرد کے وہ لوگ جو بڑا شور مچا رہے ہیں اور مجھے مشورہ دے رہے ہیں کہ میں ایک انچ پیچھے نہ ہٹوں، جب پردہ گرے گا تو ان میں سے ایک بھی میرے پاس نہ ہوگا۔ ہم نے یہ بات چیت ڈنر پر بھی جاری رکھی۔ میں نے ان کی قیمتی

معلومات اور مشورے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ تاہم میں نے انہیں بتایا کہ اب انتخابات کے ملتوی کرنے میں بہت تاخیر ہو چکی ہے اور نہ نیوکلیئر ری پروسیسنگ پلانٹ ہی ترک کیا جاسکتا ہے۔ میں نے انہیں مزید بتایا کہ ہم منصفانہ طریقے سے انتخابات جیت لیں گے لیکن اگر ہم ایسا نہ کر سکے تو پھر یہ اپوزیشن کی مرضی ہے کہ وہ ری پروسیسنگ پلانٹ ترک کر دے یا اس کے معاہدے میں کوئی ترمیم کر لے۔ رفیع رضا نے مجھے بتایا کہ انہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم منصفانہ مقابلے میں انتخابات ضرور جیت لیں گے لیکن انہیں یہ معقول خدشہ ہے کہ ہمیں فتح کے ثمرات سے فائدہ اٹھانے نہیں دیا جائے گا۔ چونکہ وہ کھل کر بتانا نہیں چاہتے تھے اس لئے میں نے رائے دی۔ ''اچھا تو ہم انتخابات میں ہار جائیں گے یا ہمیں اپنی فتح کے ثمرات کھانے کی اجازت نہیں دی جائے گی'' اپنی سینگ کی بنی ہوئی عینک کے شیشوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے اور اپنے سر کے ایک طرف اور پیچھے بالوں کو ہاتھ سے کنگھی کرتے ہوئے رفیع رضا نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا ''لیکن سر میں آپ کو یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ایک الیکشن یا ایک عہدے سے زیادہ بڑی چیز داؤ پر لگی ہے۔'' میں نے پر اسرار لہجے میں جواب دیا'' ''میں تمہارا نکتہ سمجھتا ہوں اور تم میرا جواب سن چکے ہو''۔

جانے سے پہلے انہوں نے مجھ سے ایک سوال پوچھنے کی اجازت چاہی۔ میں نے کہا ''ضرور یقیناً'' اس پر انہوں نے پوچھا ''آپ یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں؟ آپ اپنے اور اپنے خاندان کو اتنے بڑے خطروں میں کیوں ڈال رہے ہیں؟'' میں نے انہیں بتایا کہ میں یہ اس لئے کر رہا ہوں کہ ایک فلاحی نظام قائم کر سکوں اپنے ملک کو توانا اور جدید بنا سکوں۔ ان لوگوں کے لئے خوشیاں لا سکوں جو اس لفظ کے معنی سے بھی آشنا نہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ آنسو ہمیشہ بہتے رہیں گے لیکن میں چاہتا ہوں کہ کم آنسو بہیں اور کم تلخی کے ساتھ بہیں''۔

میرے معالج ڈاکٹر نصیر شیخ میرے وزیر پیداوار کے رخصت ہونے کے بعد آئے۔ ڈاکٹر نے مجھے بتایا کہ اے ڈی سی کے کمرے میں ان کی ملاقات رفیع رضا سے ہوئی ہے۔ ڈاکٹر جو مشاہدہ کرنے والی نظر رکھتے ہیں نے مجھے بتایا کہ رفیع رضا پریشان اور گھبرائے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے کہا ''سر وہ اتنے سپید نظر آ رہے تھے جیسے کوئی بھوت'' نصیر شیخ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں سختی سے پیش آیا تھا۔ میں اس وقت کھوئے ہوئے موڈ میں تھا۔ میں نے جواب دیا نہیں، میں ان کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آیا۔ وہ موضوع جس پر ہم بات کر رہے تھے وہ سخت تھا''۔

پی این اے کی تشکیل حیران کن نہیں تھی۔ میں سابقہ مثالوں کی بناء پر پہلے سے اس کی توقع رکھتا تھا۔ رفیع رضا نے مجھے اس کے بلیو پرنٹ کے ساتھ اس کا بارود بھی دکھا دیا تھا۔ جس سے اس نے دھماکہ کرنا تھا۔ فرق یہ تھا کہ جگتو فرنٹ، بی سی ایف اور ڈی اے سی (ڈیک) ایک ''دیسی'' کام تھا۔ پی این اے کا اتحاد ایک ''دیسی'' سازش نہیں تھی۔ رفیع رضا وہ پہلے فرد تھے جنہوں نے مجھے اس کے غیر ملکی

رنگ بیان کر کے بتائے۔ قرطاس ابیض صفحہ 384 پر کہتا ہے کہ جب میں قومی اسمبلی اور سینیٹ کے مشترکہ اجلاس منعقدہ 23 اپریل 1970ء سے خطاب کر رہا تھا تو میں نے کہا تھا ''یہ ایک دیسی سازش نہیں ہے یہ ایک بین الاقوامی سازش ہے۔ یہ بہت بڑی، عظیم الجثہ سازش اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خلاف ہے''۔ میں اس وقت بالکل صحیح کہہ رہا تھا۔ اس کے بعد کے نتائج اس سے بھی زیادہ سچے تھے۔ انہوں نے کیل کے سر پر کاری ضرب لگا دی تھی۔''

جو سیاست دان پی این اے کی تحریک میں شامل ہوئے وہ یقینی طور پر آج یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ انہوں نے سامراج کے عزائم کی تکمیل کی خاطر ایک قوم پرست راہنما کو سیاسی منظر سے ہٹانے کی جدوجہد میں شریک ہو کر قومی مفادات کو نقصان پہنچایا۔ پی این اے کے راہنما اگر پاکستان کی تاریخ کے اس سنگین موڑ پر مہم جوئی کا مظاہرہ نہ کرتے تو آج پاکستان کی تاریخ مختلف ہوتی۔

http://www.apnaorg.com

داتا دربار سے کوٹ لکھپت جیل تک

مارشل لاء کے نفاذ کے بعد بیگم نصرت بھٹو نے لاہور میں سردار نون حیات نون کی رہائش گاہ پر اراکین صوبائی وقومی اسمبلی کا ایک اجلاس طلب کیا جس میں مارشل لاء کے بارے میں تبادلہ خیال ہوا۔ میں نے بیگم صاحبہ سے پوچھا کہ پارٹی لائن کیا ہے۔ انہوں نے غصے سے جواب دیا کہ ہر شخص مجھ سے پارٹی لائن پوچھتا ہے۔ پارٹی کے چیئرمین جیل میں ہیں ان حالات میں پارٹی لائن سب پر واضح ہونی چاہئے اور بھٹو کی رہائی اور مارشل لاء کے خاتمے کے لیے تحریک شروع کرنی چاہئے۔ بیگم صاحبہ نے کہا کاغذ لاؤ تا کہ اس پر لکھ دوں۔ میں نے عرض کیا کہ ان کا زبانی حکم ہی کافی ہے اور تحریر کی ضرورت نہیں۔ اس میٹنگ کے بعد لاہور کی تنظیم نے گرفتاریاں دینے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے ناظم حسین شاہ اور میاں منیر نے کسی اعلان کے بغیر گرفتاری دے دی۔ میں نے داتا دربار سے گرفتاری پیش کرنے کا اعلان مساوات اخبار میں کیا جب مارشل لاء انتظامیہ کو علم ہوا تو میری گرفتاری کے لیے مختلف مقامات پر چھاپے مارے گئے۔ میں گرفتاری سے بچنے کے لیے روپوش ہوگیا۔ دوسرے روز مقررہ وقت پر عقبی دروازے سے داتا دربار کے اندر پہنچ گیا۔ داتا دربار کے باہر ہزاروں کی تعداد میں مرد اور عورتیں جمع تھے ان میں کافی جوش وخروش پایا جاتا تھا۔ میں نے دوسرے کارکنوں کے ساتھ نماز ادا کی جب مرکزی دروازے سے باہر نکلنے لگا تو دیکھا کہ پولیس کی بھاری فورس نے داتا دربار کو گھیرے میں لے رکھا ہے لاہور کے ڈپٹی کمشنر بھی وہاں موجود تھے۔ میں نے سیڑھیوں پر کھڑے ہوکر بلند آواز میں پاکستان کی سلامتی بھٹو کی رہائی اور جمہوریت کی بحالی کے لیے دعا مانگنی شروع کر دی۔ دعا مانگنے کے بعد سیڑھیوں سے نیچے اترا تو پولیس نے مجھے بیس کارکنوں سمیت اپنے گھیرے میں لے لیا۔ خواتین نے مجھے امام ضامن باندھا جن کارکنوں نے میرے ساتھ گرفتاری پیش کی ان میں ارشاد حسین، حاجی طارق، محمد جاوید، محمد یونس، سائیں ہرا، شاہد بٹ، ملک کرم دین، الطاف کیڑی، محمد جہانگیر، اور حسن بھیا شامل تھے۔ میں نے کارکنوں کو گرفتاری دینے سے منع کیا مگر ان کا جوش وخروش دیدنی تھا۔ سائیں ہرا نے کہا ہمارا قائد بھٹو گرفتار ہے لہٰذا ہم بھی آزاد نہیں رہنا چاہتے۔ اس موقع پر کارکنوں نے ''جیئے بھٹو'' اور مارشل لاء مردہ باد' کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے خلاف یہ پہلا باضابطہ اور منظم احتجاجی مظاہرہ تھا۔ ہم سب اسیران کو پولیس سٹیشن کوتوالی کی حوالات میں بند کر دیا گیا۔ حوالات کا کمرہ چھوٹا تھا اور ہمیں رات جاگ کر گزارنی پڑی۔ دوسرے روز مجھے شاہدرہ پولیس سٹیشن کی

گندی حوالات میں رکھا گیا اور شام کو ملٹری کورٹ میں پیش کیا گیا۔ پولیس نے میرے دونوں ہاتھوں کو ہتھکڑی لگا کر میجر کے سامنے پیش کیا۔ میجر نے مجھ سے سوال کیا تم داتا دربار گئے تھے۔ میں نے کہا ''ہاں'' میجر نے کہا تم نے مارشل لاء کو توڑا ہے اس لیے تمہیں ایک سال دس کوڑوں کی سزا سنائی جاتی ہے۔ ملٹری کورٹ کے میجر نے مجھے تین منٹ کے ٹرائل کے بعد سزا سنا دی۔

بلند ہاتھوں پر زنجیر ڈال دیتے ہیں
چلی ہے رسم کہ دعا نہ مانگے کوئی

حسن بھیا کو جب ملٹری کورٹ میں پیش کیا گیا تو اس نے میجر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''میجر اپنے جرنیل ضیاء الحق سے کہہ دو اگر وہ حکومت چلانا چاہتا ہے تو مجھ سے رابطہ کرے۔ میں یہاں پر کھڑے کھڑے پورا ملک خرید سکتا ہوں۔ مگر میرے پاس دولت نہیں ہے''۔ حسن بھیا کا ذہنی توازن درست نہیں تھا اس کے باوجود میجر نے اسے ایک سال دس کوڑوں کی سزا سنا دی۔ مجھے رات کو کوٹ لکھپت جیل پہنچا دیا گیا۔ وہاں پر جہانگیر بدر اور میاں ارشد نے گرم جوشی سے استقبال کیا۔ دوسرے دن پریڈ ہوئی اور میرے بال کاٹ دیئے گئے۔ حالانکہ سیاسی قیدیوں کے بال کاٹنے کا کوئی قانون نہیں ہے۔ مجھے قیدیوں والے کپڑے اور ٹوپی پہنا دی گئی۔ میرے والد بھائی اور بیگم جیل میں ملاقات کے لئے آئے تو مجھے پہچان نہ سکے۔ میرے ساتھ اخلاقی مجرموں والا سلوک کیا گیا۔ مجھ سے فیکٹری میں اون صاف کرنے کی مشقت لی گئی۔

کوڑے مارنے کا منظر: ایک دن ہم فیکٹری میں کام کر رہے تھے کہ حاجی طارق، جاوید اور مجھے فیکٹری سے باہر بلایا گیا۔ ہم نے سوچا کہ شاید ہماری ملاقات کے لیے کوئی آیا ہے۔ ہمیں بھٹو کی بیرک کے ساتھ موت کی کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ ہم سمجھ گئے کہ کوڑے لگنے کا وقت آگیا ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے 18 اکتوبر 1977ء کو انتخابات کرانے کا وعدہ کیا تھا مجھے اور دوسرے کارکنوں کو اسی تاریخ کو کوڑے مارنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جیل کے ڈاکٹر نے ہمارا طبی معائنہ کیا اور ہمیں جسمانی طور پر کوڑے کھانے کے قابل قرار دے دیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ سب سے پہلے کوڑوں کی سزا میں بھگتوں گا۔ میرے کپڑے اتار دیئے گئے اور ململ کی ایک لنگوٹی ستر ڈھانپنے کے لیے دی گئی۔ میں نیم برہنہ تھا۔ بھٹو کی بیرک کے ساتھ والی بیرک کے احاطے میں ٹکٹی لگائی گئی تھی۔ جس کا مقصد بھٹو کو ذہنی اذیت پہنچانا تھا۔ دربار سجا ہوا تھا۔ ملٹری اور جیل کے آفیسر اور سی آئی ڈی کے اہل کار میز کرسیوں پر بیٹھے تھے تاکہ کوڑوں کی سزا کا نظارہ کر سکیں۔ میں معطل صوبائی اسمبلی کا رکن اور ایڈووکیٹ تھا مگر مارشل لاء تو جنگل کا قانون ہوتا ہے۔ مجھے کوڑے لگانے کے لیے ٹکٹکی کی جانب لے کر جانے لگے تو میں فوجی آفیسروں کے سامنے چلا گیا۔

میں نے ان سے سوال کیا کہ آپ مجھے کوڑے مارنے لگے ہیں کیونکہ میں نے مارشل لاء کا ضابطہ

http://www.apnaorg.com

توڑا ہے مگر آپ کے مارشل لاء کا ایک ضابطہ اور بھی ہے جو مجھے سمری ملٹری کورٹ کے فیصلے کے خلاف ایک ماہ کے اندر اپیل کا حق دیتا ہے مگر آپ سزا کے چار دن بعد کوڑے لگا رہے ہیں گویا مارشل لاء انتظامیہ اپنے ضابطوں کی خود خلاف ورزی کر رہی ہے۔ فوجی آفیسر نے کہا ''انہیں اوپر سے حکم ہے'' میرا دوسرا سوال یہ تھا کہ جنرل ضیاء الحق نے ٹیلی ویژن پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جب کسی شخص کو کوڑے مارے جائیں گے تو اس کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے۔ مگر آپ نے مجھے نیم برہنہ کر دیا ہے کیا یہ انسانیت کی توہین نہیں ہے۔ فوجی افسروں کے پاس میرے اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ میرے ہاتھ اور پاؤں ٹکٹکی کے ساتھ باندھ دیئے گئے۔ کوڑے مارنے والا پہلوان دوڑ کر آیا اور پورے زور سے میری پشت پر پہلا کوڑا مارا۔ میرے منہ سے بے اختیار ''اللہ اکبر'' نکلا۔ اسی طرح ہر کوڑے پر اللہ اکبر کہتا رہا۔ فوجی آفیسر نے پہلوان سے کہا کہ زور سے کوڑے مارو حالانکہ وہ پہلے ہی پوری طاقت سے کوڑے مار رہا تھا مگر فوجی آفیسر شاید چیخوں کی آواز سننا چاہتا تھا جسم سے خون نکلنا شروع ہو گیا۔ جب دس کوڑے ختم ہوئے تو منہ سے بے ساختہ ''جیوے بھٹو'' کا نعرہ نکلا۔ میرے ہاتھ پاؤں کھولے گئے اور مجھے سٹریچر پر لیٹنے کے لیے کہا گیا۔ میں نے سٹریچر پر لیٹنے سے انکار کر دیا اور دو فرلانگ پیدل چل کر جیل کے ہسپتال پہنچ گیا۔ میرے حوصلے اور ہمت کی وجہ سے کوڑوں کی دہشت ختم ہو چکی تھی اور یہی میری دلی خواہش تھی۔ میرے جذبے کو دیکھ کر پارٹی کے ہزاروں کارکن کوڑے کھانے کے لیے تیار تھے مارشل لاء کے خلاف تحریک کے لیے حالات سازگار تھے۔ اس وقت مارشل لاء کمزور تھا قومی اتحاد کی جماعتیں بھی بظاہر انتخابات کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ اگر موثر اور منظم طریقے سے تحریک چلائی جاتی تو مارشل لاء کی دیوار آسانی سے گرائی جا سکتی تھی اور جنرل ضیاء الحق کو انتخابات کرانے پر مجبور کیا جا سکتا تھا مگر افسوس کہ۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ایک طرف سیاسی کارکنوں کے ننگے جسموں پر کوڑے لگ رہے تھے دوسری طرف پی پی کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات مولانا کوثر نیازی اور دوسرے راہنماؤں نے گرفتاریاں پیش کرنے والے کارکنوں کو تخریب کار قرار دے دیا ان کے بیانات مساوات اور دیگر اخبارات میں نمایاں طور پر شائع ہوئے جس سے کارکنوں میں مایوسی پھیل گئی۔ بھٹو پارٹی رہنماؤں کے منافقانہ بیانات سے بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے بیگم نصرت بھٹو کو ہدایت کی کہ وہ اسیر کارکنوں کے گھروں پر جائیں تاکہ پارٹی کارکنوں کو یقین ہو سکے کہ پارٹی کی قیادت ان کی قربانیوں کی قدر کرتی ہے۔ بیگم نصرت بھٹو دیگر اسیر کارکنوں کے علاوہ میرے گھر پر بھی گئیں اور میرے عزیز و اقارب کی حوصلہ افزائی کی۔ بھٹو ان دنوں کوٹ لکھپت جیل میں قید تھے۔ انہوں نے کوڑے لگنے کے بعد مجھے پیغام بھیجا کہ انہیں کوڑوں کی سزا

سے بڑا دکھ ہوا ہے اور انہوں نے رات کا کھانا نہیں کھایا بھٹو کو اپنے دوستوں اور دشمنوں کی پہچان جیل میں پہنچ کر ہوئی ہے۔ خفیہ ایجنسیوں نے مارشل لاء انتظامیہ کو رپورٹ دی کہ پارٹی کارکنوں پر کوڑوں کی سزا کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ مارشل لاء انتظامیہ نے جیل کے سپرنٹنڈنٹ حمید اصغر کو کہا کہ ''نظامی کا دماغ درست کریں'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ کوٹ لکھپت جیل میں ذوالفقار علی بھٹو بھی قید ہیں لہٰذا کسی کارکن کو اذیت دی گئی تو جیل کا نظام درہم برہم ہوسکتا ہے۔ میں ابھی جیل کے ہسپتال میں زیر علاج تھا اور میرے زخم ابھی مندمل نہ ہوئے تھے کہ مجھے جیل سے شاہی قلعہ منتقل کر دیا گیا۔ میرے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال کر مجھے پولیس کی وین میں بٹھایا گیا۔ زخموں کی وجہ سے میرے لیے سیدھے بیٹھنا ممکن نہ تھا میرے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور کسی چیز کا سہارا نہیں لے سکتا۔ میں نے زوردار آواز میں وین کے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کے لیے کہا اور پولیس آفیسر کو بلا کر کہا کہ میرے ایک ہاتھ کی ہتھکڑی کھول دو تاکہ میں سہارا لے کر کھڑا ہوسکوں۔ راستے میں پارٹی کے ایک کارکن نے مجھے پہچان لیا میں نے اسے بتایا کہ مجھے شاہی قلعے لے کر جارہے ہیں میرے گھر پر اطلاع کر دو۔ خوش قسمتی سے اس وقت ہائی کورٹ کو اپیل کی سماعت کا اختیار حاصل تھا۔ سابق جسٹس ملک سعید حسن نے ارجنٹ اپیل دائر کر دی۔ ہائی کورٹ نے مارشل لاء انتظامیہ سے جواب طلب کرلیا کہ مجھے قید کی سزا سنانے اور کوڑے مارنے کے بعد کس قانون کے تحت جیل سے شاہی قلعہ منتقل کیا گیا ہے۔ شاہی قلعہ کے انچارج ڈی ایس پی نے میرے زخم دیکھے تو وہ پریشان ہوگیا۔ بلاجواز کوڑے لگنے کی وجہ سے لوگ میرے ساتھ ہمدردی بھی کرنے لگے تھے۔ ہائی کورٹ کی جواب طلبی کی وجہ سے مجھے رات کو واپس کوٹ لکھپت جیل منتقل کر دیا گیا۔ باری تعالیٰ نے مجھے مزید اذیت سے محفوظ رکھا۔ اسی روز سیاسی اسیروں کو کوٹ لکھپت جیل لاہور سے ڈسٹرکٹ جیل میانوالی منتقل کیا گیا میرا نام بھی لسٹ میں شامل تھا ایک دن شاہی قلعہ میں گزارنے کی وجہ سے میں میانوالی منتقل ہونے سے بچ گیا۔ شاہی قلعہ میں پولیس آفیسر مجھ سے مختلف نوعیت کے سوال کرتا رہا اور بار بار پوچھتا رہا کہ داتا دربار پر میری گرفتاری کے موقع پر ہزاروں کی تعداد میں لوگ کیسے جمع ہوگئے۔ مارشل لاء انتظامیہ کارکنوں کی جانب سے گرفتاریاں پیش کرنے کی بناء پر تشویش میں مبتلا تھی۔

جیل میں مجھے ہرنیے کی درد شروع ہوگئی۔ ڈاکٹر نے آپریشن کا مشورہ دیا۔ میو ہسپتال میں میرا آپریشن ہوا۔ میری بیگم گھر پر نظر بند تھی اسے میری تیمارداری کی اجازت مل گئی۔ ہسپتال کے کمرے کے باہر پولیس کی دو گاردیں ڈیوٹی دیتی رہیں ایک گارد میری نگرانی کے لیے اور دوسری میری بیگم کی نگرانی کے لیے تھی تاکہ ہم میں سے کوئی بھی ہسپتال سے باہر نہ جاسکے اور پارٹی کے کارکن ہم سے ملاقات نہ کرسکیں۔

http://www.apnaorg.com

بھٹو کے سنگ جیل کے رنگ

مجھے جناب بھٹو کے ساتھ کوٹ لکھپت جیل میں چھ ماہ قید کاٹنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جب جناب بھٹو کو راولپنڈی جیل منتقل کر دیا گیا تو کوٹ لکھپت جیل اداس ہوگئی۔ جیل کاٹنے کا وہ مزہ نہ رہا جو جناب بھٹو کی موجودگی میں تھا۔ ہم ہر روز جناب بھٹو کو لاہور ہائی کورٹ جاتے ہوئے دیکھ سکتے تھے وہ اپنی چال ڈھال سے جیل میں بھی وزیراعظم لگتے تھے جبکہ کئی لوگ وزیراعظم ہاؤس میں بھی وزیراعظم نہیں لگتے۔ جیل کی بہت سی یادیں ہیں جو زندگی کا حصہ بن چکی ہیں جیل کے سٹاف اور مشقتی کے ذریعے ہمارے پیغام بھٹو تک پہنچ جاتے تھے۔ پی پی کے سینئر وائس چیئرمین شیخ محمد رشید گرفتار ہو کر کوٹ لکھپت جیل آئے تو جناب بھٹو نے انہیں ایک چٹ بھیجی جس پر لکھا تھا۔

"Welcome but what next"

''خوش آمدید مگر اب کیا ہوگا۔''

حقیقت یہ ہے کہ جناب بھٹو کو شیخ محمد رشید کی ذات پر بھرپور اعتماد تھا انہیں یقین تھا شیخ رشید پنجاب میں ایسی عوامی تحریک چلا سکیں گے کہ حکومت کے لئے انہیں سیاسی منظر سے ہٹانا مشکل ہو جائے گا۔ شیخ رشید کی گرفتاری کے بعد بھٹو عوامی تحریک کے بارے میں ناامید ہوگئے۔ اگر شیخ رشید گرفتار نہ ہوتے تو وہ یقیناً مارشل لاء انتظامیہ کو بھٹو کے سامنے ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر دیتے۔ ایک دفعہ بھٹو اپنے کمرے میں مچھر مار رہے تھے اسی وقت جیل کا ایک افسران کے پاس پہنچا تو کہنے لگے'' میں جرنیلوں کو مار رہا ہوں''۔

جس دن لاہور ہائی کورٹ نے بھٹو کو سزائے موت سنائی تو بھٹو پر اس سزا کا کچھ اثر نہ ہوا۔ جیل کے سپرنٹنڈنٹ حمید اصغر نے مجھے بتایا کہ سزا کے فیصلے کے بعد وہ بھٹو کی بیرک میں گئے تو بھٹو مشقتی کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے۔ حمید اصغر نے کہا کہ حالانکہ اس نے اپنے سامنے سینکڑوں قیدیوں کو پھانسی کے تختے پر چڑھایا تھا مگر بھٹو کے سامنے ان کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ جناب بھٹو نے جب حمید اصغر کو گھبراہٹ کے عالم میں دیکھا تو کہا۔

''اصغر کیوں گھبراتے ہو یہ کوکا کولا (جنرل ضیا الحق) میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' سزائے موت کے اعلان سے دو تین دن بعد میرے والد میری ملاقات کے لئے آئے۔ انہوں نے سپرنٹنڈنٹ جیل حمید اصغر سے بھی ملاقات کرنا تھی۔ ہم سپرنٹنڈنٹ کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ کسی اعلیٰ آفیسر سے بات

http://www.apnaorg.com

کر رہے تھے۔ جب انہوں نے بات ختم کر کے ٹیلی فون بند کیا تو ساتھ ہی پنجابی میں موٹی موٹی گالیاں دینی شروع کر دیں اور کہا کہ سزائے موت دے کر بھی اس کی تسلی نہیں ہوئی۔ پھر سپرنٹنڈنٹ جیل نے ہمیں بتایا کہ چیف جسٹس مولوی مشتاق نے آئی جی جیل خانہ جات کو فون کر کے کہا ہے کہ بھٹو کو موت کی کوٹھڑی میں منتقل کیوں نہیں کیا گیا۔ جیل کے قوانین کے مطابق سپرنٹنڈنٹ جیل کسی بھی بیرک کو موت کی کوٹھری قرار دے سکتا ہے۔ حمید اصغر کی خواہش یہ تھی کہ بھٹو کو ان کی پرانی بیرک میں رہنے دیا جائے اور موت کی کوٹھری میں منتقل نہ کیا جائے۔ جیل کے اندرونی معاملات کا تعلق کسی طرح بھی چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ سے نہ تھا مگر اس کے باوجود مولوی مشتاق مرحوم نے انتظامیہ پر دباؤ ڈالا کہ بھٹو کو ہر صورت میں موت کی کوٹھری میں منتقل کیا جائے۔ اس ایک واقعہ سے سزائے موت کے فیصلے کے قانونی ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور چیف جسٹس کے ذاتی تعصب کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل نے بھٹو کو موت کی کوٹھری میں منتقل کر دیا یہ ایک ایسی بیرک تھی جس میں چار پانچ موت کی کوٹھڑیاں تھیں۔ موت کی کوٹھڑی اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ اس میں بمشکل ایک چارپائی آسکتی ہے۔ ایک کوٹھڑی بھٹو کے سونے کے لیے تھی دوسری بیت الخلاء کے طور پر استعمال کرنے کے لئے تھی اور تیسری مشقتی کے لیے مختص کی گئی۔ ہر کوٹھڑی کے لئے دروازہ الگ الگ ہوتا ہے اندر سے کوئی دروازہ ان کوٹھڑیوں کو آپس میں نہیں ملاتا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل نے اس خیال سے کہ رات کو بھٹو کو بیت الخلاء استعمال کرنے میں تکلیف نہ ہو اس نے دونوں کوٹھڑیوں کے درمیان ایک دروازہ بنا دیا تاکہ بھٹو حسب ضرورت آسانی سے بیت الخلاء کو استعمال کر سکیں اور انہیں دوسری کوٹھڑی میں جانے کے لئے کسی ملازم کو نہ بلانا پڑے۔ بصورت دیگر ملازم کو دو کوٹھڑیوں کے تالے کھولنے پڑتے۔ یہ ایک معمولی سی سہولت تھی۔ مگر جب فوج کے آفیسروں کو علم ہوا تو انہوں نے فوری طور پر اس دروازے کو بند کر دینے کا حکم دیا۔ فوج کے جرنیلوں نے اس لیڈر کے ساتھ اس قدر توہین آمیز سلوک کیا جو اس وقت اسلامی کانفرنس کا چیئرمین بھی تھا جب ایسی باتیں یاد آتی ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ ہم کتنے چھوٹے لوگ ہیں۔ ہم مزار پرست قوم ہیں اور زندہ لوگوں کی عزت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

ایک دن بھٹو کو ہیضہ ہو گیا کمزوری کی وجہ سے چل نہیں سکتے تھے جیل کے ایک ملازم یعقوب نے ان کو دبانے کی کوشش کی تو بھٹو نے اس کو منع کر دیا اور کہا کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو نوکری سے نکال دیئے جاؤ گے۔ 21 اپریل 1978ء کو رات بارہ بجے فوجی جوان جیل میں داخل ہوئے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل کا داخلہ بھی جیل کے اندر بند کر دیا گیا۔ جب یہ اطلاع ہماری بیرک میں پہنچی تو ہمیں سخت تشویش ہوئی۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ جیل کے اندر مختلف جگہوں پر گڑھے کھودے گئے ہیں۔ سرچ لائٹس لگا دی گئی

ہیں اور جیل کے ساتھ ایک مینار پر اینٹی ایئر کرافٹ گن نصب کر دی گئی ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ حفاظتی تدابیر اس لئے اختیار کی گئی تھیں کہ فلسطین کے مجاہدین نے جناب بھٹو کو ہیلی کاپٹر سے اغواء کرنے کی سکیم بنائی تھی۔ ایک دن اتفاق سے اسیران جیل کی گراؤنڈ میں بیٹھے تھے کہ جناب بھٹو اپنی بیرک سے نکل کر جیل کی ڈیوڑھی میں وکلاء سے ملاقات کے لئے آئے ہم سب اپنے قائد کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے اور ہاتھ ہلا کر ان کو سلام کیا۔ جناب بھٹو جب بھی بیرک سے نکلتے تو عام طور پر تمام قیدیوں کو بیرکوں میں بند کر دیا جاتا تھا مگر اس دن جیل کے آفیسر کو خیال نہ رہا۔ چنانچہ ہاتھ ہلا کر سلام کرنے پر ہماری تفتیش شروع ہوگئی۔ ہم سب نے کہا کہ جب تک ہمارے ہاتھ سلامت ہیں اپنے قائد کے سلام کے لئے ضرور اٹھیں گے۔

بھٹو نے ہمیں کئی بار پیغام بھیجا کہ صرف عوام کی طاقت ان کو سزائے موت سے بچا سکتی ہے۔ لہٰذا تحریک شروع کی جائے۔ شیخ رشید نے جیل سے عبدالحفیظ پیرزادہ اور ممتاز بھٹو کو پیغامات بھجوائے کہ وہ لاہور آکر گرفتاری پیش کریں تاکہ پنجاب میں تحریک شروع ہوسکے مگر اقتدار میں جناب بھٹو کے لئے اپنے خون کی قربانی دینے کے دعوے کرنے والے اپنا پسینہ بھی بہانے کے لئے تیار نہ تھے۔ مصطفیٰ کھر اپنے قائد کو بے یارو مددگار چھوڑ کر لندن بھاگ گئے اگر وہ جرأت کرتے تو پنجاب میں ایک مؤثر تحریک چل پڑتی اور بھٹو کی جان بچ جاتی۔ جہانگیر بدر کے سپرنٹنڈنٹ جیل حمید اصغر سے بڑے گہرے مراسم تھے اس لئے اسے بھٹو سے جیل میں ملاقات کا موقع ملتا رہا۔ اس نے بھٹو کو یقین دہانی کرائی کہ وہ ان کی رہائی کے لئے موثر جدوجہد کرے گا جہانگیر بدر جیل سے رہا ہوگیا تو ایک ماہ بعد بھٹو نے مجھے پیغام بھیجا کہ بدر سے کہو کہ وہ کب میری رہائی کے لئے کوشش کرے گا۔

جب بھٹو کو لاہور سے راولپنڈی جیل منتقل کیا گیا تو رات دو بجے فوجی جوانوں نے جیل کو گھیرے میں لے لیا۔ بھٹو کو بیرک سے باہر نکالا گیا اور انہیں جیل کے چھوٹے دروازے سے باہر نکلنے کے لئے کہا گیا۔ جیل کے چھوٹے دروازے سے گردن جھکا کر گزرنا پڑتا ہے۔ بھٹو نے چھوٹے دروازے سے گزرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ''باپ کے لئے بڑا دروازہ کھولو'' فوجی آفیسر کانپنے لگے اور بڑا دروازہ کھول دیا۔ سزائے موت بھی بھٹو کی ہیبت اور رعب کو ختم نہ کرسکی۔

اک گوہر نایاب گنوا بیٹھے ہو لوگو
کس شخص کو سولی پہ چڑھا بیٹھے ہو لوگو

میں نے بھٹو کو اپنی گرفتاری کی ایک تصویر مشقتی کے ذریعے ان کی بیرک میں بھجوائی اور ان سے فرمائش کی کہ اس تصویر پر اپنے آٹوگراف دے دیں۔ بھٹو نے اس تصویر پر یہ الفاظ لکھے جو میری سیاسی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

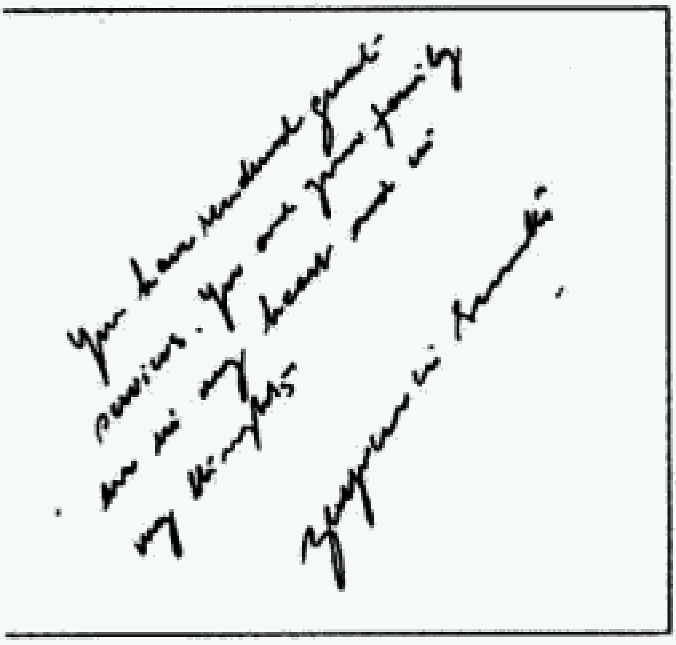

"You have rendered great services for the party, you and your family are in my heart and in my thoughts "

ترجمہ: "تم نے پارٹی کے لیے عظیم خدمات انجام دی ہیں تم اور تمہارا خاندان میرے دل اور دماغ میں ہو"

کوٹ لکھپت جیل میں موت کی کوٹھڑیاں زیرِ تعمیر تھیں بھٹو کو علم ہوا تو انہوں نے جیل سپرنٹنڈنٹ سے کہا ''دو تین جرنیلوں کے لیے موت کی کوٹھڑیاں خالی رکھنا''

ایک دن میں جیل کی ڈیوڑھی میں اپنے عزیزوں سے ملاقات کر رہا تھا کہ ایک پارٹی کارکن نے مجھے کچھ سامان سائیں ہرا کو دینے کے لیے دیا۔ سائیں ہرا بھی میرے ساتھ جیل کاٹ رہا تھا۔ جیل کے سٹاف نے وہ سامان چیک کیا تو اس میں بھنگ نکل آئی۔ سٹاف نے مجھے سپرنٹنڈنٹ کے سامنے پیش کر دیا۔ سپرنٹنڈنٹ پہلے گرجا مگر جب میں نے بتایا کہ میں تو سگریٹ بھی نہیں پیتا اور یہ سامان سائیں ہرا کا ہے تو سپرنٹنڈنٹ نے اسے ایشو نہ بنایا۔

میں نے کوٹ لکھپت جیل میں ایم اے سیاسیات کا امتحان دیا اور پاس ہوگیا۔ مخدوم جاوید ہاشمی جنرل ضیاء کی کابینہ میں وزیر تھے انہوں نے بھی اسی سال ایم اے سیاسیات کا امتحان دیا مگر فیل ہوگئے۔ روزنامہ مساوات نے یہ سرخی لگادی۔

''اسیر پاس وزیر فیل''

اپنے وطن میں ’’جلا وطنی‘‘

میں ایک سال روپوش رہا یہ گویا اپنے وطن میں ہی جلا وطنی تھی ہر چند کہ میں اپنے ہی ملک میں تھا مگر کسی اجنبی وطن کی طرح رہ رہا تھا۔ پولیس میری گرفتاری کے لئے بڑی سرگرم ہوگئی تھی اس نے کئی مقامات پر چھاپے مارے۔ مگر ناکام رہی۔ میں نے روپوشی کی حالت میں پنجاب کا دورہ کیا۔ میں اسیران کے گھروں پر گیا اور ان کے اہل خانہ کو تسلی دی۔ چیئرمین بھٹو کی رہائی کے لئے خواتین نے لاہور میں جلوس نکالا تو پولیس میری دو بہنوں کو حوالات لے گئی اور انہیں چار پانچ گھنٹے تک حراست میں رکھا۔ اس دوران پولیس نے میرے بھائیوں حفیظ نظامی، وحید نظامی اور پارٹی کے کارکن چوہدری منور انجم اور ایک عزیز نذیر چوہان کو میرے گھر سے گرفتار کر لیا ان کی گرفتاری کی خبر اخبار میں شائع ہوئی تو ان کے خلاف کسی شخص (پولیس ٹاؤٹ) کو زدوکوب کرنے کا جھوٹا مقدمہ قائم کر دیا گیا۔ وہ ایک ہفتے تک حوالات میں رہے بعد میں ان کو ضمانت پر رہا کیا گیا مگر ان کے خلاف جھوٹا کیس ایک سال تک چلتا رہا۔ اس دوران مجھے اشتہاری ملزم قرار دے دیا گیا اور سمری ملٹری کورٹ نے میری جائیداد کی قرقی کے آرڈر جاری کر دیئے۔ پولیس جائیداد قرق کرنے کے لیے میرے گھر پہنچی اور میرے والد کو قرقی کے آرڈر دکھائے تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے بیٹے کے نام کوئی جائیداد نہیں ہے اس کی بیوی کے جہیز کا پرانا فرنیچر پڑا ہے وہ لے جانا چاہیں تو لے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ پولیس کو بڑی خفت کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ پولیس کا خیال تھا کہ میرا نام بڑا ہے تو جائیداد بھی بڑی ہوگی۔ ان کو کیا معلوم کہ مشکل وقت میں غریب اور باضمیر لوگ ہی کام آتے ہیں۔ میری روپوشی کے دوران میرے بھائی رشید نظامی کا نکاح ہوا پولیس کا خیال تھا کہ میں اس تقریب میں شرکت کروں گا چنانچہ سی آئی ڈی کے اہلکار دلہن کے گھر پہنچ گئے اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کمرے کی بھی تلاشی لی جس میں دلہن اور اس کی سہیلیاں بیٹھی تھیں۔ میرے نزدیک بھٹو کی زندگی بھائی کی شادی سے کہیں زیادہ اہم تھی اس لئے میں اس تقریب میں شریک نہ ہوا۔

میں نے سیاست عبادت سمجھ کر کی ہے اور جس شخصیت سے محبت کی ہے بڑی شدت سے محبت کی ہے۔ بھٹو میرے آئیڈیل تھے ان کی شخصیت اور پروگرام سے متاثر ہو کر میں سیاست میں داخل ہوا۔ میں نے اپنے وسائل اور استطاعت کے مطابق پوری ایمانداری اور دیانتداری سے ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کیں اور اس بات کی کوشش کی کہ پاکستان کا عظیم قائد، جابر حکمران کے انتقام سے محفوظ

http://www.apnaorg.com

رہے۔ بھٹو کے بارے میں کارکنوں کے جذبات یہ تھے۔

جب میں نے پرستش کی حدوں تک تجھے چاہا
پھر جو بھی حسین ملا میرے معیار سے کم تھا

میں نے روپوشی کے دوران پنجاب کا دورہ کیا اور پارٹی کے کارکنوں سے ملاقات کی۔ ڈاکٹر ظفر نیازی اور چوہدری اصغر علی ایڈووکیٹ کے ذریعے میرا رابطہ بیگم نصرت بھٹو اور محترمہ بے نظیر بھٹو سے برقرار رہا۔ ایک دن ملتان میں پولیس کو میری موجودگی کا علم ہوگیا ملتان پولیس نے لاہور پولیس کو اطلاع دے دی کہ میں بذریعہ طیارہ لاہور پہنچ رہا ہوں پولیس نے لاہور ایئرپورٹ کا محاصرہ کر لیا مگر میں بس کے ذریعے ساہیوال پہنچا اور ایک رات قیام کرنے کے بعد لاہور واپس آیا۔ روپوشی ایک عذاب ہے۔ مارشل لاء انتظامیہ کا خوف و ہراس اس قدر تھا کہ لوگ کسی سیاسی روپوش کو اپنے گھر پر پناہ دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس دوران شیخ صفدر علی سابق ایم پی اے کے صاحبزادے شیخ شاہد علی، واجد علی شاہ اور آغا ندیم منور انجم، اعجاز ملک، رفیق میر خالد بلوچ نے بڑا تعاون کیا اور مختلف جگہوں پر میری اور شیخ رشید کی رہائش کا انتظام کیا اس دوران بیگم نصرت بھٹو نے مجھے کراچی پہنچنے کی ہدایت کی۔ میں بذریعہ ٹرین 70 کلفٹن کراچی پہنچا۔ میری داڑھی کی وجہ سے بیگم صاحبہ مجھے پہچان نہ سکیں۔ انہوں نے مجھے بلدیاتی کونسلروں کے نام ایک خط دیا اور کہا کہ اسے شائع کر کے پنجاب کے تمام کونسلروں کو روانہ کیا جائے اس خط کا متن یہ تھا کہ پاکستان کے بدترین ڈکٹیٹر جنرل ضیاء الحق کو کسی صورت میں اعتماد کا ووٹ نہ دیا جائے جنرل ضیاء الحق بھی جنرل ایوب کی طرح بلدیاتی کونسلروں سے ووٹ لے کر ملک کے آئینی صدر بننا چاہتے تھے مگر بیگم نصرت بھٹو کے بروقت خط نے اس کی سکیم کو ناکام بنا دیا خطوط کی اشاعت اور ترسیل کی مہم میں بیگم عابدہ ملک اور شاہدہ جبین نے تعاون کیا۔

پشاور سے گرفتاری: پولیس نے پنجاب میں جب گھیرا تنگ کیا تو میں کچھ عرصہ کے لئے پشاور چلا گیا۔ شیخ شاہد اور واجد شاہ میرے ہمراہ تھے۔ میں پشاور کے ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ کسی نے میرے پشاور میں قیام کی مخبری کر دی۔ پنجاب سے پولیس انسپکٹر میری گرفتاری کے لئے پشاور پہنچا اور اس نے ہوٹل میں چھاپہ مار کر مجھے گرفتار کر لیا۔ پولیس انسپکٹر مجھے پشاور سٹی تھانہ لے گیا۔ حکومت نے میری گرفتاری کے لئے انعام مقرر کر رکھا تھا اس لئے پولیس انسپکٹر بہت خوش تھا اس نے لاہور فون کر کے اپنے سینئر آفیسر کو میری گرفتاری کی خبر دی اور فون پر کہا "سر مجھے انعام نہیں چاہئے بلکہ مجھے ترقی چاہیے" پشاور تھانہ کا انسپکٹر میری گرفتاری سے خوش نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ مجھے رہا کر دیتا۔ پختون قوم بہت مہمان نواز ہوتی ہے اور نہیں چاہتی کہ ان کے صوبے سے کسی ایسے سیاسی کارکن کو گرفتار کیا جائے جس نے ان کے صوبے میں پناہ لے رکھی ہو۔

پنجاب کے پولیس انسپکٹر نے مجھے حوالات میں بند کرا دیا حوالات میں بستر بھی موجود نہیں تھا۔ پنجابی آفیسر نے اس کی قطعاً پرواہ نہ کی حالانکہ میں سابق ایم پی اے تھا۔ رات کو ایک پٹھان پولیس کانسٹیبل پہرہ دینے کے لئے آیا اس نے مجھ سے میرا جرم دریافت کیا تو میں نے اسے بتایا کہ بھٹو سے محبت اور مارشل لاء سے نفرت میرا جرم ہے۔ پولیس کانسٹیبل یہ سن کر اپنے گھر سے بستر اور کھانا لے آیا۔ مجھے پہلی بار زندگی میں پختون اور پنجابی پولیس کی سوچ اور کردار میں فرق نظر آیا۔ دوسرے روز مجھے ڈپٹی کمشنر پشاور کی عدالت میں ریمانڈ کے لئے پیش کیا گیا۔ پنجاب پولیس انسپکٹر نے سات روز کے لئے عدالتی ریمانڈ لینے کی کوشش کی ڈپٹی کمشنر نے کہا قیدی سیاسی کارکن ہے کوئی ڈاکو نہیں ہے کہ اس کا سات روز کا ریمانڈ دیا جائے اس نے صرف چوبیس گھنٹے کا ریمانڈ دیا۔ مجھے بذریعہ ٹرین پشاور سے لاہور لایا گیا۔ پورے سفر کے دوران مجھے ہتھکڑی لگا کر رکھا گیا اس سفر کے دوران مجھے فیض احمد فیض کے اشعار بہت یاد آئے۔

ایک دن گلبرگ تھانے میں رہا۔ دوسرے دن اے سی نے پولیس کو دو ہفتے کا ریمانڈ دے دیا اور مجھے تفتیش کے لئے شاہی قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ شاہی قلعہ میں دو ہفتے بہت کٹھن گزرے۔ پہلے چند روز مجھے نہ تو بستر مہیا کیا گیا اور نہ ہی صحیح کھانا دیا گیا۔ سردی کا موسم تھا۔ رات کو کمرے کا دروازہ کھلا رکھا جاتا۔ مختلف ایجنسیوں اور پولیس کے چھ سات آفیسر مجھ سے تفتیش کرتے۔ میں بڑے صبر اور ہمت سے ان کے سوالات کے جوابات دیتا۔ سوالات کی نوعیت ایسی تھی جیسے کسی دشمن ملک کے جاسوس کی انکوائری کی جا رہی ہو۔ مجھ سے بیگم نصرت بھٹو اور محترمہ بے نظیر بھٹو کے مستقبل کے پلان کے بارے میں بار بار پوچھتے اور میں لاعلمی کا اظہار کرتا۔ ایک آفیسر نے مجھے الٹا لٹکانے کی دھمکی دی۔ میں نے اسے کہا کہ آپ نے مجھے کوڑے مارے ہیں اس سے زیادہ اور کیا ظلم کر سکتے ہیں۔ سوال و جواب کا سلسلہ رات کے گیارہ بجے تک جاری رہا۔ ایک دن مجھے سیل سے نکال کر ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا اور بجلی بجھا دی گئی۔ دو وحشی نما انسان میرے اردگرد چکر لگانے لگے نصف گھنٹہ تاریکی میں بیٹھا رہا یہ خوف زدہ کرنے کا نفسیاتی طریقہ تھا۔ اس کے بعد مجھے تفتیشی کمرے میں لے جایا گیا مگر خدا نے مجھے بڑا حوصلہ دیا اور میری ثابت قدمی کی وجہ سے پارٹی کا ایک بھی کارکن گرفتار نہ ہوا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو کئی کارکن تشدد کا نشانہ بنتے ایک بار مجھے تہہ خانے لے جایا گیا۔ یہ بھی خوف زدہ کرنے کا ایک حربہ تھا۔ مگر یہ تمام حربے ناکام ہوئے اور تفتیشی آفیسر مجھ سے اخبار میں شائع شدہ خبروں کے علاوہ کچھ نہ پوچھ سکے۔ شاہی قلعہ میں انسان دنیا سے کٹ جاتا ہے وہاں قیدی کو اخبار بھی نہیں دیا جاتا۔ شاہی قلعہ میں قیام کے دوران میرا بھائی اور ماموں میرے لئے دوپہر کا کھانا لے کر آئے پولیس نے انہیں چار گھنٹے تک حراست میں رکھا اور سو سو بیٹھکیں لگوانے کے بعد چھوڑا شاہی قلعہ کے دو ہفتے بڑے اذیت ناک تھے اور سیاسی قیدیوں کو شاہی قلعہ میں رکھنا انسانی حقوق کی انتہائی خلاف ورزی تھی۔ چوہدری اصغر

علی ایڈووکیٹ شاہی قلعہ میں میری ملاقات کے لئے آئے۔ دو ہفتے کے بعد مجھے سمری ملٹری کورٹ میں پیش کیا گیا۔ میرے خلاف الزام یہ تھا کہ میں نے لغاری ہاؤس میں مارشل لاء کے خلاف تقریر کی تھی۔ فاروق لغاری، جہانگیر بدر اور ملک منصور میری طرف سے صفائی کے گواہ کے طور پر پیش ہوئے مگر یہ تو ایک رسمی کارروائی تھی فیصلے اوپر سے آتے تھے۔ سمری ملٹری کورٹ نے مجھے ایک سال قید بامشقت اور تیس ہزار روپے جرمانے کی سزا دی اور مجھے کوٹ لکھپت جیل میں قید کر دیا گیا۔ ان دنوں جیل میں بڑی رونق تھی۔ شاہی قلعہ سے جیل پہنچ کر یوں محسوس ہوا جیسے اپنے گھر واپس آگیا ہوں۔ پاکستان پیپلز پارٹی پنجاب کی پوری قیادت اور سرگرم کارکن کوٹ لکھپت جیل میں قید کاٹ رہے تھے۔ جن میں شیخ محمد رشید، شیخ محمد رفیق، سردار فاروق لغاری، ایس ایم مسعود، ملک معراج خالد، ملک شاہ محمد محسن، جسٹس سعید حسن، جہانگیر بدر، ملک حاکمین، رانا شوکت محمود، ملک منصور، عارف اقبال بھٹی، ملک حاکمین اعجاز ملک، زاہد ملک، مرزا اکرم بیگ، شاہنواز بھٹی، چودھری نذیر، چاچا غلام رسول، جاوید اختر، زوار ملک، رانا فنشا، امین بھٹی، طارق وحید بٹ، میاں جہانگیر، حافظ غلام محی الدین، ندیم اسلم، شاہد محمود ندیم، میاں منیر، ناظم شاہ، میاں احسان الحق، اشتیاق بخاری، حسین نقی، خاور ہاشمی، میاں محمد رفیع اور سینکڑوں دوسرے کارکن شامل تھے۔

لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد دنیا کے کونے کونے سے بھٹو کی جان بخشی کے لئے اپیلیں آرہی تھیں۔ پاکستان کے عوام سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ بین الاقوامی شہرت کے حامل سیاست دان کو پھانسی دے دی جائے گی۔ بھٹو بار بار یہ کہتے رہے کہ خدا کا فضل اور عوام کی طاقت ہی ان کو بچا سکتی ہے۔ پارٹی کے سرکردہ رہنماء عوام کو خوشخبری سنانے کی خبریں دیتے رہے۔ عوام کو کسی تحریک کے لئے ذہنی طور پر تیار نہ کیا گیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے سابق وفاقی اور صوبائی وزراء اور سابق وزرائے اعلیٰ نے جرنیلوں سے سمجھوتہ کر لیا۔ پارٹی کے نامور لیڈر مارشل لاء انتظامیہ سے مل گئے اور انہوں نے فوج کو یقین دہانی کرادی کہ وہ بھٹو کی پھانسی کی صورت میں کسی ردعمل کا اظہار نہیں کریں گے۔ بشرطیکہ ان کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہ کی جائے۔

مارشل لاء انتظامیہ کے پاس وفاقی وزراء کی وہ فائلیں موجود تھیں جو بھٹو نے اس لئے تیار کی ہوئی تھیں کہ جب کوئی وفاقی وزیر بے وفائی کرے تو اس کا نامۂ اعمال اسے دکھا دیا جائے افسوس کہ یہ سارا ریکارڈ خود بھٹو کے خلاف کام آیا حقیقت یہ ہے کہ اگر وفاقی وزیر اور وزرائے اعلیٰ جرأت کا مظاہرہ کرتے اور عوام کو قیادت مہیا کرتے تو فوج کبھی بھٹو کو پھانسی دینے کی جرأت نہ کرتی۔

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

امریکہ کے وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے بھٹو کو "خوفناک مثال" بنانے کی دھمکی دی تھی۔ 4 اپریل 1979ء کی رات کو فوج کے جرنیلوں نے اس دھمکی پر عملدرآمد کر دیا۔ جیل میں سب اسیران نے بھٹو کی

شہادت کی خبر بڑی اذیت اور کرب سے سنی۔

مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

بھٹو کے پروانے سکتے کے عالم میں چلے گئے۔ کئی دن تک غم کی کیفیت طاری رہی۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے لئے یہ ایک بہت بڑا سانحہ تھا۔ اگر بیگم نصرت بھٹو اور محترمہ بے نظیر بھٹو کی قیادت میسر نہ ہوتی تو پارٹی ریزہ ریزہ ہوجاتی ایک بیوہ اور یتیم لڑکی جنہیں خود حوصلے کی ضرورت تھی انہوں نے قوم کو حوصلہ دیا اور بھٹو کے غم کو عزم میں بدل دیا۔ بھٹو کی شہادت کی خوشبو پورے ملک میں پھیل گئی۔ پورے ملک میں شہادت کے خلاف شدید ردعمل ہوا۔ سب سے زیادہ ردعمل مقبوضہ کشمیر میں ہوا جہاں پر ایک احتجاجی مظاہرے کے دوران آٹھ کشمیری ہلاک ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ مارشل لاء انتظامیہ نے پھانسی سے پہلے بڑی مہارت سے یہ پروپیگنڈا کیا تھا کہ بھٹو کو تختہ دار پرنہیں چڑھایا جاسکتا۔ پاکستان کے عوام اس پروپیگنڈے کا شکار ہوگئے اگر ان کو علم ہوتا کہ فوج کے جرنیل اس انتہائی اقدام سے گریز نہیں کریں گے تو وہ اپنے محبوب قائد کی جان بچانے کے لئے ضرور باہر نکلتے۔ جب کوئی قوم سنگین غلطی کرتی ہے تو اسے سنگین نتائج بھی بھگتنا پڑتے ہیں۔

بھٹو کی قیادت میں پاکستان ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن تھا۔ قوم میں یکجہتی مستحکم ہورہی تھی پاکستان کے بڑے آئینی، سیاسی اور معاشی قومی مسائل افہام وتفہیم سے حل ہورہے تھے۔ پاکستان عالمی سطح پر ایک ممتاز اور اہم مقام حاصل کررہا تھا مگر بھٹو کی شہادت کے بعد پاکستان مسلسل آئینی سیاسی اور معاشی بحران سے گزر رہا ہے۔ ہیروئن اور کلاشنکوف کلچر نے مادر وطن کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ علیحدگی پسند تحریکیں زور پکڑ گئی ہیں۔ ایم کیو ایم طویل مارشل لاء کی پیداوار ہے جس نے کراچی جیسے اہم بین الاقوامی تجارتی شہر کا سکون چھین لیا ہے۔ سیاست تجارت بن گئی ہے۔ بھٹو کی قیادت میں پاکستان ایک خوبصورت ملک تھا۔ لوگ مایوس اور بے چین نہ تھے۔ لاکھوں کی تعداد میں پاکستانی نوجوان بیرونی ممالک سے زرمبادلہ اپنے خاندانوں کے لئے روانہ کررہے تھے۔ قوم پر اُمید تھی مگر آج پاکستان کے عوام مایوسی، بے یقینی اور بداعتمادی کا شکار ہیں۔ جس طرح حضرت حسینؓ کی شہادت کا خمیازہ آج تک پورا عالم اسلام بھگت رہا ہے۔ اسی طرح بھٹو کی شہادت کا خمیازہ پاکستان اور تیسری دنیا کے عوام آج تک بھگت رہے ہیں۔

جیل سے رہائی: سمری ملٹری کورٹ کے فیصلے کے خلاف میں نے لاہور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کررکھی تھی جو جسٹس ذکی الدین پال کی عدالت میں زیر سماعت تھی جب میں اپنی سزا کے چھ ماہ مکمل کر چکا تو عدالت نے سمری ملٹری کورٹ کے فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا اور میری رہائی کا حکم صادر فرمایا۔

http://www.apnaorg.com

اسی اثناء میں بیگم نصرت بھٹو نے نوڈیرو میں پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کا اجلاس طلب کیا جو تین روز جاری رہا۔ میں پہلے روز نہ پہنچ سکا۔ اشتیاق بخاری نے مجھے بتایا کہ بیگم نصرت بھٹو نے لاڑکانہ ریلوے سٹیشن پر میرے لئے کار بھیج رکھی تھی اور ڈرائیور کو حکم تھا کہ قیوم نظامی کے سوا کسی اور کو کار میں نہ بٹھایا جائے۔ میں دوسرے روز نوڈیرو پہنچا اور اجلاس میں شرکت کی۔ لاہور میں سی آئی ڈی والے جیپ اور سکوٹر پر میرا تعاقب کرتے رہے ان دنوں میں مارشل لاء انتظامیہ کے لئے بڑا خطرناک مجرم تھا۔ مارشل لاء انتظامیہ کے اہلکار کہتے تھے کہ وہ بڑے لیڈروں سے تو بڑی آسانی سے نپٹ سکتے ہیں مگر نوجوان قیادت کو قابو کرنا ان کے لئے بہت مشکل ہوگیا ہے۔

بم کیس میں ملوث: میری رہائی کے کچھ عرصہ بعد مجھے نام نہاد بم کیس میں ملوث کر کے دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اور کیمپ جیل لاہور میں رکھا گیا میرا اس بم کیس سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کیس میں زاہد فارانی ایڈووکیٹ، سعیدہ شیخ، فریدہ شیخ، رجب علی، خالد مسعود، قیصر مصطفیٰ اور اشرف ناز ملوث تھے۔

ان میں سے کئی "ملزمان" کی ضمانتیں ہوچکی تھیں جبکہ زاہد فارانی، سعیدہ شیخ اور فریدہ شیخ پاکستان سے باہر جانے میں کامیاب ہوگئے۔ سمری ملٹری کورٹ کو میری ضمانت بھی لینا پڑی مگر مجھے ذہنی اذیت میں مبتلا رکھنے کے لئے چھ ماہ تک عدالت میں مقدمہ کی سماعت جاری رہی ہفتہ میں دوبار سمری ملٹری کورٹ میں پیش ہونا پڑتا۔ آخر کار حکومت کو یہ نام نہاد بم کیس ختم کرنا پڑا۔ سینئر وکیل اصغر خادم نے فیس کے بغیر میرے کیس کی پیروی کی اکتوبر 1979ء میں جب مارشل لاء انتظامیہ نے دوسری بار انتخابات ملتوی کر کے سیاسی پارٹیوں کو کالعدم قرار دے دیا تو مجھے بھی دیگر سیاسی رہنماؤں کے ساتھ مارشل لاء آرڈر کے تحت جیل میں نظر بند کیا گیا نظر بندی تین ماہ کی تھی ہمیں اس شرط پر رہا کرنے کی پیشکش کی گئی کہ ہم تحریری بانڈ دیں کہ آئندہ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیں گے سب اسیران نے اس بانڈ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اس طرح سیاسی نظر بندوں کو نظر بندی کی مدت پوری کرنا پڑی۔

ایم آر ڈی کا قیام: فروری 1981ء میں ایم آر ڈی کا مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا جس پر پی پی پی سمیت نو سیاسی جماعتوں نے دستخط کئے۔ حکومت نے بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمام سیاسی رہنماؤں کی نظر بندی کے احکامات جاری کر دیئے، پولیس جب مجھے گرفتار کرنے آئی تو میں اپنے گھر الماری کے اندر چھپ گیا اور پولیس سارے گھر کی تلاشی لے کر چلی گئی گرفتاری سے گریز کا مقصد یہ تھا کہ ایم آرڈی کو منظم کیا جائے۔ بیگم نصرت بھٹو اور محترمہ بے نظیر بھٹو گرفتار ہوچکی تھیں۔ بیگم نصرت بھٹو کو میاں محمود علی قصوری کی رہائش گاہ پر دیگر ایک سو سیاسی کارکنوں کے ہمراہ گرفتار کیا گیا بیگم نصرت بھٹو ایم آرڈی کے اجلاس میں شرکت کے لئے برقعہ پہن کر کراچی سے لاہور پہنچیں۔ ایم آر ڈی کے قیام سے جنرل ضیاء الحق بالکل بوکھلا چکے تھے اور وہ ملک چھوڑنے کا فیصلہ بھی کر چکے تھے ایم آر ڈی کی تحریک

اپنے عروج پر پہنچ رہی تھی۔ پورے ملک کے سیاسی کارکنوں میں ایک نیا جوش و خروش پیدا ہو چکا تھا کہ سلام اللہ ٹیپو نے پی آئی اے کا ایک طیارہ اغواء کر لیا جس نے ایم آر ڈی کی تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا کوئی سیاسی جماعت ایسی مہم جوئی نہیں کر سکتی تھی یقیناً یہ کارروائی خفیہ ایجنسیوں نے ایم آر ڈی کی تحریک کو ناکام بنانے کے لئے کرائی تھی۔ طیارے کے اغواء کے بعد پی پی کے کارکنوں پر بے پناہ تشدد کیا گیا۔ اس وقت پارٹی کی قیادت شیخ محمد رشید کے ہاتھ میں تھی۔ ہم روپوش رہ کر ایم آر ڈی کو منظم کرتے رہے۔

مختلف شہروں میں خفیہ اجلاس ہوتے رہے۔ ان حالات میں روپوش رہنا بھی ایک عذاب تھا لوگ خوفزدہ تھے۔ شیخ رشید اور میری گرفتاری کے لئے حکومت بڑی بے تاب تھی۔ انہوں نے مختلف جگہوں پر چھاپے مارے۔ ہم نے لاہور میں مختلف گھروں میں قیام کیا۔ جب لاہور میں رہنا ممکن نہ رہا تو راولپنڈی چلے گئے ان مشکل حالات میں کشمیریوں کے ممتاز رہنماء چوہدری نور محمد نے ہمارا بڑا ساتھ دیا انہوں نے ہمیں کئی روز اپنے گاؤں میں رکھا تحریک استقلال کے راہنماؤں نے بھی کافی تعاون کیا۔ میاں منظر مسعود نے بھی کئی روز اپنے عزیز کے گھر میں پناہ دی۔ سیالکوٹ میں چوہدری یوسف اور بیرسٹر محمد امین کے گھروں میں کئی روز گزارے۔ چند دن رفیق دھدرا کے گھر کامونکی میں بھی رہے۔ ایم آر ڈی کو منظم کرنے کے لئے دن رات محنت کی۔ ایم آر ڈی کے ڈیکلیئریشن پر جن سیاسی رہنماؤں نے دستخط کئے ان میں نوابزادہ نصر اللہ خاں، بیگم نصرت بھٹو، میاں محمود علی قصوری (تحریک استقلال)، خواجہ خیر الدین (پاکستان مسلم لیگ)، سردار عبدالقیوم (مسلم کانفرنس)، مولانا فضل الرحمٰن، معراج محمد خان، فتحیاب علی خان (مزدور کسان پارٹی) اور شیر باز خان مزاری (این ڈی پی) شامل تھے۔ مشترکہ اعلامیہ کا متن یہ تھا۔

''ہم زیر دستخطیان مختلف سیاسی وابستگیوں کے باوجود محسوس کرتے ہیں کہ یہ ہماری مشترکہ اخلاقی ذمہ داری اور قومی فریضہ ہے کہ قوم کو موجودہ حالات کی سنگینی سے خبردار کریں جن کی بناء پر وفاق پاکستان کے وجود کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ ہمارا یہ پختہ یقین ہے کہ پاکستان اور مارشل لاء ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ پہلے جنرل یحییٰ خان کے مارشل لاء نے پاکستان کو دولخت کیا اور مشرقی حصہ ہم سے الگ ہو گیا۔ اب ضیاء الحق کے مارشل لاء کے نتیجے میں ایک دفعہ پھر وفاق پاکستان کے وجود کو زبردست خطرہ درپیش ہے۔ موجودہ بحران اس قدر شدید اور سنگین ہے کہ اسے صرف پورے ملک کے عوام کی حمایت اور ان کے ووٹ سے منتخب شدہ حکومت کی قیادت میں اجتماعی جدوجہد سے ہی حل کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ضیاء الحق اقتدار سے دستبردار ہو جائے اور مارشل لاء فوری طور پر ختم کرے ورنہ انہیں عوام کے ناقابل شکست عزم و ہمت کے ذریعے ہٹا دیا جائے گا۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ تین ماہ کے اندر اندر 1973ء کے متفقہ آئین کے مطابق قومی وصوبائی اسمبلیوں کے آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کرائے جائیں اور اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کیا جائے۔ نیز وفاقِ پاکستان کے چاروں صوبوں کے حقوق بحال کئے جائیں اور ان کو پورا پورا تحفظ دیا جائے۔"

ایم آر ڈی کی تحریک کے دوران مختلف سیاسی جماعتوں کے کارکنوں نے بے مثال قربانیاں دیں۔ شیخ محمد رشید نے مجھے ہدایت کی کہ میں یحیٰ بختیار اور غلام مصطفیٰ جتوئی سے کوئٹہ اور کراچی جا کر ملاقات کروں اور ان سے کہوں کہ اگر شیخ محمد رشید گرفتار ہو جائیں تو ان میں سے ایک پی پی کے قائم مقام چیئرمین ہوں گے۔ میں نے اپنے چہرے کو چھپانے کے لئے داڑھی رکھ لی تھی سر پر ٹوپی پہن رکھی تھی اور نظر کی عینک لگا رکھی تھی۔ بذریعہ ٹرین کوئٹہ پہنچا اور یحیٰ بختیار کی رہائش گاہ پر گیا مجھے دیکھ کر یحیٰ بختیار پریشان ہو گئے۔ انہوں نے صحت کی خرابی کی بناء پر قائم مقام چیئرمین کا عہدہ سنبھالنے سے معذوری ظاہر کر دی۔ کوئٹہ سے بذریعہ ٹرین کراچی پہنچا اور غلام مصطفیٰ جتوئی سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی۔ جتوئی صاحب نے یہ پیشکش قبول کر لی۔ کراچی میں قیام کے دوران پارٹی کے قائدین اور سیاسی کارکنوں سے ملاقات کی۔ کراچی جیل میں اسیران سے ملاقات کی۔ خدا کے فضل اور جذبے کی سچائی کی وجہ سے گرفتاری سے محفوظ رہا۔ اس دوران محترمہ بے نظیر بھٹو نے مجھے بہت اہمیت دی اور پارٹی کے تمام فیصلے میرے مشورے سے کئے۔ افضل سندھو کو میری سفارش پر پنجاب پیپلز پارٹی کا قائم مقام صدر نامزد کیا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو اور بیگم نصرت بھٹو کی ذوالفقار علی بھٹو سے جیل کے اندر باقاعدگی سے ملاقاتیں ہوتی رہیں جن میں سیاسی تنظیمی اور آئینی امور زیر بحث آتے رہے۔ بھٹو جیل سے پی پی کی قیادت کرتے رہے اور اپنے خلاف مقدمہ قتل کے سلسلے میں ہدایات جاری کرتے رہے ایک ملاقات میں بھٹو نے بے نظیر سے کہا کہ وہ زندگی بھر اپنے مقدس مشن کی تکمیل کے لئے جدوجہد کرتے رہے ہیں مگر ان کا مشن ادھورا رہا کیونکہ وہ پاکستان کے سب عوام کو روٹی کپڑا اور مکان کی سہولتیں فراہم نہ کر سکے اور ان کا خواب پورا نہ ہو سکا۔ بھٹو نے اپنی بیٹی بے نظیر سے اپنے مشن کی تکمیل کا وعدہ لیا۔ بھٹو کی پھانسی سے پہلے پی پی پی کے مرکزی صوبائی اور سرگرم کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ بے نظیر بھٹو اور بیگم بھٹو کو سہالہ ریسٹ ہاؤس میں نظر بند کیا گیا تاکہ پھانسی کے بعد احتجاجی تحریک کے امکانات نہ رہیں۔

http://www.apnaorg.com

بے نظیر کی قیدی بھٹو سے آخری ملاقات

محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے پاپا بھٹو سے موت کی کوٹھڑی سے آخری ملاقات کا حال بیان کیا ہے

''میں 2 اپریل کی صبح فوج کی طرف سے فراہم کردہ چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی جب میری والدہ اچانک کمرے میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے میرے گھریلو نام سے پکارا ''پنکی'' یہ ایسا لمحہ تھا کہ میرا تمام جسم اکڑ گیا۔ ''باہر فوجی افسران کا کہنا ہے کہ ہم دونوں آج تمہارے والد سے ملاقات کر لیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟''

مجھے مکمل فہم تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ اسی طرح میری والدہ بھی جانتی تھیں۔ لیکن ہم دونوں اس بات کا اعتراف کرنے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ یہ دن عمومی طور پر میری والدہ کی ملاقات کا دن تھا انہیں ہفتے میں ایک بار ملنے کی اجازت تھی۔ میری ملاقات ہفتے کے آخر میں متعین تھی۔ اب وہ ہم دونوں کو اکٹھے ملاقات کے لئے جانے کو کہہ رہے تھے اس کا مطلب تھا کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔ ضیاء نے میرے والد کے قتل کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میرا ذہن تیزی سے حرکت میں آ گیا۔ میں نے سوچا ہمیں ملک سے باہر عالمی رائے عامہ اور اپنے عوام تک یہ خبر فوراً پہنچانا چاہئے۔ وقت ہاتھوں سے نکلتا جا رہا تھا کہ میں نے والدہ کو کہا کہ انہیں بتا دیں ''کہ میری طبیعت ناساز ہے۔ البتہ اگر یہ آخری ملاقات ہے تو میں جانے کے لئے تیار ہوں'' جب میری والدہ گارڈز کے ساتھ بات کرنے کے لئے گئیں میں نے جلدی میں پہلے سے تحریر شدہ پیغام لفافے میں سے نکالا اور نیا تحریر کر دیا۔ میں نے جلدی جلدی اپنی دوست کے لئے ایک نیا پیغام رقم کیا ''میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں آخری ملاقات کے لئے لے جا رہے ہیں تم فوراً غیر ملکی سفیروں تک یہ پیغام پہنچاؤ۔ اس کے ساتھ ساتھ عوام کو متحرک کرو کہ وہی ہماری آخری اُمید ہیں۔''

''فوراً یہ لفافہ یاسمین تک لے جاؤ'' میں نے اپنے وفادار ملازم ابراہیم کو بتایا یہ جانتے ہوئے کہ میں ایک خطرہ مول لے رہی ہوں۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ کسی ایسے پہرہ دار کی ڈیوٹی کا انتظار کرتا جو طبعاً سُست ہو یا ہمارا ہمدرد بھی۔ اس کی تلاشی کا امکان تھا اور اس کا تعاقب بھی کیا جا سکتا تھا۔ وہ پوری طرح احتیاطی تدابیر شاید اختیار نہ کر سکے۔ خطرہ تو تھا مگر اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ ''ابراہیم جاؤ'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''پہرہ داروں کو بتاؤ تم میرے لئے دوائی لینے جا رہے ہو'' وہ فوراً بھاگ کھڑا ہوا، میں نے کھڑکی میں سے باہر جھانکا اور دیکھا کہ مارشل لاء کے اہلکار آپس میں

http://www.apnaorg.com

صلاح مشورہ کر رہے تھے وائرلیس سیٹ پر انہوں نے پیغام ارسال کیا کہ "میری طبیعت ناساز ہے اور میں نہیں جاسکتی" اب انہیں حکام کے احکامات کا انتظار تھا۔ اس افراتفری میں ابراہیم گیٹ تک پہنچ چکا تھا۔ "مجھے بے نظیر صاحبہ کے لئے دوائی لینا ہے" پہرہ دار جو میری ناسازئ طبع کے متعلق سن چکے تھے انہوں نے ابراہیم کو نہیں روکا اور وہ معجزانہ طور پر باہر نکل گیا۔ چند منٹ بعد میری والدہ میرے کمرے کے اندر آگئی۔ میرے ہاتھ مسلسل کپکپا رہے تھے مجھے یقین نہیں کہ میرا پیغام یاسمین تک پہنچ جائے گا۔

دریچے سے باہر وائرلیس سیٹ کھڑکھڑا اٹھے حکام نے میری والدہ کو بتایا کہ چونکہ ان کی بیٹی کی طبیعت ناساز ہے اس لئے دونوں کی ملاقات اگلے روز ہوگی۔ ہمیں اب اپنے والد کی جان بچانے کے لئے مزید 24 گھنٹے مل گئے تھے۔ ابراہیم کے باہر جانے کے بعد صحن کے بڑے دروازے فوراً بند کر دیئے گئے اور ہمیں کسی بری خبر کا منتظر ہونا پڑا۔

لڑنا ہے ہمیں بہر صورت والد کی زندگی بچانے کی جنگ لڑنا ہے، مگر کیسے؟ ان کی زندگی کے لحات دھیرے دھیرے کم ہو رہے تھے۔ اس کا بھی ہمیں احساس تھا، کیا ہمارا پیغام مل چکا ہوگا؟ کیا لوگ بندوقوں اور سنگینوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے؟ جن کا اب تک وہ مقابلہ بے جگری سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ ان کی رہنمائی کون کرے گا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے لیڈروں کی اکثریت جیلوں میں قید تھی اسی طرح عوام الناس میں ہمارے ہمدرد بھی جیلوں میں بند تھے اور ان میں پہلی دفعہ کثیر تعداد عورتوں کی بھی شامل تھی۔ لاتعداد لوگ آنسو گیس کا شکار ہوئے۔ انہوں نے کوڑے کھائے صرف اس بات پر کہ انہوں نے میرے والد کا نام بلند آواز سے پکارا تھا۔ ان کے نیم برہنہ جسموں پر کوڑوں کے نشان اب تک ثبت ہیں۔ کیا لوگ ہماری آخری آواز پر لبیک کہیں گے؟ کیا یہ آواز ان تک پہنچ بھی سکے گی؟

سوا آٹھ بجے شب میں نے اور میری والدہ نے بی بی سی کی ایشیاء رپورٹ سننے کے لئے ریڈیو آن کیا۔ میرے جسم کا ریشہ ریشہ اکڑ چکا تھا۔ میں متوقع خبر سننے کے لئے متوجہ ہوئی جب بی بی سی نے رپورٹ دی کہ میں نے حراست سے ایک پیغام ارسال کیا ہے کہ کل 3 اپریل کو والد کے ساتھ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔ پیغام تو نشر ہوا لیکن عوام الناس کو احتجاج میں اٹھنے کی جو کال ہم نے دی تھی وہ بی بی سی کے اعلان نامہ میں مفقود تھی۔ اس کے برعکس بی بی سی نے رپورٹ کیا کہ اس خبر کی کوئی تصدیق جیل سپرنٹنڈنٹ سے نہیں ہوئی بلکہ میرے والد ہی کے ایک سابق وزیر کا حوالہ دیا گیا جس میں کہا گیا "وہ بلا وجہ تشویش میں مبتلا ہوگئی ہے" میری والدہ اور مجھ میں ایک دوسرے کو دیکھنے کی بھی سکت نہ رہی۔ ہماری آخری اُمید گل ہوگئی۔ اگلے روز ایک تیز رفتار جیپ میں ہمیں جیل پہنچا دیا گیا۔ حفاظتی افواج کے پیچھے خوف زدہ لوگوں کا ہجوم تھا جنہیں اپنے وزیر اعظم کی قسمت کے متعلق کوئی خبر نہیں تھی، جیل کی میٹرن نے میری والدہ اور میری تلاشی لی، ایک مرتبہ جب ہم سہالہ کے قید خانہ سے روانہ ہوئیں

اور دوسری مرتبہ جب ہم راولپنڈی سنٹرل جیل پہنچیں۔

''آج تم دونوں اکٹھی یہاں کیوں آئی ہو؟'' میرے والد نے اپنی کال کوٹھڑی کی دوزخ سے آواز دی۔

میری والدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

''کیا یہ آخری ملاقات ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

میری والدہ جواب دینے کا یارا نہیں رکھتی تھیں۔

''میرا خیال ہے ایسا ہی ہے'' میں نے جواب دیا۔

وہ جیل سپرنٹنڈنٹ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو پاس ہی کھڑا ہے (یہ لوگ ہمیں پاپا کے ساتھ تنہا چھوڑنے پر کبھی تیار نہیں ہوئے۔)

''کیا یہ آخری ملاقات ہے؟'' میرے والد اسے پوچھتے ہیں۔

''ہاں'' جواب میں جیلر کہتا ہے جیل سپرنٹنڈنٹ حکومت کا یہ پیغام دیتے ہوئے شرمسار محسوس ہوتا ہے۔

''کیا تاریخ کا تعین ہوگیا ہے؟''

''کل صبح'' جیل سپرنٹنڈنٹ کا جواب ہے۔

''کتنے بجے؟''

''جیل قواعد کے مطابق صبح پانچ بجے''۔

''یہ اطلاع تمہیں کب ملی؟''

''کل رات'' اس نے رکتے رکتے جواب دیا۔

میرے والد اسے نظر بھر کے دیکھتے ہیں۔

''اپنے اہل وعیال سے ملاقات کا کتنا وقت دیا گیا ہے''۔

''نصف گھنٹہ''

''جیل قواعد کے مطابق ہمیں ایک گھنٹہ ملاقات کا حق ہے'' وہ کہتے ہیں۔

''صرف نصف گھنٹہ'' سپرنٹنڈنٹ دہراتا ہے۔''یہ میرے احکامات ہیں۔''

''غسل اور شیو کرنے کے لئے انتظامات کرو'' میرے والد اسے کہتے ہیں۔''دنیا خوبصورت ہے اسے میں اسی حالت میں الوداع کہنا چاہتا ہوں''

''صرف نصف گھنٹہ'' اس شخص سے ملاقات کے لئے......صرف نصف گھنٹہ جو مجھے زندگی کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے سینے میں درد سے گھٹن محسوس ہوتی ہے مجھے رونا نہیں چاہئے مجھے اپنے ہوش بھی نہیں کھونے چاہئیں کیونکہ اس طرح میرے والد کی اذیت بڑھ جائے گی۔

http://www.apnaorg.com

وہ فرش پر پڑے گدے پر بیٹھے ہوئے ہیں ان کی کوٹھڑی میں اب صرف یہی فرنیچر باقی رہ گیا ہے جیل حکام کرسی اور میز لے جا چکے ہیں چارپائی بھی وہاں سے اٹھائی جا چکی ہے میگزین اور کتابیں جو میں پاپا کے لئے لاتی رہی تھی وہ میرے حوالے کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''انہیں لے جاؤ میں نہیں چاہتا یہ لوگ میری کسی چیز کو ہاتھ لگائیں''۔

وہ چند سگار جو ان کے وکلاء وہاں چھوڑ گئے تھے میرے حوالے کرتے ہیں......میں آج شب کے لئے صرف ایک رکھ لیتا ہوں۔ شالیمار کولون کی شیشی بھی رکھ لیتے ہیں۔ وہ اپنی انگوٹھی بھی مجھے دینا چاہتے ہیں لیکن میری والدہ انہیں کہتی ہیں ''اسے پہنے رکھیں'' وہ کہتے ہیں ''اچھا ابھی میں رکھ لیتا ہوں لیکن بعد میں بے نظیر کے حوالے کر دی جائے''۔

''میں نے ایک پیغام باہر کی دنیا تک پہنچا دیا ہے'' میں نے بہت آہستہ سے انہیں بتایا (جیل کے حکام میری آواز سننے کی کوشش کرتے ہیں)

میں تفصیلات بتاتی ہوں وہ اطمینان محسوس کرتے ہیں ''یہ سیاست کے اسرار و رموز میں ماہر ہو چکی ہے'' ان کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہوتا ہے۔ موت کی کوٹھڑی میں روشنی مدھم سی ہے میں انہیں صاف طور پر نہیں دیکھ سکتی۔ اس سے قبل ہر ملاقات کوٹھڑی میں ان کے پاس بیٹھ کر ہوتی رہی لیکن آج ایسا نہیں ہے۔ کوٹھڑی کے باہر دروازے کی سلاخوں کے ساتھ میں اور میری والدہ سکڑ کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ باتیں کھسر پھسر کے انداز میں کرتے ہیں۔ ''دوسرے بچوں کو میرا پیار دینا'' وہ میری ممی سے کہتے ہیں۔ ''میر، سنی، اور شاہ کو بتانا میں نے ہمیشہ ایک اچھا باپ بننے کی کوشش کی اور میری خواہش ہے کہ کاش انہیں بھی الوداع کہہ سکتا'' میری والدہ سر ہلاتی ہیں منہ سے کچھ نہیں بول سکتیں۔

''تم دونوں نے بہت تکالیف اٹھائی ہیں'' وہ کہتے ہیں ''وہ آج مجھے قتل کرنے جا رہے ہیں۔ میں تمہیں تمہاری مرضی پر چھوڑتا ہوں اگر چاہو تو یورپ چلی جاؤ میری طرف سے اجازت ہے''۔

(ہمارے دل ٹوٹ رہے ہیں) ''نہیں، نہیں'' ممی کہتی ہیں۔ ''ہم نہیں جا سکتے'' ہم کبھی نہیں جائیں گے جرنیلوں کو کبھی یہ تاثر نہیں دیں گے کہ وہ جیت چکے ہیں۔ ضیاء نے انتخابات کا دوبارہ پروگرام بنایا ہے اگرچہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ ایسا کرنے کی جرأت بھی کرے گا یا نہیں......ہم باہر چلی جائیں تو پارٹی کی رہنمائی کے لئے کوئی نہیں ہوگا اور یہ پارٹی ہے جس کی آپ نے بنیاد رکھی اور پروان چڑھایا۔

''اور تم پنکی!'' میرے والد پوچھتے ہیں۔

''میں بھی کبھی نہیں جا سکتی'' میرا جواب ہے۔

وہ مسکراتے ہیں۔ ''میں بہت خوش ہوں......تم نہیں جانتی مجھے تم سے کتنا پیار ہے۔''

''تم میری لعل ہو اور ہمیشہ ہی رہی ہو۔''

''وقت ختم ہو چکا'' سپرنٹنڈنٹ پکارتا ہے۔ ''وقت ختم ہو چکا''۔

میں سلاخوں کو پکڑ لیتی ہوں۔
''برائے مہربانی کوٹھڑی کا دروازہ کھول دو میں اسے کہتی ہوں میں اپنے پاپا کو الوداع کہنا چاہتی ہوں۔''
سپرنٹنڈنٹ انکار کر دیتا ہے۔
میں دوبارہ التجا کرتی ہوں ''میرے والد پاکستان کے منتخب وزیراعظم ہیں۔ میں ان کی بیٹی ہوں یہ ہماری آخری ملاقات ہے مجھے ان سے مل لینے دو۔''
سپرنٹنڈنٹ انکار کر دیتا ہے۔
سلاخوں کے درمیان سے میں اپنے والد کے جسم کو چھونے کی کوشش کرتی ہوں۔ وہ اس قدر نحیف و ناتواں ہو چکے ہیں ملیریا، پیچش اور ناکافی خوراک کھانے کی وجہ سے جسم بالکل نحیف اور پتلا ہو چکا ہے۔ لیکن وہ سیدھا اٹھ بیٹھے ہیں۔ اور میرے ہاتھ کو چھو لیتے ہیں۔
''آج شب آلامِ دُنیا سے آزاد ہو جاؤں گا'' چہرے پر ایک چمکتی روشنی لئے کہتے ہیں۔ ''میں اپنی والدہ اور اپنے والد کے پاس چلا جاؤں گا۔'' ''میں لاڑکانہ میں اپنے اجداد کی زمینوں کی طرف واپس جا رہا ہوں تاکہ اس سرزمین کا، اس کی خوشبو اور اس کی فضا کا حصہ بن جاؤں''
''خلق خدا میرے بارے میں گیت گائے گی میں اس کی کہانیوں کا جاوداں حصہ بن جاؤں گا۔''
وہ مسکراتے ہوئے کہتے ہیں ''لیکن لاڑکانہ میں آج کل بہت گرمی ہے۔''
''میں وہاں ایک سائبان تعمیر کر دوں گی'' میں بمشکل کہہ سکی۔ جیل حکام آگے بڑھتے ہیں۔
''الوداع پاپا'' میں والد کی طرف دیکھ کر پکار اٹھتی ہوں اور میری ممی سلاخوں میں سے ان کو چھو لیتی ہیں۔ ہم گرد آلود صحن میں سے گزرتے ہیں۔ میں مڑ کر پیچھے دیکھنا چاہتی ہوں لیکن حوصلہ نہیں پڑتا۔ مجھے معلوم ہے میں ضبط نہیں کر سکوں گی۔ ''ہم جب پھر ملیں گے اس وقت تک خدا حافظ'' مجھے ان کی آواز سنائی دیتی ہے۔
تاہم میں چل پڑتی ہوں۔ مجھے چلنے کا مطلق احساس نہیں ہو رہا ہے۔ میں پتھر بن چکی ہوں جیل حکام ہمیں جیل وارڈ کے اندر واپس لے جاتے ہیں۔ صحن میں فوجیوں کے متعدد ٹینٹ ایستادہ ہیں میں مدہوشی کے عالم میں چلی جا رہی ہوں صرف اپنے سر کی موجودگی کا احساس ہے۔ سربلند رہنا چاہئے وہ لوگ ہماری طرف متوجہ ہیں۔
مقفل دروازوں کے اندر کار ہماری منتظر ہے تاکہ باہر ہجوم ہمیں دیکھ نہ سکے۔ میرا جسم اس قدر بوجھل ہو گیا ہے کہ کار کے اندر داخل ہونا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے کار دروازوں کے بیچ سے تیزی سے حرکت کرتی ہے اسے دیکھتے ہی ہجوم کے ایک سرے پر کھڑی اپنی دوست یاسمین پر اچانک میری نظر پڑتی ہے جس کے ہاتھ میں والد کو دینے کے لیے خوراک کا ایک ٹفن ہے۔ ''یاسمین وہ آج رات انہیں مار دیں گے'' میں کار کے شیشوں میں چلائی ''کیا اس نے میری آواز سنی'' کیا میں نے کوئی آواز نکالی بھی یا نہیں''...... کیا کہہ سکتی ہوں۔

بُلھیا اساں مرنا ناہیں گور پیا کوئی ہور

http://www.apnaorg.com

بھٹو کی پھانسی

(جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا)

''یا اللہ مدد میں بے قصور ہوں'' پھانسی تختہ پر کھڑے ذوالفقار علی بھٹو نے نظریں آسمان کی جانب اٹھا کر کہا 3 اپریل 1979ء کو جب بیگم بھٹو اور بے نظیر آخری ملاقات کے لیے جیل آئیں تو بھٹو کو علم ہو گیا تھا کہ رات کو انہیں پھانسی دی جائے گی۔ پھانسی کی رات بھٹو نے شیو کی سفید شلوار قمیض پہنی زندگی کا آخری سگار پیا اور خواب آور گولی کھا کر سو گئے۔ رات کو دیر تک جاگنے کی عادت تھی دو بجے سوئے ساڑھے تین بجے جیل کے سٹاف نے بھٹو کو سٹریچر پر ڈال لیا۔ جیل کی صعوبتیں انہوں نے بہادری سے برداشت کیں مگر ان کا وزن کم ہو چکا تھا۔ جب ان کو موت کی کوٹھڑی سے باہر لایا گیا تو ہوا لگنے سے ان کی غنودگی کم ہوئی اور ان کو احساس ہوا کہ انہیں پھانسی گھاٹ کی جانب لے جایا جا رہا ہے وہ کوشش کر کے سٹریچر سے نیچے اتر آئے اور پیدل چلنے لگے۔ وہ سب سے آگے چل رہے تھے جیل کا سٹاف اور فوجی آفیسران کے پیچھے تھے۔ بھٹو پھانسی گھاٹ میں داخل ہوئے چند سیڑھیاں چڑھ کر پھانسی کے تختہ پر پورے قد کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ عینی شاہد کے مطابق آخری منظر سے یوں لگ رہا تھا جیسے بھٹو چبوترے پر کھڑے سلامی لے رہے ہیں اور باقی سب افراد مؤدب کھڑے ہیں بھٹو نے آسمان کی جانب دیکھا اور کہا ''یا اللہ مدد میں بے قصور ہوں'' پھر اس کے بعد تارا مسیح نے رسی کھینچ دی۔ بھٹو کی روح پرواز کر گئی مگر ان کا رشتہ اور تعلق عوام سے ختم نہ کیا جا سکا۔ وہ مر کر اَمر ہو گئے اور قوم پرستی حُب الوطنی، حریت پسندی اور عوام دوستی کی علامت بن گئے۔ ان کی آخری خواہش پوری ہوئی بھٹو اپنی آخری خواہش کے مطابق آج بھی تاریخ کے سینے اور عوام کے دلوں میں زندہ ہیں۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

جنرل ضیاء الحق کے رفقاء اور حامیوں کی تحریری اور زبانی شہادتوں سے ثابت ہو گیا کہ بھٹو کو سیاسی طور پر قتل کیا گیا۔ بھٹو کو عالم اسلام اور پاکستان سے محبت کی سزا دی گئی۔ ایٹمی ٹیکنالوجی کا حصول ان کا سب سے بڑا جرم تھا۔ سپریم کورٹ کے سات ججوں میں سے تین ججوں نے بھٹو کی سزا ختم کر دی تھی۔ تینوں کا تعلق سندھ اور سرحد سے تھا جبکہ پنجابی ججوں نے سزائے موت کو بحال رکھا۔ دنیا بھر کے راہنماؤں نے جنرل ضیاء الحق سے بھٹو کی سزائے موت ختم کرنے کی اپیلیں کر رکھی تھیں مگر اس نے ذاتی اقتدار کے لیے بھٹو کو پھانسی کے احکام جاری کر دیئے۔ بھٹو کو رات کی تاریکی میں لاڑکانہ لے جایا گیا۔

بیگم بھٹو اور بے نظیر کو آخری دیدار کی اجازت بھی نہ دی گئی۔ انہیں فوج کے سخت پہرے میں گڑھی خدا بخش میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ بھٹو منوں مٹی کے نیچے دفن عوام کے فتح مند قدموں کی چاپ سننے کے منتظر ہیں۔ دنیا کی سیاسی تاریخ میں پہلی بار پی پی پی کے آٹھ غریب کارکنوں نے بطور احتجاج خود کو سرعام نذر آتش کر لیا ان پروانوں میں عبدالوحید قریشی، عبدالرشید عاجز، یعقوب پرویز کھوکھر، منور حسن، راشد ناگی جبکہ دوسرے شہیدوں میں ادریس طوطی، ادریس بیگ، رزاق جھرنا، عثمان غنی، ناصر بلوچ، ایاز سموں، حمید بلوچ، نذیر عباسی، کلور براہمنی، عنایت مسیح، لالہ اسد، موسیٰ گل مینگل، میاں محمد اعظم اور فقیر ہسبانی شامل ہیں جو پھانسی چڑھے یا پولیس کی گولیوں اور تشدد سے ہلاک ہوئے۔

بھٹو کی پھانسی نے پوری دنیا کو متاثر کیا۔ یاسر عرفات نے کہا ''بھٹو فلسطینی انقلاب کا شہید ہے''۔ کرنل قذافی نے کہا ''بھٹو شہید ہے اسے سیاسی طور پر قتل کیا گیا'' اندرا گاندھی نے کہا ''بھٹو اندرونی اور بیرونی مخصوص مفادات کا شکار ہوا''۔ انور سادات نے کہا ''بھٹو کی پھانسی اسلامی اقدار کے منافی ہے''۔ بھٹو جب شملہ گئے تو اندرا گاندھی نے بھٹو کو مشورہ دیا کہ ''چند جرنیلوں کو ڈھاکہ چھوڑ جائیں تاکہ مجیب ان کے خلاف مقدمہ چلا سکے۔ وگرنہ موقع پاتے ہی جرنیل تمہیں نہیں چھوڑیں گے''۔ بھٹو ایک قوم پرست اور محبّ الوطن حکمران تھے انہوں نے ضد کی کہ وہ پوری فوج کو پاکستان واپس لے کر جائیں گے۔ بھٹو کو قوم پرستی کی بڑی قیمت ادا کرنا پڑی جرنیلوں نے انہیں معاف نہ کیا۔ بھٹو کی شہادت کے بعد المیہ ادب تخلیق ہوا۔ پاکستان کے شاعروں نے افسانے ناول اور نظمیں لکھیں یونس ادیب نے نظموں اور غزلوں کو ''شہادت کی خوشبو'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا۔ ایک شاعر نے کہا۔

سلام اس پر
جو چڑھ کے سولی
بتا گیا ہے
کہ میرے قاتل، تمہارے دشمن
پہن کے وردی زمیں کے رنگ کی
زمیں کا سودا چکا رہے ہیں

ایک اور شاعر کا یہ شعر بہت مشہور ہوا

اک گوہر نایاب گنوا بیٹھے ہو لوگو
کس شخص کو سولی پہ چڑھا بیٹھے ہو لوگو

یہ اشعار فیضؔ کے نام سے منسوب ہوئے

کبھی تو سوچنا یہ تم نے کیا کیا لوگو
یہ کس کو تم نے سرِ دار کھو دیا لوگو
ہوائے بغض و خباثت چلی تو اپنے ساتھ

http://www.apnaorg.com

اڑا کے لے گئی انصاف کی قبا لوگو
دیا تھا صبح مسرت نے اِک چراغ ہمیں
اسی کو تم نے سرِ شام کھو دیا لوگو
سلا دیا جسے زنداں میں تم نے موت کی نیند
جگائے گی اسے حالات کی صدا لوگو

جنرل کے ایم عارف دس سال تک جنرل ضیاء الحق کے دست راست رہے وہ اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں۔
''سپریم کورٹ نے بھٹو کے خلاف مقدمہ قتل کا فیصلہ شریف الدین پیرزادہ کے ذریعے جنرل ضیاء الحق کو روانہ کیا اور اس کی منظوری کے بعد فیصلہ سنایا''

بھٹو کی پھانسی کے بعد کئی روایات مشہور ہوئیں۔ پائلٹ کو جب علم ہوا کہ جس طیارے کو چلا رہا ہے اس میں بھٹو کی لاش ہے تو وہ جذباتی ہوگیا اور اس نے طیارے کو واپس رن وے پر اتار دیا اور طیارہ لاڑکانہ لے جانے کے لیے دوسرے پائلٹ کو بلانا پڑا۔ ایک روایت کے مطابق بھٹو کو پھانسی سے قبل اس قدر اذیت دی گئی کہ وہ تقریباً مردہ تھے۔ اور انہیں سٹریچر پر ڈال کر تختہ دار پر لے جایا گیا ایک اور کئی بار دہرائی گئی تفصیل کے مطابق بھٹو کو موت کی کوٹھڑی میں تشدد کر کے انہیں قتل کر دیا گیا تھا۔ فوجی آفیسر انہیں ایک اقبالی بیان پر دستخط کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ جس میں درج تھا کہ انہوں نے اپنی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش خود ہی تیار کی تھی اور جنرل ضیاء الحق کو ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کی خود دعوت دی تھی۔ بھٹو نے فوجی حکومت کو قانونی جواز بخشنے سے انکار کر دیا۔ ایک فوجی نے بھٹو کو شدید دھکا دیا کہ ان کا سر دیوار سے جا ٹکرایا۔ وہ بے ہوش ہوگئے ایک ڈاکٹر کو بلایا گیا جس نے دل پر مالش کی اور دوائی دی مگر بھٹو ہوش میں نہ آسکے۔ آج بھٹو کے سیاسی مخالفین بھی برملا اقرار کر رہے ہیں کہ بھٹو کی پھانسی ایک غلط سیاسی فیصلہ تھا جس سے پاکستان کی سیاست جمہوریت اور معیشت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

ترکی میں 41 سال کے بعد پارلیمینٹ نے ایک بل پاس کر کے سابق وزیراعظم عدنان میندریس کو تمام الزامات سے باعزت بری کیا جس کے بعد ان کے جسد خاکی کو ایک گمنام جگہ سے نکال کر بڑے احترام و اعزاز کے ساتھ ترکی کے ایک اہم علاقہ میں سپرد خاک کیا گیا ہے۔ جہاں تک ذوالفقار علی بھٹو کا تعلق ہے بین الاقوامی ماہرین قانون پہلے ہی بھٹو کی پھانسی کو عدالتی قتل قرار دے چکے ہیں اور اب تو بھٹو کے سیاسی مخالفین نے بھی اپنی غلطیوں کا برملا اعتراف کرتے ہوئے اقرار کر لیا ہے کہ انہوں نے جنرل ضیاء الحق کا ساتھ دے کر سنگین غلطی کی تھی۔ دانشور ان اعترافات کو (Re-discovery of history) یعنی تاریخ کی تعبیر نو قرار دے رہے ہیں۔ برمحل ہوگا اگر پاکستان کی پارلیمینٹ بھی متفقہ قرار داد پاس کر کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو شہید قرار دے اور اس قوم پرست ''شہید وطن'' کی یاد میں اُن کے منصب اور اعزاز کے شایان شان ایک عظیم قومی یادگار تعمیر کی جائے تاکہ اس طرح قوم کے محسن کے خونِ ناحق کا کفارہ ادا کیا جاسکے۔

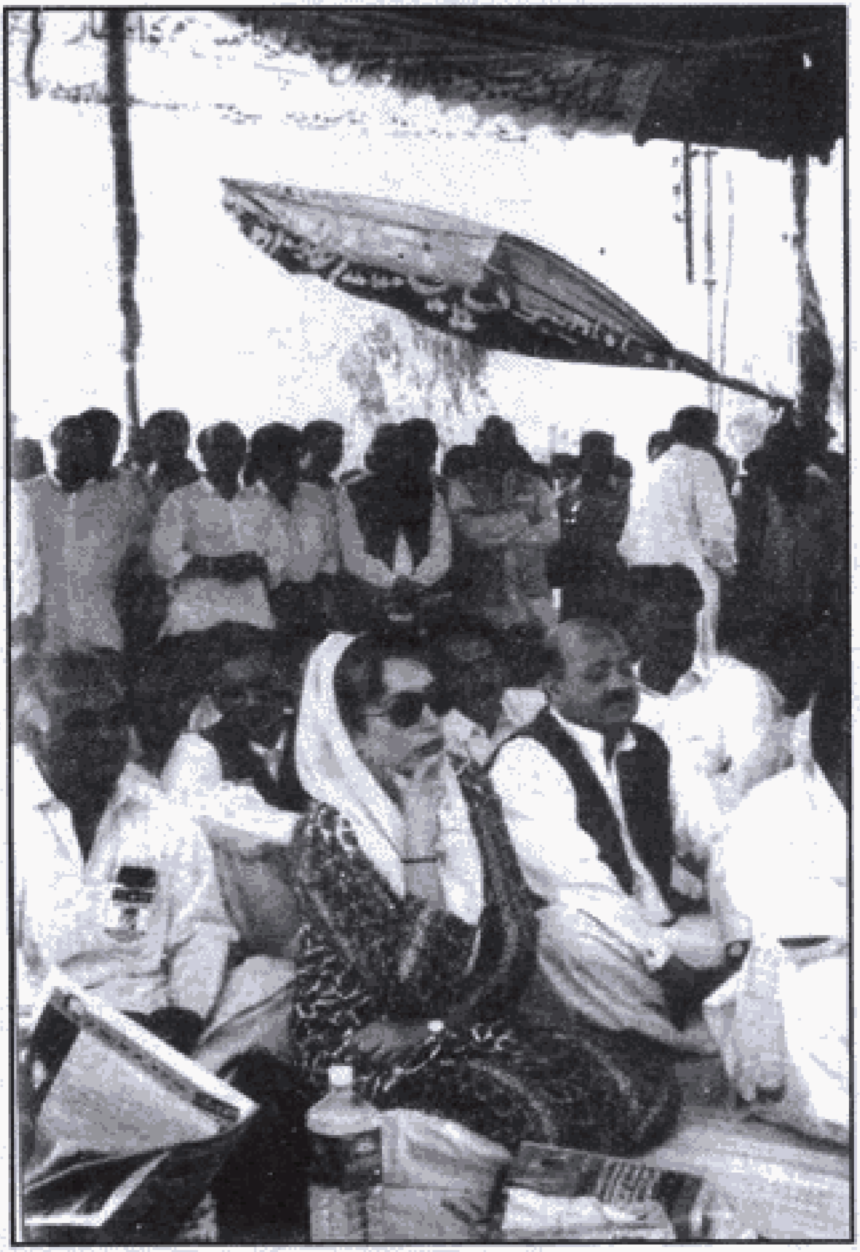

1998ء۔ محترمہ بے نظیر بھٹو لاڑکانہ میں پارٹی ریلی کے دوران

قیوم نظامی اپنے وطن میں روپوشی کی حالت میں

http://www.apnaorg.com

روپوشی سے جلاوطنی تک

مارشل لاء کے دوران حکومت نے مساوات کی اشاعت پر پابندی لگا دی تھی۔ اس کمی کو کسی حد تک پورا کرنے کے لئے ''عوام دوست'' کے نام سے ایک پمفلٹ شائع کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ اس سلسلے میں شیخ سہیل اور شعیب میر نے اہم کردار ادا کیا۔ پندرہ روز کے بعد عوام دوست پمفلٹ شائع ہوتا اور اسے بذریعہ ڈاک پاکستان کی اہم فوجی اور سیاسی شخصیات کو ارسال کیا جاتا۔ حکومت اس پمفلٹ سے سخت پریشان تھی اور پمفلٹ شائع کرنے والوں کو ہر قیمت پر گرفتار کرنا چاہتی تھی۔ یہ سلسلہ بڑی کامیابی سے چلتا رہا اور پی پی پی کا پیغام اہم شخصیات کو پہنچتا رہا۔ خفیہ ادارے عوام دوست پمفلٹ تیار کرنے والوں کی گرفتاری کے لئے سرتوڑ کوشش کرتے رہے اسی دوران شاہنواز بھٹی، عبدالمجید ملک اور راجہ ریاض گرفتار ہوئے تو ان سے ''عوام دوست'' پمفلٹ برآمد ہوگئے۔ شاہی قلعہ میں ان سرگرم کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس تشدد کے نتیجے میں نواز ربانی، شیخ سہیل اور شعیب میر گرفتار ہوئے۔ عوام دوست پمفلٹ کے سلسلے میں ڈاکٹر مبشر حسن کو بھی شاہی قلعہ میں رکھا گیا۔ انہوں نے عوام دوست کے لئے ''تین تختے الٹ دو'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا۔ میں اس وقت روپوش تھا۔ مجھے جیل اور شاہی قلعہ سے پیغامات ملے کہ جان کی سلامتی چاہتے ہو تو ملک سے فرار ہوجاؤ وگرنہ اس بار فوجی جرنیل زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

عوام دوست پمفلٹ کیس میں مجھے بڑا ملزم نامزد کیا گیا۔ اس دوران جو کارکن بھی گرفتار ہوتا اس سے میرے بارے میں ضرور پوچھا جاتا۔ مارشل لاء انتظامیہ کے نزدیک حکومت کے خلاف پمفلٹ شائع کرنا سمگلنگ، ہیروئن فروشی، اغواء، قتل اور ڈاکے سے بھی زیادہ سنگین جرم تھا۔ دوستوں اور خیر خواہوں کے مشورے سے بادل نخواستہ ملک چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ اپنے وطن میں روپوش رہ کر ''جلا وطن'' تو میں پہلے ہی ہوچکا تھا۔ پولیس اور انتظامیہ میرے تعاقب میں تھی اور جمہوریت کی بحالی کے لیے سرگرم کردار ادا کرنا مشکل ہوتا جارہا تھا لہٰذا احباب کے پرخلوص اور نیک نیت مشورے کی بناء پر صحیح معنوں میں جلا وطنی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا پارٹی ڈسپلن کا تقاضہ یہ تھا کہ پارٹی قیادت سے ملک چھوڑنے کی اجازت حاصل کی جائے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو جیل میں نظر بند تھیں۔ دو ہفتوں کی کوششوں کے بعد بیگم نصرت بھٹو سے رابطہ ہوا اور انہوں نے ملک سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ عوام دوست پمفلٹ کیس خصوصی عدالت میں زیر سماعت رہا۔ اس کیس میں ملوث تمام کارکنوں شیخ سہیل شعیب میر، شاہنواز بھٹی، ملک مجید، راجہ ریاض اور نواز ربانی کو سات سات سال قید بامشقت اور دس

http://www.apnaorg.com

دس کوڑوں کی سزا دی گئی جب کہ مجھے چودہ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ ان سزاؤں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مارشل لاء انتظامیہ اختلاف رائے برداشت کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھی۔

کراچی سے بنکاک تک: اپنے ہی دیس میں جب روپوش رہنا بھی ممکن نہ رہا تو ہجرت کا فیصلہ کر لیا۔ والد صاحب نے مجھے لاہور سے بنکاک اور لندن کا کرایہ دے دیا۔ میری تصاویر تمام تھانوں اور ایئرپورٹ پر موجود تھیں اس لئے ملک سے ہجرت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ افغانستان کا روٹ اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ یہ روٹ میری ذہنی سوچ اور میرے مزاج کے مطابق نہ تھا۔ کچھ دوستوں نے مشورہ دیا کہ مجھے یورپ کی بجائے بنکاک جانا چاہئے کیونکہ بنکاک کے لئے ویزے کی ضرورت نہیں ہے اور بنکاک کی فلائٹ زیادہ چیک نہیں ہوتی کیونکہ سیاست دان بنکاک نہیں جاتے۔ کراچی میں پارٹی کے بے لوث کارکن محمد اکبر کی رہائش گاہ پر قیام کیا۔ گوجرانوالہ کے ایک کارکن مسٹر جاوید میرے ہمراہ تھے۔ ہم نے بنکاک کے ٹکٹ لئے اور خدا کو یاد کر کے کراچی ایئرپورٹ پہنچ گئے میں نے پاسپورٹ پر اپنے نام کے ساتھ نظامی کا لفظ استعمال نہ کیا اور ویسے بھی داڑھی اور نظر کی عینک نیز جناح کیپ نے قیوم نظامی کو پوری طرح چھپا لیا تھا۔ ہماری فلائٹ رات کی تھی ایئرپورٹ پر بہت رش تھا۔ میں نے بورڈنگ کارڈ حاصل کیا اور امیگریشن کی لائن میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوجوان نے مجھ سے پاسپورٹ طلب کیا اور مجھ سے دو تین سوالات کئے۔ میں نے سوچا کہ خفیہ ادارے کے اہلکار نے مجھے پہچان لیا ہے۔ نوجوان مجھے اپنے ہمراہ ایک کیبن میں لے گیا۔ اس نے میرے ہینڈ بیگ کو چیک کیا۔ میری جامہ تلاشی لی۔ خدا نے مجھے بہت حوصلہ دیا اور میں سمجھ گیا کہ نوجوان کو میری نہیں بلکہ ڈالروں کی تلاش ہے اس نے میرے بوٹ اور جرابیں اتار کر بھی ڈالر تلاش کئے مگر اس کی تسلی نہیں ہو رہی تھی آخر کار اس نے مجھے سر سے ٹوپی اتارنے کے لئے کہا اس پر مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس سے کہا کہ ہماری اسلامی حکومت ہے اور آپ کو میری داڑھی پر بھی اعتبار نہیں ہے۔ میری بات پر نوجوان شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ سرلوگ بنکاک میں قانونی اجازت سے زیادہ ڈالر لے کر جاتے ہیں۔ خدا خدا کر کے ہم طیارے میں سوار ہوئے تو دل کو تسلی ہوئی۔

بنکاک ایئرپورٹ ایک خوبصورت ایئرپورٹ ہے۔ جہاز سے اترنے کے لئے کسی سیڑھی کی ضرورت نہیں بلکہ جہاز کو ایسی جگہ کھڑا کر دیا جاتا ہے کہ جہاز سے نکل کر مسافر ایک بڑے ہال کمرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر امیگریشن والوں نے ہمیں بہت جلد فارغ کر دیا۔ ایئرپورٹ سے باہر نکل کر ٹیکسی میں بیٹھے اور ملائشیا ہوٹل پہنچ گئے۔ ملائشیا ہوٹل شہر کے ایک کونے میں واقع ہے دوسرے ہوٹلوں کی نسبت سستا ہے اس لیے ٹورسٹ اکثر اس ہوٹل میں قیام کرتے ہیں۔ بنکاک میں تین دن ٹھہرنے کے بعد ہم ایک دوست اسرار شاہ کے مشورے کے مطابق سنگاپور چلے گئے۔ خیال یہ تھا کہ سنگاپور کی حکومت تھائی لینڈ کی نسبت جمہوریت کے زیادہ قریب ہے لہٰذا وہاں پر بہتر سہولتیں میسر آسکتی

ہیں۔ بنکاک سے سنگاپور ہم نے بذریعہ ٹرین سفر کیا۔ ٹرین کا یہ سفر 48 گھنٹے کا ہے لیکن جہاز سے بہت سستا ہے ٹرین ملائشیا (کوالالمپور) سے ہوتی ہوئی سنگاپور پہنچتی ہے۔ بنکاک سے سنگاپور تمام علاقہ سرسبز شاداب ہے راستے میں بہت دلکش وادیاں نظر آتی ہیں۔ ناریل۔ اناس اور ربڑ کے درخت بکثرت ہیں۔ تھائی لینڈ کی ٹرین کا انتظام بہت اچھا ہے۔ صفائی اور نشستوں کے لحاظ سے سونے کے لئے برتھ بہت آرام دہ ہیں اور رات کو ان پر گدے اور دھلی ہوئی چادریں بچھائی جاتی ہیں۔

ہم 29 اگست 1981ء کو شام چار بجے بنکاک ریلوے سٹیشن سے روانہ ہوئے اور 31 اگست کو شام پانچ بجے سنگاپور ریلوے سٹیشن پر پہنچے۔ سنگاپور میں امیگریشن والوں نے ہمیں صرف ایک ہفتہ کی انٹری دی کیونکہ ہمارے پاس واپسی کی ٹکٹ موجود نہ تھی سنگاپور سٹیشن سے ہم بنکولین روڈ پہنچے کیونکہ ہمیں کسی راہگیر نے بتایا تھا کہ وہاں ہوٹلوں کا کرایہ نسبتاً کم ہے۔ بنکولین روڈ پر بنکولین ہاؤس میں ہمیں ایک کمرہ مل گیا جس کا کرایہ تقریباً نوے روپے روزانہ تھا۔ سنگاپور ایک خوبصورت شہر ہے۔ صفائی، ڈسپلن، امن کے لحاظ سے شاید ایشیا کا خوبصورت ملک ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جس کی آبادی صرف پچیس لاکھ ہے اور رقبہ تقریباً بیس مربع میل ہے۔ سنگاپور میں قوانین کا بہت احترام کیا جاتا ہے۔ ٹرانسپورٹ کا انتظام بہت اعلیٰ ہے۔ البتہ مہنگائی بہت زیادہ ہے۔ معاشرے میں عورتوں کا عمل دخل زیادہ ہے ہر دکان اور ہوٹل پر نوجوان لڑکیاں کام کرتی نظر آتی ہیں خرید و فروخت کے لئے بہت بڑے بڑے سٹور ہیں جن میں اکثر چھ چھ منزلوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سنگاپور میں ہندو، مسلم، چینی، عیسائی، بدھ، سکھ سب آباد ہیں۔ صفائی پر اس قدر توجہ دی جاتی ہے کہ سڑک پر تھوکنے یا کوڑا پھینکنے والے کو پچاس سنگاپور ڈالر جرمانہ کیا جاتا ہے۔ سڑک کراس کرنے کے لئے انڈر گراؤنڈ اور اپر گراؤنڈ کراسنگ بنائے گئے ہیں۔ رات کو روشنیاں شہر کو اور بھی خوبصورت بنا دیتی ہیں۔

یکم ستمبر کو ہم نے سیاسی پناہ کے لیے جرمنی کے سفارت خانے سے رابطہ کیا سفارت خانے کے کلچر اتاشی نے ہمیں دوسرے دن ایک تفصیلی درخواست کے ساتھ آنے کو کہا۔ دوسرے دن جب ہم کاغذات مکمل کر کے اسے دوبارہ ملنے کے لئے گئے تو اس نے کہا جرمنی سے جواب آنے میں تقریباً دو ماہ لگیں گے۔ چنانچہ ہم نے درخواست دینے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ اتنا عرصہ سنگاپور میں اپنے اخراجات پر ٹھہرنا ممکن نہ تھا۔ ہم نے سنگاپور کی حکومت سے رابطہ کیا۔ ہم ہوم منسٹر سے ملاقات کے لئے گئے لیکن ہمیں ہوم منسٹر سے ملاقات کی اجازت نہ ملی۔ ہوم منسٹری کے تین چار اہلکاروں نے ہم سے تفصیلی تبادلہ خیال کیا ہم سے مکمل حالات دریافت کئے اور تقریباً تین گھنٹے تک مختلف آفیسر ہم سے سیاسی معلومات حاصل کرتے رہے اور تمام واقعات سننے کے بعد ایک سینئر آفیسر نے کہا۔

''ہمارا سنگاپور ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ ہم آپ کو پناہ دے کر ضیاء الحق کی ناراضگی مول نہیں لے سکتے۔ اگر پاکستانی سفارت خانے کو آپ کی آمد اور پناہ کا علم ہو گیا تو وہ ہم پر دباؤ ڈالیں گے اور ہمیں ان کے دباؤ کے آگے جھکنا پڑے گا''

http://www.apnaorg.com

میں نے جواب دیا!

"آپ کی ایک آزاد اور خودمختار مملکت ہے جنرل ضیاء الحق آپ کے اندرونی معاملات میں کیسے مداخلت کرسکتا ہے۔ آپ ہمیں انسانی بنیادوں پر رہائش کی سہولت دیں۔"

آفیسر نے کہا!

ہمیں بہت افسوس ہے ہم آپ کی کچھ مدد نہیں کر سکتے ہم آپ کو صرف اتنی اجازت دے سکتے ہیں کہ آپ تین چار ہفتے اپنے خرچ پر سنگاپور میں رہ کر سفارت خانوں سے رابطہ کر لیں ہم خاموش رہیں گے اور پاکستان کے سفارت خانے کو اطلاع نہیں دیں گے۔"

اس طرح ہمیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ہمارے پاس پیسے کم تھے اور سنگاپور میں کوئی ایسا واقف بھی نہ تھا جس سے ہم بوقت ضرورت مدد حاصل کر سکتے۔ سنگاپور کی حکومت سے رابطہ کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سی آئی ڈی انسپکٹر کی مستقل ڈیوٹی ہماری نگرانی کرنے پر لگا دی گئی وہ ہماری روزانہ کی مصروفیات کی رپورٹ ہوم منسٹری کو پیش کرتا۔ انسپکٹر ہماری سیاسی قربانیوں سے متاثر تھا یا شاید ہم سے مختلف سفارت کاروں سے ہونے والی بات چیت جاننا چاہتا تھا کہ ایک دن اس نے ہماری دعوت بھی کی اور کار پر ہمیں سنگاپور کی سیر بھی کرائی۔ سنگاپور میں ہم نے فرانس کے سفارت خانے سے بھی رابطہ کیا مگر فرانس کی حکومت نے تین روز کے اندر مطلع کیا کہ وہ پناہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ہم بہت پریشان ہوگئے تھے کیونکہ کہیں بھی سر چھپانے کے لئے جگہ نہیں مل رہی تھی۔ ہم نے یکطرفہ ٹکٹ لے کر جرمنی پہنچنے کی کوشش کی مگر ہوائی کمپنیوں نے یکطرفہ ٹکٹ پر سفر کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ سب سے آخر میں ہم نے برطانیہ کے سفارت خانے سے رجوع کیا۔ برطانیہ کے آفیسر نے ہمارا کیس بڑی ہمدردی سے سنا اور اپنی سفارشات کے ساتھ ہمارا کیس لندن بھیج دیا۔ دو دن کے بعد آفیسر نے ہمیں بتایا کہ برطانیہ نے ہماری درخواست پر غور کرنا منظور کر لیا ہے لیکن کچھ انتظار کرنا پڑے گا ہماری رہائش گاہ کے پاس ہی ایک مسجد بھی تھی مشکل اور تکلیف کے وقت خدا یاد آتا ہے اور ماں یاد آتی ہے۔ ہم نے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا شروع کر دی۔ چند دن کے بعد ہم برطانوی آفیسر سے ملنے گئے تو اس نے ہمیں بتایا کہ برطانیہ نے اپنے اسلام آباد کے سفارت خانے سے ریمارکس منگوائے تھے انہوں نے تسلی بخش ریمارکس دیئے ہیں لہٰذا امید ہے کہ پناہ کی اجازت مل جائے گی مگر برطانیہ سے جواب کب آئے گا اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ سنگاپور میں چونکہ ہمارا ایک بھی جاننے والا نہ تھا۔ جس سے ہم امداد طلب کر سکتے ویسے بھی سنگاپور حکومت کی کڑی نگرانی سے ہم تنگ آگئے تھے لہٰذا ہم نے بنکاک واپس آنے کا فیصلہ کیا۔ برطانوی مشن سے ہم نے درخواست کی کہ ہمیں جواب بنکاک کے سفارت خانے کے ذریعے ارسال کر دیا جائے۔ ہم بذریعہ ٹرین واپس بنکاک آگئے۔ راستے میں ایک دن کوالالمپور میں قیام کیا۔ وہاں کی نیشنل مسجد دیکھی۔ یہ مسجد بہت خوبصورت ہے اور دیکھنے کے قابل ہے۔

بنکاک پہنچ کر ہم نے برطانوی سفارت خانے سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ برطانیہ نے ہمیں پناہ دینے سے انکار کر دیا ہے البتہ اپیل کا حق بھی دیا ہے۔ برطانیہ سے ہمیں کافی امید تھی لہٰذا انکار کا سن کر سخت پریشانی ہوئی ہمیں اور کوئی صورت نظر نہ آ رہی تھی ہم نے 22 ستمبر کو یو این او کے مشن برائے مہاجرین سے رابطہ کیا ہماری ملاقات مس بوناگ سے ہوئی اس نے ہماری داستان سن کر امداد کا وعدہ کیا چنانچہ 24 ستمبر 1981ء کو ہمیں یو این او نے پناہ دینے کا فیصلہ کر دیا۔ اس طرح ہمیں یہ سکون ملا کہ ہم بنکاک میں رہ کر دیگر ممالک سے رابطہ کر سکتے تھے۔ یو این او نے ہماری رہائش اور خوراک کا تسلی بخش انتظام کر دیا۔ اقوام متحدہ کے ادارے کے لیگل سیکشن کا انچارج مسٹر چیٹی ہے جو خود جلا وطن ہے وہ ایک رحمدل انسان ہے اس نے اپنے گھر پر ہماری پرتکلف دعوت کی۔

بنکاک عیش و عشرت کا اڈہ ہے۔ یہاں پر عورتوں کی حکومت ہے دفتر، فیکٹری، دکانیں ہر جگہ نوجوان لڑکیاں نظر آتی ہیں زندگی کے ہر شعبے میں لڑکیاں چھائی ہوئی ہیں۔ نائٹ کلب اور شراب خانے بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ موسم کے اعتبار سے بنکاک کراچی سے ملتا جلتا ہے۔ موسم سارا سال ایک جیسا رہتا ہے اور زیادہ تر گرم رہتا ہے کبھی کبھی بارش ہو جاتی ہے۔

سنگاپور سے جب ہم بنکاک آئے تو ہمیں امیگریشن والوں نے صرف پندرہ دن کا ویزا دیا تھا۔ جو 5 اکتوبر کو ختم ہونا تھا۔ یو این او کے سٹاف نے ہمارا ویزا بڑھانے کے لئے وزارت خارجہ سے رابطہ قائم کیا۔ تھائی لینڈ کا عجیب قانون ہے اگر کوئی ٹورسٹ پندرہ دن کا ویزا لے کر آئے تو پندرہ دن ختم ہونے پر اسے ہر قیمت پر ملک سے باہر جانا پڑتا ہے اور دوسرے ملک سے دوبارہ ویزا حاصل کر کے بنکاک آنا پڑتا ہے۔ تھائی لینڈ کی حکومت خود ویزا جاری نہیں کرتی۔ یہی مشکل یو این او کو پیش آئی۔ یو این او کے سٹاف نے ہمارے معاملے میں اس قدر دلچسپی لی جیسے ڈاکٹر مریض کی جان بچانے کے لئے لیتا ہے۔ ملائشیا ہوٹل میں کاؤنٹر کے پاس ٹورسٹ اکثر اوقات نوٹس لگا دیتے ہیں جن میں مختلف ملکوں کی معلومات ایک دوسرے سے لے لیتے ہیں۔ ایک ٹورسٹ نے لاہور کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے نوٹس لگایا تو دوسرے ٹورسٹ نے اس پر لکھ دیا کہ لاہور جانے کا خیال ترک کر دو کیونکہ وہاں کی پولیس بہت رشوت خور ہے۔ یہ ہے پاکستان کا تصور بیرونی لوگوں کی نظر میں جو ہم نے گزشتہ سالوں میں قائم کیا ہے۔ ایسے واقعات سن کر انتہائی دکھ ہوتا ہے۔

جب ہم سنگاپور سے بذریعہ ٹرین بنکاک واپس آئے تو ملائشیا اور تھائی لینڈ کی سرحدوں پر امیگریشن والوں نے صرف دو پاکستانیوں کو کاؤنٹر پر بلا کر ڈالر دکھانے کے لئے کہا وہ ہم تھے حالانکہ پوری ٹرین ٹورسٹ سے بھری ہوئی تھی اور مختلف ملکوں کے ٹورسٹ سفر کر رہے تھے۔ لیکن سبز پاسپورٹ کی یہ عزت ہے کہ اس کو اچھی طرح چیک کیا جاتا ہے۔ افسوس کہ ہم اپنے ملک کا وقار قائم نہ کر سکے۔ سنگاپور اور بنکاک دونوں شہروں میں پاکستانیوں کی کوئی عزت نہیں۔ پاکستانیوں نے ملکی وقار کو سخت

http://www.apnaorg.com

مجروح کیا ہے۔ پاکستانی سفارت خانے اس سلسلے میں کوئی کام نہیں کر رہے شاید وہ بھی سفارتی امور سے زیادہ ''دیگر امور'' میں دلچسپی لیتے ہیں۔سوئٹزرلینڈ کے ایک ٹورسٹ سے ملاقات ہوئی۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ کبھی پاکستان گئے ہیں اس نے کہا ہم یہ تو جانتے ہیں کہ پاکستان دنیا کے خطے میں موجود ہے لیکن ہمیں کسی ٹریولنگ ایجنسی سے کبھی پاکستان کے متعلق کوئی لٹریچر نہیں ملا۔ ہمارے سفارت خانے محض کاروباری ادارے بن کر رہ گئے ہیں اور پاکستان کے متعلق کوئی پروپیگنڈا نہیں کیا جاتا حالانکہ ٹورازم کے ذریعے ہم بہت سا زرمبادلہ کما سکتے ہیں۔

بنکاک کے ایک ہسپتال میں گئے۔ کمر میں مسلسل درد ہو رہی تھی ڈاکٹر سے مشورہ کرنا تھا۔ ہسپتال کا انتظام حیران کن حد تک تسلی بخش تھا۔ ایک نرس نے ہمارا کارڈ بنوایا دوسری نرس ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔ ڈاکٹر انتہائی خوش اخلاق سے پیش آیا۔ دس منٹ میں میرا ایکسرے لے کر ڈاکٹر نے دوا تجویز کر دی۔ ہسپتال میں صفائی اور نشستوں کا انتظام بہت بہترین تھا۔ پاکستان میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہسپتال میں ہمیں ایک کارڈ جاری کر دیا گیا تاکہ جب بھی ہم چاہیں ہسپتال میں جا کر ڈاکٹر سے مشورہ کر سکیں۔سوئٹزرلینڈ کی ایمبیسی سے ٹیلی فون آیا کہ سفارت خانے میں آئیں۔ سوچا شاید کوئی خوشخبری ہو کیونکہ وہاں پر بھی سیاسی پناہ کے لئے درخواست دے رکھی تھی۔ سفارت خانے پہنچے تو ہمیں سوئس گورنمنٹ کا ایک لیٹر دے دیا گیا جو سوئس زبان میں لکھا ہوا تھا اور سیاسی پناہ دینے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ یہ ممالک انسانی حقوق کی بہت بات کرتے ہیں مگر ایک انتہائی مستحق کیس کو بھی بڑی آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ہم نے آسٹریلیا میں سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لئے آسٹریلین ایمبیسی بنکاک میں درخواست دی۔ متعلقہ آفیسر نے ہمیں انٹروگیٹ کیا اور کہا کہ وہ اپنی حکومت کو کیس ارسال کر دیں گے۔ آفیسر کا رویہ تو ہمدردانہ تھا مگر جواب نفی میں آیا۔ایک پاکستانی ملائشیا ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ کافی عرصہ بنکاک میں رہا اس کے ذمے ہوٹل کا کرایہ تین ہزار باٹ تھا مگر وہ کرایہ ادا کئے بغیر فرار ہو گیا۔ ایسے لوگ ملک کے وقار کو مجروح کرتے ہیں اور پاکستان کا نام بدنام ہوتا ہے یہ سب کچھ قومی جذبے کے فقدان کی وجہ سے ہے۔قومی مفاد پر ذاتی مفاد حاوی ہو چکا ہے۔ہوٹل کی لابی میں ایک امریکن سے ملاقات ہوئی۔ ہم نے اس سے پوچھا آپ کس پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں اس نے کہا کہ میں نے اپنا نام ووٹر کی حیثیت سے درج کرایا ہوا ہے مگر میں کسی سیاسی پارٹی کا ممبر نہیں ہوں۔ ہم نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے اس نے کہا کہ یہ پارٹیاں ہالی ؤڈ کے ایکٹر کو ملک کا صدر نامزد کر دیتی ہیں اس کی مراد ریگن سے تھی۔ ہم نے اس کو پاکستان کی صورتحال بتائی اور امریکہ کے رویئے کی بات کی۔ ہوٹل میں بنگلہ دیش کے گیارہ بارہ افراد سے ملاقات ہوئی جو کسی کمپنی کے ذریعے بحری جہاز میں ملازمت کے لئے سنگاپور جا رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ جب مشرقی پاکستان الگ ہوا مغربی پاکستان میں لوگوں نے تین دن تک کھانا نہیں کھایا۔ انہوں نے کہا بنگلہ دیش مسلمانوں کی بھی یہی حالت تھی اور یہ تو

سیاست دانوں کی کارگزاری تھی کہ ملک دو ٹکڑے ہوگیا ورنہ دونوں طرف کے مسلمان کب چاہتے تھے کہ دو بازو الگ الگ ہو جائیں۔

فوجی حکومت کا انٹرپول سے رابطہ: میں نے بنکاک میں ایک انگریزی ہفت روزہ کو مارشل لاء کے خلاف سخت انٹرویو دیا۔ اس انٹرویو کی ایک کاپی بہاولپور کے سرگرم کارکن ڈاکٹر نذیر احمد کو روانہ کی اور اسے تاکید کی کہ وہ انٹرویو کی کاپیاں بہاولپور سے ہی بذریعہ ڈاک مختلف راہنماؤں کو روانہ کردے ڈاکٹر نذیر میرا خط وصول کر کے ہوش میں نہ رہا اور جوش میں لاہور پہنچ گیا۔ جب میرے انٹرویو کی فوٹو کاپیاں کرا رہا تھا پولیس نے اسے گرفتار کر لیا اور اسے تشدد کا نشانہ بنایا اور کئی سال تک پابند سلاسل رکھا۔ جب حکومت کو علم ہوا کہ میں بنکاک میں ہوں تو اس نے انٹرپول سے میری گرفتاری اور پاکستان واپسی کے لئے رابطہ کیا۔ فوجی انتظامیہ نے مجھے اخلاقی مجرم قرار دیا اور اس بنیاد پر میری وطن واپسی کا مطالبہ کیا۔ اقوام متحدہ کے آفیسران کو بروقت پاکستانی حکومت کے ارادے کا علم ہوگیا انہوں نے ہمیں ایک ہوٹل سے دوسرے ہوٹل میں منتقل کر دیا اور اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر جنیوا میں ٹیلی گرام روانہ کئے اور بتایا کہ ایک حقیقی مہاجر کے خلاف حکومت پاکستان اپنا اثر و رسوخ استعمال کر رہی ہے اور انٹرپول کے ذریعے اسے پاکستان واپس منگوانا چاہتی ہے اس طرح اس کی آزادی اور جان خطرے میں ہے اقوام متحدہ نے حکومت پاکستان سے رابطہ کیا اور اس سے میرے خلاف اخلاقی جرائم کے ثبوت طلب کئے اس دوران کینیڈا کی حکومت نے مجھے سیاسی پناہ دینے کی منظوری دے دی اور میں ایک ڈکٹیٹر کے برے ارادوں سے محفوظ رہا۔ اگر میں اقوام متحدہ کے ادارے برائے مہاجرین کی پناہ میں نہ ہوتا تو تھائی لینڈ کی حکومت مجھے فوراً پاکستان واپس بھیج دیتی۔ انٹرپول سے رابطہ سے فوجی جنتا کے ارادوں کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ مجھے ختم کرنے کے درپے تھے۔

مارشل لاء انتظامیہ نے مجھے پاکستان واپس بلانے کے لئے میرے عزیز و اقارب پر بھی دباؤ ڈالا۔ میرے بھائی رشید نظامی کو گرفتار کیا اور اسے تین روز تک نامعلوم مقام پر رکھ کر اسے ذہنی اذیت کا نشانہ بنایا۔ بعد میں دل کے مریض میرے بوڑھے والد حاجی عبدالحمید نظامی کو حراست میں لیا گیا اور اس وقت کے آئی جی پولیس میاں عبدالقیوم نے میرے والد پر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے بیٹے کو وطن واپس بلالیں انہیں دو تین بار شاہی قلعہ لے جایا گیا اس وقت شاہی قلعہ کے انچارج چودھری سردار محمد سابق آئی جی پولیس تھے جو ہمارے ہمسائے میں رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے بغیر کسی جرم کے میرے والد کو شاہی قلعہ میں رکھنے سے انکار کر دیا۔ میرے والد کو دو ہفتے تک پولیس حوالات میں رکھا گیا انہیں تھانے سے ملحقہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے پولیس کے اہلکار کو دس روپے دینا پڑتے۔ آخر کار انہیں ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے سامنے پیش کیا گیا۔ بریگیڈیئر نے میرے والد سے ان کا جرم پوچھا تو انہوں

نے جواب دیا کہ میرا جرم یہ ہے کہ "قیوم نظامی میرا بیٹا ہے" دو ہفتے حراست میں رکھنے کے بعد میرے والد کو رہا کر دیا گیا۔ بنکاک میں جب مجھے اپنے بزرگ والد کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو میں بے چین ہوگیا والد کی گرفتاری میرا کمزور ترین پوائنٹ تھا اگر پولیس چند روز اور میرے والد کو رہا نہ کرتی تو میں نے پاکستان واپس آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ والد کی رہائی کے لئے میں موت بھی قبول کرنے کے لئے تیار تھا۔ خدا نے میری مدد کی اور مجھے بروقت اپنے والد کی رہائی کی اطلاع مل گئی۔ کینیڈا نے مجھے اور میرے بچوں کو ویزے جاری کر دیئے میرے بچے بھی بنکاک پہنچ گئے۔

ہم مقامی ایئر لائن کے ذریعے براستہ دہلی پیرس کے لئے روانہ ہوئے۔ اس فلائٹ میں چالیس مہاجر اور بھی تھے۔ جہاز چار گھنٹے میں دہلی کے ہوائی اڈے پر پہنچا اور تقریباً ایک گھنٹہ رکنے کے بعد پیرس کے لئے روانہ ہوا۔ دہلی ایئرپورٹ پر جہاز سے نیچے اترنے کی اجازت نہ ملی۔ تھائی ایئر لائن کی سروس بہترین تھی سٹاف بااخلاق اور خوراک لذیذ تھی۔ ہمارا طیارہ آٹھ گھنٹے کی مسلسل پرواز کے بعد پیرس ایئرپورٹ پر پہنچا۔ جہاں پر ہمیں دوسری فلائٹ کے لئے چار گھنٹے انتظار کرنا تھا۔ پیرس ایئرپورٹ بہت خوبصورت جگہ تھی ایئرپورٹ کو دیکھ کر شہر کی خوبصورتی کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا ایئرپورٹ سے باہر جانے کی اجازت نہ مل سکی۔ پیرس سے ایئر کینیڈا کے ذریعے ہمیں مانٹریال پہنچنا تھا۔ یہ سفر بھی مسلسل آٹھ گھنٹے کا تھا۔ ہم کینیڈا کے وقت کے مطابق ایک بجے دوپہر مانٹریال ایئرپورٹ پہنچے۔ امیگریشن کا سٹاف بہت خوش اخلاق تھا۔ انہوں نے بڑے احسن طریق سے امیگریشن کی کارروائی مکمل کی اور رات گزارنے کے لئے ہمیں فور سٹار ہوٹل میں رکھا گیا اس قسم کے ہوٹل میں ٹھہرنے کا ہم تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ ہوٹل میں ہر قسم کی سہولت موجود تھی۔ ہمیں ڈنر اور صبح کا ناشتہ پرتکلف دیا گیا۔ دوسرے دن ہمیں ایئر کنڈیشنڈ بس کے ذریعے اوٹاوہ روانہ ہونا تھا جو ہماری آخری منزل تھی۔ ہمیں مانٹریال شہر دیکھنے کا موقع ملا جو کینیڈا کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ شہر کی خوبصورتی اور پلاننگ قابل دید تھی۔ ہم دو گھنٹے میں اوٹاوہ پہنچ گئے بس کے اڈے پر اوٹاوہ امیگریشن کے آفیسر ہمارا استقبال کرنے کے لئے موجود تھے۔ وہ بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے انہوں نے ہمیں ایک ہوٹل میں منتقل کر دیا۔ اس ہوٹل میں خوبصورت کچن، ٹی وی اور دیگر تمام سہولتیں موجود تھیں کھانے پینے کے لئے حکومت نے ہمیں مناسب گزارہ الاؤنس دینا شروع کر دیا۔ کینیڈا کی حکومت کے آفیسر اور عوام اس قدر بااخلاق اور انسان دوست ہیں کہ الفاظ میں ان کی تعریف ممکن نہیں ہے۔

اوٹاوہ پہنچ کر دو مسئلوں کا سامنا تھا۔ ایک اپارٹمنٹ کی تلاش دوسرا نوکری کا ڈھونڈنا حکومت اگرچہ مہاجرین کی ایک سال تک نگہداشت کرتی ہے لیکن خواہش یہی تھی کہ وظیفہ خوار بننے کی بجائے محنت کی کمائی پر بھروسہ کیا جائے لہٰذا آتے ہی روزگار کی تلاش شروع کر دی۔ کینیڈا میں بے روزگاری کی شرح زیادہ ہے لہٰذا نوکری تلاش کرنا خاصہ مشکل کام ہے۔ مختلف کاروباری اداروں میں سیل مین کی

کوشش کرتا رہا۔ ٹیلی فون کے ذریعے رابطے قائم کیئے۔ انگریزی اخبار کا مطالعہ کرتا اس میں نوکری سے متعلق اشتہار شائع ہوتے ہیں ایک ہوٹل میں ویٹر کی جگہ خالی تھی ٹیلی فون کیا اور سروس کے لئے درخواست کی تو جواب ملا کہ انہیں ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ڈانس بھی کر سکتا ہو۔ ایک انشورنس کمپنی میں درخواست دی تو انہوں نے ٹیسٹ لیا ایک ہفتہ کے بعد انشورنس کمپنی کا خط ملا کہ میرا رجحان چونکہ انشورنس کی طرف نہیں ہے لہٰذا میں انشورنس میں ملازمت کرنے کا ارادہ ترک کر دوں۔ نوکری کے لئے پاکستان ایسوسی ایشن کے صدر ابرار حسین سے رابطہ قائم کیا انہوں نے تعاون کا وعدہ کیا۔ اوٹاوہ مسلم ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر انصاری سے رابطہ قائم کیا دونوں کو کئی بار فون کیئے مگر کسی نے مہاجر کی داد رسی نہ کی۔ میں نے عیسائیوں کا جذبہ دیکھا ہے مہاجرین کے ساتھ ان کا سلوک بہت قابل قدر ہے ویت نام کے مہاجرین کی عیسائیوں نے بہت زیادہ خدمت کی ان کو سپانسر کیا یہاں تک کہ ان کے بچوں کو متبنٰی بھی بنا لیا۔ مسلمان اس جذبے سے عاری ہیں۔ اوٹاوہ میں 14 اگست منایا گیا میں بھی اس فنکشن میں موجود تھا پانچ سال کے بعد اس قسم کے فنکشن میں شرکت کرنے کا موقع ملا تھا کافی رونق تھی۔ موسیقار گروپ نے غزلوں، گیتوں قوالی اور قومی نغموں کا پروگرام پیش کیا۔ جب انہوں نے ''میں بھی پاکستان ہوں تو بھی پاکستان ہے'' ملی نغمہ گایا تو جذباتی ہونا قدرتی بات تھی ایک سال سے جلا وطن تھا۔ پاکستانی اور ہندوستانی چاہے سو سال سے کینیڈا میں رہ رہے ہوں وطن کے ساتھ ان کی محبت ختم نہیں ہوتی اور اکثریت اپنی ثقافت اور روایات برقرار رکھتی ہے۔ پاکستان ایسوسی ایشن کے صدر نے نام لئے بغیر اپیل کی کہ ایک مہاجر خاندان پاکستان سے آیا ہے انہوں نے مالی امداد کے لئے نہیں بلکہ روزگار کے لئے کہا ہے۔ لہٰذا جو بھی ان سے تعاون کرنا چاہے مجھ (صدر) سے رابطہ کرے۔ ہال میں پانچ چھ سو کی حاضری تھی۔ پاکستانیوں کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ کسی نے مسٹر ابرار سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ وطن سے باہر ہوں تو وطن اور خدا دونوں زیادہ یاد آتے ہیں۔ جمعہ کی نماز باقاعدگی سے ادا کرنے کا سلسلہ کینیڈا میں بھی جاری رہا۔ جمعہ کی نماز مسجد میں پڑھنے کے لئے گیا تو ایک صاحب محمود رشید سے ملاقات ہوگئی ان سے وضو کرنے کی جگہ پوچھی تو سمجھ گئے نووارد ہے مجھ سے پوچھنے لگے کہاں سے آئے ہیں میں نے اپنا مختصر تعارف کرایا انہوں نے مجھ سے ہوٹل کا نمبر لے لیا اور دوسرے دن ہوٹل سے اپنی کار پر گھر دعوت پر لے گئے۔ بڑے خلوص سے پیش آئے۔ ان کے گھر پر رشید خان (کراچی) سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی اپنے گھر پر دعوت کی اور ہمیں اکثر وہی اپنی کار پر ہوٹل تک چھوڑنے آتے۔ کینیڈا مسلم کمیونٹی کے جنرل سیکرٹری مسٹر عبدالستار بھٹی نے بھی اپنے گھر پر ہماری دعوت کی وہ بھی ہمدرد انسان ہیں اور اسلام کے لئے کافی کام کر رہے ہیں۔

کینیڈا میں پانچ سال: کینیڈا ایک خوبصورت ملک ہے۔ سردی شدید ہوتی ہے اور چھ ماہ تک برف

http://www.apnaorg.com

جمی رہتی ہے۔ اپنے ملک سے میرے رشتے بہت گہرے تھے۔ اس لئے کینیڈا کی رونقیں اور دلکشیاں مجھے متاثر نہ کر سکیں۔ میرا کینیڈا میں قیام وطن واپسی کے انتظار میں گزرا۔ حکومت سوشل سکیورٹی دیتی ہے جس سے بمشکل گزارہ ہوتا ہے۔ میں نے مجبوراً سکیورٹی گارڈ کی نوکری کر لی۔ میری شفٹ رات کو بارہ بجے ختم ہوتی تھی اور رات ایک بجے گھر پہنچتا تھا۔ سردیوں میں یہ نوکری اور بھی تکلیف دہ ہو جاتی تھی۔ ہمیں اوٹاوہ کی بجائے اگر ٹورنٹو میں رکھا جاتا تو زندگی قدرے سہل گزرتی کیونکہ اوٹاوہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جہاں پر پاکستانیوں کی آبادی بہت کم ہے جبکہ ٹورنٹو ایک بڑا شہر ہے اور وہاں پر سماجی، سیاسی اور ثقافتی سرگرمیاں زیادہ ہیں۔ اوٹاوہ میں ایک ماہنامہ جاری کیا جس کا نام پاکستان ٹوڈے رکھا۔ یہ رسالہ میں خود تحریر کرتا اور خود ہی کتابت کرتا اور پھر فوٹو سٹیٹ کاپیاں بذریعہ ڈاک کینیڈا میں مقیم مختلف پاکستانیوں کو ارسال کرتا۔

کینیڈا میں پی پی پی کے حامیوں کو میری آمد کا علم ہوا تو انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا اور پھر میں نے کینیڈا میں پی پی پی کو منظم کیا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو جب پاکستان سے لندن پہنچیں تو انہوں نے کینیڈا میں مجھ سے رابطہ کیا اور مجھے نارتھ امریکہ کے لئے اپنا خصوصی نمائندہ مقرر کر دیا۔ اس طرح مجھے امریکہ اور کینیڈا میں پی پی پی کو منظم کرنے کا موقع ملا اور نیویارک، واشنگٹن، ٹورنٹو، مانٹریال، ایڈمنٹن اور دوسرے شہروں میں پارٹی کے یونٹ قائم کئے۔ پارٹی کو منظم کرنے کے سلسلے میں یحیٰی قریشی، عثمان خالد، چوہدری ریاض، شمیم شیخ، ظہیر حسن، ڈاکٹر خالد ریاڑ، شیخ شبیر، افضال قریشی اور نعیم خان نے بڑا تعاون کیا۔ ہمارا مقصد انسانی حقوق کی تنظیموں اور پارلیمینٹ کے اراکین سے رابطہ کر کے انہیں پاکستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے آگاہ کرنا تھا۔ امریکہ کا پاکستان میں خصوصی اثر ورسوخ تھا اس لئے امریکہ اور کینیڈا کی پارٹی تنظیمیں خصوصی اہمیت اختیار کر گئی تھیں اور محترمہ بے نظیر بھٹو سے میرا رابطہ مسلسل برقرار رہا۔ کوڑے لگنے اور جیل کاٹنے کے بعد مجھے کینیڈا میں کمر کی درد شروع ہوگئی علاج سے افاقہ نہ ہوا۔ ایک روز درد ناقابل برداشت ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے ایمرجنسی میں میری ریڑھ کی ہڈی کا آپریشن کیا اور ایک ٹوٹی ہوئی ہڈی کا ٹکڑا میری پشت سے نکالنے میں کامیاب ہوگئے خدا کے فضل سے آپریشن کامیاب رہا۔

بے نظیر بھٹو کا دورہ امریکہ: 1984ء کے آخر میں محترمہ بے نظیر بھٹو نے امریکہ کا دورہ کیا میں ان کے ہمراہ تھا اور مختلف شہروں میں ان کے ساتھ پبلک میٹنگوں سے خطاب کیا۔ میری تقریریں سن کر محترمہ بے نظیر بھٹو نے میری بڑی تعریف کی۔ محترمہ کا یہ دورہ اس لحاظ سے کامیاب رہا کہ اس دورہ کے دوران وہ امریکی حکومت کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگئیں کہ ایک جمہوری پاکستان ہی امریکہ اور مغربی ممالک کے لئے بہترین حلیف ثابت ہوسکتا ہے اور جنرل ضیاء الحق نے پاکستانیوں کے انسانی

حقوق سلب کر رکھے ہیں۔ بھٹو کی شہادت کے بعد محترمہ بے نظیر بھٹو کا امریکہ کا یہ پہلا دورہ تھا۔ امریکی ذرائع ابلاغ نے محترمہ بے نظیر بھٹو کو کافی اہمیت دی۔ پی پی پی کے نظریاتی کارکن اس دورے سے خوش نہ تھے۔ مارشل لاء انتظامیہ نے بھی اس دورے کی آڑ میں بھٹو خاندان کے خلاف بہت پروپیگنڈا کیا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو سے پہلے پی پی پی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر غلام حسین امریکہ کا دورہ کر چکے تھے وہ جنرل ضیاء الحق کے دورہ امریکہ کے سلسلے میں امریکہ گئے اور جہاں جہاں آمر پہنچا وہاں وہاں ڈاکٹر غلام حسین کی قیادت میں جنرل ضیاء الحق کے خلاف سخت مظاہرے ہوئے ڈاکٹر غلام حسین اوٹاوہ کینیڈا بھی پہنچے اور اوٹاوہ میں بھی ہم نے جنرل ضیاء الحق کے خلاف مظاہرہ کیا۔

شیخ رشید کا ردعمل: محترمہ بے نظیر بھٹو نے جب امریکہ کا دورہ کیا تو اس وقت شیخ محمد رشید، قیوم بٹ، سردار مظہر علی خان، غلام مصطفیٰ کھر، عبدالحفیظ پیرزادہ لندن میں تھے اور ڈاکٹر غلام حسین سویڈن میں تھے اور شیخ محمد رشید نے بے نظیر کے امریکی دورے کے سلسلے میں شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ چنانچہ اس سے پارٹی میں ایک نئی بحث چھڑ گئی روزنامہ جنگ لندن میں محترمہ بے نظیر بھٹو کے حق اور مخالفت میں بیانات شائع ہونے لگے اس دوران قیوم بٹ نے کینیڈا میں مجھے خط لکھا کہ لندن میں مقیم تمام سیاست دان اور کارکن بے نظیر بھٹو کے امریکی دورہ کے بارے میں بیانات دے رہے ہیں لہٰذا مجھے بھی بیان جاری کرنا چاہئے۔ میں نے قیوم بٹ کو جواب دیا کہ لندن میں بیٹھ کر مہم جوئی نہ کریں۔ ہم ایک آمر کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں اس طرح اندرونی لڑائی سے آمر کو فائدہ پہنچے گا اور پارٹی کمزور ہوگی۔ میں نے پارٹی کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات کی حیثیت سے ضروری سمجھا کہ اخباری مہم کو ختم کیا جائے چنانچہ جنگ لندن کو ایک وضاحتی بیان روانہ کیا کہ بے نظیر بھٹو کے امریکی دورے سے شکوک وشبہات پیدا نہیں ہونے چاہئیں۔ انہوں نے اپنے دورے کے دوران امریکی انتظامیہ کے اہلکاروں سے نہیں بلکہ امریکی کانگریس اور سینیٹ کے ارکان سے ملاقاتیں کر کے انہیں پاکستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارے میں آگاہ کیا ہے اور سیاسی اسیران کی رہائی کے لئے اثر ورسوخ استعمال کرنے کے لئے کہا ہے۔ میرے بیان سے پارٹی کے کارکنوں کو تقویت ملی اور قیوم بٹ کی مہم جوئی اپنا رنگ نہ دکھا سکی۔ اس مہم کے دوران میرے علاوہ کوئی بھی جلاوطن عہدیدار بے نظیر بھٹو کے ساتھ نہ تھا میں نے پارٹی کے عظیم تر مفاد اور اتحاد کے لئے بے نظیر بھٹو کا ساتھ دیا بے نظیر بھٹو نے کینیڈا ٹیلی فون کر کے اور خط لکھ کر میرا شکریہ بھی ادا کیا۔ لندن میں چند کارکنوں نے ایک جدوجہد گروپ قائم کر لیا جنہیں ڈاکٹر غلام حسین، قیوم بٹ اور سردار مظہر کا تعاون حاصل تھا۔ اس گروپ کا مقصد یورپ میں بیٹھ کر پاکستان میں سوشلسٹ انقلاب لانا تھا۔ جدوجہد گروپ کی سرگرمیاں اس حد تک بڑھ گئیں کہ بے نظیر بھٹو نے کارکنوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا مقصد جدوجہد گروپ کی سرگرمیوں کا جائزہ لینا تھا اور پارٹی ڈسپلن کے مطابق کارروائی کرنا تھا۔ اس کمیٹی نے قیوم بٹ اور سردار مظہر کی رکنیت معطل کر

http://www.apnaorg.com

دی۔ مجھے کینیڈا میں جب اس فیصلے کا علم ہوا تو میں نے بے نظیر بھٹو کو خط لکھا کہ سردار مظہر اور قیوم بٹ کی رکنیت بحال کی جائے۔ اسی دوران میرے والد بزرگوار دل کے آپریشن کے لئے لندن تشریف لائے تو میں ان کی دیکھ بھال کے لئے لندن پہنچا۔ میں نے لندن میں بے نظیر بھٹو سے ملاقات کی انہوں نے ڈیڑھ گھنٹہ تک مجھے لندن میں مقیم پارٹی کارکنوں اور رہنماؤں کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔ محترمہ نے بتایا کہ ڈاکٹر غلام حسین ان سے سخت لہجے میں بات کرتے ہیں اور گفتگو کے دوران آستینیں چڑھانا شروع کر دیتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ ان کی حیثیت سپریم کورٹ جیسی ہونی چاہئے تاکہ پارٹی کا ہر کارکن ان سے اپیل کر سکے اگر وہ خود ہی فریق بن گئیں تو اس سے پارٹی کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔

فاروق لغاری کا استعفیٰ: فاروق لغاری نے نامعلوم وجوہات کی بناء پر پارٹی کے سیکریٹری جنرل کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ پارٹی کو نئے سیکریٹری جنرل کی تلاش تھی ظاہر ہے کہ سیکرٹری جنرل کی نامزدگی پنجاب سے ہونا تھی اور پنجاب کے اکثر نامور رہنما جلاوطن ہو چکے تھے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے مجھ سے مشورہ کیا اور بتایا کہ وہ راؤ رشید کو پارٹی کا سیکریٹری جنرل نامزد کرنا چاہتی ہیں۔ میں نے ان کو مشورہ دیا کہ پارٹی کے مخالفین پہلے ہی یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ محترمہ بے نظیر بھٹو غیر سیاسی افراد میں گھر چکی ہیں اور پارٹی میں سیاسی کارکنوں کی بجائے بیوروکریسی کے افراد زیادہ اثر و رسوخ حاصل کر چکے ہیں راؤ رشید ہر چند کہ اس عہدے کے پوری طرح اہل ہیں مگر ان کی نامزدگی سے پارٹی کارکنوں میں مایوسی پھیل جائے گی اور بحالی جمہوریت کی تحریک متاثر ہوگی لہٰذا مناسب یہ ہوگا کہ راؤ رشید کو پنجاب میں کوئی عہدہ دے دیا جائے اور پارٹی کے ایڈیشنل سیکریٹری جنرل ٹکا خان کو سیکرٹری جنرل بنا دیا جائے۔ اس طرح کسی کو کوئی گلہ بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایڈیشنل سیکرٹری جنرل اپنے عہدے کے لحاظ سے سیکرٹری جنرل بن جائے گا جسے سب قبول کر لیں گے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کو میری یہ تجویز بہت پسند آئی اور اس طرح جنرل ٹکا خان کو سیکریٹری جنرل نامزد کر دیا گیا۔ بعد میں مجھے احساس ہوا کہ یہ فیصلہ شاید زیادہ موزوں نہ تھا اور پارٹی کو ایک متحرک اور سرگرم سیکریٹری جنرل کی ضرورت تھی۔

محترمہ بے نظیر بھٹو اور اسیر کارکن: محترمہ بے نظیر بھٹو جتنا عرصہ جلاوطن رہیں وہ دن رات پارٹی کارکنوں کی رہائی کے لیے جدوجہد کرتی رہیں۔ جب عثمان غنی، ادریس بیگ، ایاز سموں اور الطاف بلوچ کو سزائے موت سنائی گئی تو وہ بے چین ہوگئیں۔ انہوں نے کینیڈا میں مجھے فون کیا اور روتے ہوئے مجھے یہ منحوس خبر سنائی کہ پارٹی کے کارکنوں کو سزائے موت سنائی گئی ہے انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ کارکنوں کی جان بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے انہوں نے خود بھی موت کی سزاؤں پر عملدرآمد رکوانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ پارٹی کارکنوں کے درمیان بہت سی دیواریں حائل ہوجاتی ہیں جس

سے پارٹی کارکنوں کے جذبے سرد پڑ جاتے ہیں۔ جلاوطنی کے دوران بے نظیر بھٹو کو یورپی اور امریکی ذرائع ابلاغ میں جو کوریج ملی وہ کسی سربراہ حکومت کے نصیب میں بھی نہیں ہوتی۔ بے نظیر بھٹو ایک مسلمان خاتون ہیں، باصلاحیت ہیں انہوں نے ایک مذہبی معاشرہ میں جس جرأت اور ہمت سے ایک ڈکٹیٹر کا مقابلہ کیا اس کا یورپ اور امریکہ کے عوام پر گہرا اثر ہے ظاہر ہے ان کی مقبولیت میں بھٹو شہید کا بڑا دخل ہے۔ بے نظیر بھٹو نے اپنی جلاوطنی کے ایام میں جنرل ضیاء الحق کو کمزور کرنے کی پوری کوشش کی وہ لندن میں بیٹھ کر رات دن محنت کر کے پاکستان اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں پارٹی تنظیموں کی راہنمائی کرتی رہیں۔

بے نظیر بھٹو نے جب لندن میں اپنے کان کا آپریشن کرایا تو میں نے انہیں ایک خط لکھا کہ میں ان کے کان کے بارے میں بہت فکر مند ہوں کیونکہ جس کان کا آپریشن ہوا ہے وہ بایاں ہے اور اگر خدانخواستہ بایاں کان مکمل طور پر صحت یاب نہ ہوا تو پارٹی کے اندر بائیں بازو کی بات کون سنے گا۔ محترمہ نے سردار مظہر اور قیوم بٹ کی رکنیت بحال کر دی اور خط لکھ کر مجھے اس بات کی اطلاع دی۔

لندن میں دو سال: اپنی جلاوطنی کے دو سال لندن میں گزارے۔ 1985ء میں پاکستان میں غیر جماعتی انتخابات ہوئے اور ان غیر جماعتی انتخابات کے بطن سے مسلم لیگ جنم لیا تو ملک سے مارشل لاء اٹھا لیا گیا۔ میں ملک واپسی کے لئے تڑپ رہا تھا۔ چنانچہ میں نے 1986ء میں وطن واپس آنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے بچوں کو براہ راست پاکستان روانہ کر دیا اور خود چند ہفتوں کے لئے کینیڈا سے لندن آ گیا۔ میں نے بے نظیر بھٹو سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ ان کے ساتھ پاکستان واپس جاؤں مگر انہوں نے منع کر دیا اور کہا کہ ''ملک سے باہر آپ پارٹی کے لئے کام کر رہے ہیں جبکہ پاکستان میں آپ کو جیل میں رہنا پڑے گا۔'' جب میری فیملی پاکستان پہنچی تو پولیس نے میرے بارے میں پوچھ گچھ شروع کر دی۔ دریں اثناء حکومت کی جانب سے میرے بارے میں اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں کہ میں مختلف مقدمات میں ملوث ہوں اور پولیس کو مطلوب ہوں۔ ان خبروں کے بعد میں نے وطن واپسی کا ارادہ ترک کر دیا اور کچھ عرصہ لندن میں قیام کا فیصلہ کیا۔ اوٹاوہ کینیڈا میں زندگی کے ایام بڑے تلخ گزر رہے تھے کیونکہ وہاں پر سیاسی اور سماجی سرگرمیاں مفقود تھیں لندن پہنچ کر یوں محسوس ہوا جیسے اپنے گھر واپس آ گیا ہوں۔ لندن ایک ایسا شہر ہے جہاں پر کسی بھی ملک کا باشندہ اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ اس بین الاقوامی شہر میں ہر قسم کی سرگرمیاں موجود ہیں۔ جنگ لندن کے ذریعے اپنے دیس کی خبریں روزانہ ملتی رہتی ہیں۔ لندن میں پی پی پی کے بہت سے کارکن جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ برطانیہ میں پاکستان پیپلز پارٹی کی موثر فعال اور متحرک تنظیم موجود ہے اس وقت کپتان حکم داد خاں مرحوم برطانیہ پیپلز پارٹی کے صدر تھے جنہیں پی پی پی سے جنون کی حد تک عشق تھا انہوں نے برطانیہ میں پارٹی کو

منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

مقامی کارکنوں اور جلا وطنوں کی کشمکش: جب میں لندن پہنچا پی پی پی میں گروپ بن چکے تھے۔ جن میں قیوم بٹ گروپ اور مصطفیٰ کھر گروپ نمایاں تھے۔ پی پی پی کے جلا وطنوں اور مقامی کارکنوں میں تضاد پائے جاتے تھے۔ جلا وطن اس لئے اہمیت چاہتے تھے کیونکہ انہوں نے مارشل لاء کی سختیاں برداشت کی تھیں اور پارٹی سے وابستگی کی وجہ سے اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ مقامی کارکن جلا وطنوں کو عزت دینے کے لئے تو تیار تھے مگر اپنے سر پر بٹھانے کے لئے تیار نہ تھے۔ لندن میں میرے قیام کے دوران مقامی لوگوں میں چودھری فضل حسین، گلزار خان، بشیر انقلابی، محبوب حسین، منصور راجہ، ملک محمد انور، الطاف خان، ڈاکٹر اطہر محمود، ارشاد بخاری، سکینہ بی بی مرزا مظفر حسین، زیڈ اے فاروقی بیرسٹر افضل ملک اور جلا وطنوں میں ڈاکٹر ظفر نیازی، ڈاکٹر نصیر شیخ، نسیم احمد، جام صادق علی، مس ناہید خان، صفدر ہمدانی، قیوم بٹ، سردار مظہر علی شیخ تاج دین، حبیب بلوچ، طارق شیخ، بیرسٹر افتخار، آغا اقبال آصف ہاشمی، شیخ شاہد علی، سعادت شاہ، میاں محمد اقبال، شمیم احمد خان، راجہ جاوید، غضنفر علی شاہ، کلیم دل خان، پارٹی کی سرگرمیوں میں پورے جوش اور جذبے سے حصہ لے رہے تھے۔ میں نے پارٹی کے اندرونی اختلافات کو ختم کرنے کے لئے پوری کوشش کی میں نے برطانیہ میں مقیم مقامی لوگوں کو زیادہ اہمیت دی کیونکہ وہ کسی سیاسی مفاد کے بغیر پارٹی کے لئے کام کر رہے تھے اور انہیں مستقل طور پر برطانیہ میں رہنا تھا جبکہ جلا وطنوں کا قیام عارضی تھا۔لہٰذا پارٹی مفاد میں جلا وطنوں کا فرض تھا کہ وہ حکم دینے کی بجائے مقامی کارکنوں سے بھرپور تعاون کریں اور مقامی تنظیم کو آزادی سے کام کرنے دیں۔ پارٹی میں اختلاف اس وقت پیدا ہوا جب جلا وطن سیاستدانوں نے مقامی تنظیموں میں مداخلت شروع کر دی۔ میں نے مقامی تنظیموں میں مداخلت کی شدید مخالفت کی جس سے مقامی تنظیموں میں ایک نیا جوش اور جذبہ پیدا ہوا۔ برطانیہ پیپلز پارٹی نے پاکستان میں جمہوریت کی بحالی اور اسیر کارکنوں کی رہائی کے لئے اہم کردار ادا کیا۔

جام صادق کی لندن میں سرگرمیاں: جام صادق نے لندن میں بڑی فعال زندگی گزاری۔ ان کی رہائش گاہ سیاست کا مرکز تھی اور اس سیاسی مرکز کی رونق جام صادق کی شخصیت سے زیادہ ان کے گھر میں ایک چھوٹی سی بار کی وجہ سے تھی جہاں مختلف قسم کی شراب کی بوتلیں ہر وقت اپنے مہمانوں کی منتظر رہتی تھیں۔ جام صادق کی مہمان نوازی زمانے بھر میں مشہور تھی۔ پاکستان سے کوئی بھی شخصیت لندن آتی تو جام صادق اسے دعوت پر ضرور بلاتے۔ دولت حاصل کرنے اور پھر اسے خرچ کرنے کی خوبی میں نے جام صادق کے علاوہ اور کسی میں نہیں دیکھی۔ جام صادق کثرت سے شراب پینے کے عادی تھے بسیار نوشی کے باوجود اکثر ہوش میں رہتے۔ بے نظیر بھٹو سے ملاقات سے پہلے جام صادق کو اکثر

اوقات شراب کی بو کو ختم کرنے کے لئے اپنے منہ میں ایک خاص قسم کا سپرے کرنا پڑتا۔ بے نظیر بھٹو پارٹی کی میٹنگیں جام صادق کی رہائش گاہ پر کرتی تھیں۔ وہ انہیں چچا کہتیں اور جام صادق محترمہ کو ہاتھ باندھ کر ملتے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ بے نظیر بھٹو سے کسی چچا نے وفا نہیں کی البتہ غریب کارکنوں نے بھٹو خاندان سے اس حد تک وفاداری کا ثبوت دیا کہ غالب کا یہ شعر ان بے لوث کارکنوں پر صادق آتا ہے۔

وفا داری بشرطِ اُستواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانہ میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

جب محمد خان جونیجو وزیراعظم پاکستان کی حیثیت سے برطانیہ کے دورے پر آئے تو پاکستان پیپلز پارٹی نے ان کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ جام صادق علی نے اس مظاہرے میں شرکت نہ کی بلکہ وہ محمد خان جونیجو سے ملاقات کے لئے بھی تیار تھے۔ سندھ کا وزیراعلیٰ بننا ان کی دیرینہ خواہش تھی یہ کسی کے تصور میں نہیں آسکتا تھا کہ وزیراعلیٰ بن کر جام صادق اس قدر ظالم اور جابر ہو جائیں گے اور پی پی پی کی مخالفت میں حد سے گزر جائیں گے۔

میں نے لندن میں قیام کے دوران پارٹی کے لئے سرگرمی سے کام کیا اور محترمہ بے نظیر بھٹو سے میرا پاکستان میں رابطہ مسلسل قائم رہا۔ میں نے ایمنسٹی انٹرنیشنل اور اراکین پارلیمینٹ سے رابطہ رکھا اور انہیں پاکستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارے میں آگاہ کرتا رہا۔ 1988ء میں جب جنرل ضیاء الحق حادثے کا شکار ہوئے تو میں نے وطن واپسی کا ارادہ کر لیا۔ لندن میں پارٹی کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ پاکستان کے حالات غیر یقینی ہیں اور پمفلٹ کیس میں مجھے چودہ سال کی قید کی سزا سنائی جا چکی ہے لہٰذا مجھے انتخابات کے بعد پاکستان واپسی کا فیصلہ کرنا چاہئے۔ میں آٹھ سال سے اپنی سرزمین کو دیکھنے کے لئے ترس رہا تھا لہٰذا میں پاکستان واپس پہنچ گیا۔ طیارے سے اترتے ہی سجدہ ریز ہو کر زمین کو بوسہ دیا۔ ہزاروں کی تعداد میں پارٹی کے کارکن میرے استقبال کے لئے ایئرپورٹ پر موجود تھے۔ منور انجم، واجد علی شاہ، شاہنواز بھٹی اور میاں ماجد نے استقبال کے انتظامات میں گہری دلچسپی لی توقع کے مطابق پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا اور ایئرپورٹ کے عقبی راستوں سے ہوتے ہوئے گلبرگ تھانہ میں بند کر دیا اور وہاں سے کیمپ جیل منتقل کر دیا۔ میں انتخابات میں صوبائی اسمبلی کا اُمیدوار تھا۔ انتخابات سے دو ہفتہ پہلے لاہور ہائی کورٹ نے مجھے ضمانت پر رہا کر دیا۔ کیمپ جیل سے ایک بڑے جلوس کے ساتھ داتا دربار حاضری دی اور بعد میں گھر پہنچا۔

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

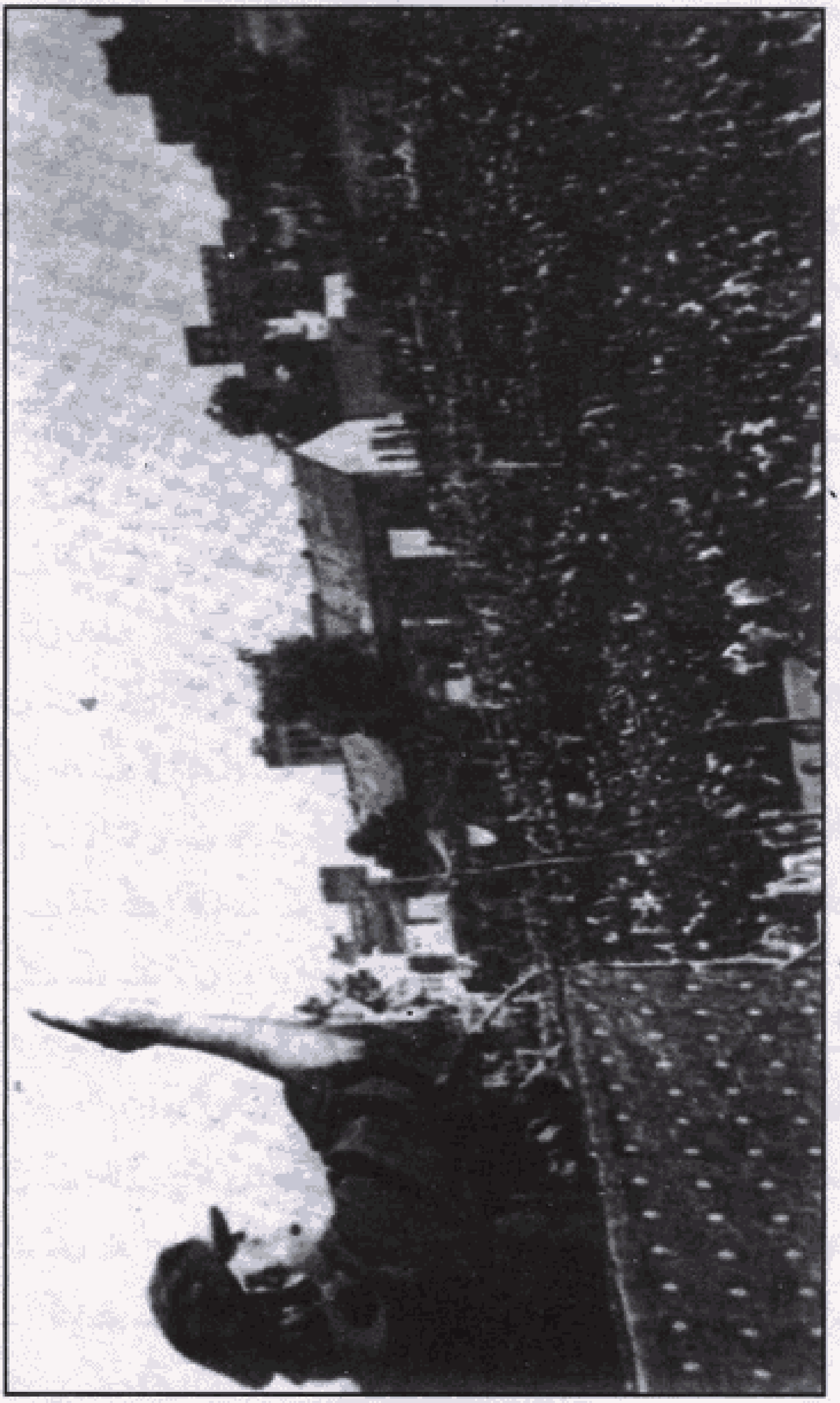

بھٹو انتخابی مہم کے دوران ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے

بھٹو اور کرپشن

پاکستان میں آجکل کرپشن کے چرچے ہیں اخبارات کرپشن کی داستانوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ قومی احتساب بیورو (نیب) نے کئی سابق وزیراعظم، وزیراعلیٰ، ایم این اے، ایم پی اے اور سول وملٹری بیوروکریٹس کے خلاف کرپشن کے ریفرنس دائر کئے ان میں سے سینکڑوں جیلوں میں بند سزائیں بھگت رہے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد بھٹو کے خلاف تفصیلی تحقیقات کرائیں۔ اس سلسلے میں کئی وفد بیرونی ممالک میں بھی بھیجے تاکہ بھٹو کے خلاف کرپشن کا ریکارڈ مل سکے مگر بھٹو کے خلاف ایک کیس بھی نہ مل سکا۔ جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کی کردار کشی کے لئے بے بنیاد الزامات بھی لگائے مگر ایک الزام بھی ثابت نہ ہوسکا۔ بھٹو نے اپنی آخری کتاب ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' میں اپنے خلاف الزامات کا جواب دیتے ہوئے تحریر کیا۔

''تمیں ملین روپے ایک پراسرار غیر ملکی سربراہ حکومت سے لینے کا فرضی الزام ان پیشکشوں کے مقابلہ میں بہت معمولی حیثیت رکھتا ہے جو میں نے وزیر خارجہ کی حیثیت سے اکتوبر 1963 اور دسمبر 1965ء میں حقارت سے ٹھکرا دی تھیں۔ میں پی این اے کا کوئی سیاست دان نہ تھا کہ اپنے ملک کی خارجہ پالیسی پر سودا کر لیتا۔ میں اور میری بیوی 1968ء کے موسم گرما میں پیرس میں تھے۔ ہمیں ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا اس ضیافت میں ایک بے انتہا دولت مند پڑوسی ملک کی شہزادی بھی مدعو تھی۔ ضیافت شروع ہونے سے پہلے اس نے مجھے اپنی رہائش گاہ پر ملنے کے لیے کہا۔ ہم اس کی شاندار رہائش گاہ پر گئے اور پاکستان اور اپنے علاقے کی سیاست پر بے تکلفانہ گفتگو کرنے لگے۔ اس کے بعد ہم ضیافت میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے لیکن یہ موضوع کار میں بھی چلتا رہا۔ شہزادی نے ایک ہیرے والا پینڈنٹ پہن رکھا تھا یہ ہیرا چٹان کی طرح تھا۔ جب کھانا ختم ہوگیا ہم کافی پینے کے لئے دوسرے کمرے میں گئے۔ میری بیوی اور میں ایک کونے میں شہزادی کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اس کے ساتھ اس کی دو مصاحب خواتین تھیں۔ شہزادی نے اس موضوع پر بات جاری رکھی۔ یہ بہت زندہ اور دلچسپ گفتگو بن گئی اس کے خاتمے پر شہزادی کچھ سوچ بچار کرنے لگی۔ وہ اپنے پینڈنٹ (ہار) کے ساتھ کھیلتی ہوئی گہری سوچوں میں گم تھی اچانک اس نے کہا ذوالفقار اگر تم پاکستان کے صدر بن گئے تو میں یہ ہار تمہیں دے دوں گی ہم خوشدلی سے ہنسنے لگے اور بات ختم ہوگئی کئی سال بعد جب پاکستان کے صدر کی حیثیت سے شہزادی کے عظیم ملک میں گیا تو اس نے مجھے اور میری بیوی کو اپنے محل میں مدعو کیا۔ جب ہم تمہیدی رسوم کے بعد ٹھیک سے بیٹھ گئے تو شہزادی نے ایک بند پیکٹ پیش کیا اور کہا کہ میں

اسے کھولوں۔ جب میں نے پیکٹ کھولا تو اس میں سے وہی ہیروں والا ہار نکلا۔ شہزادی نے کہا ہم اپنے وعدے نہیں توڑتے بڑے جتن اور دلائل کے بعد شہزادی نے میری دشواری کو سمجھ لیا میں نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنا قیمتی ہار واپس لے لیں۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی خواہش اور خیال میرے لیے اس تحفے سے زیادہ قیمتی ہے۔

1970ء کے انتخابات کے دوران میں فلیٹیز ہوٹل لاہور میں مقیم تھا جب ایک غیر ملکی مجھے ملنے آیا۔ تعارف اور رسمی تکلفات کے بعد اس شریف آدمی نے مجھے بتایا کہ اس کے صدر نے انتخابات میں میری مالی مدد کی پیش کش کی ہے۔ میرا ردعمل کیا تھا۔ اس پیشکش کے ٹھیک چار دن بعد لاہور کے کچھ وکیلوں نے انٹرنیشنل ہوٹل میں مجھے استقبالیہ دیا یہاں میں نے مشرق وسطیٰ کے تصفیے کے لیے ایک راجرز پلان قبول کرنے پر اس صدر پر زبردست حملے کئے میری اس تقریر کے ایک ہفتہ کے بعد اس ملک کا سفیر مجھے کراچی میں میری رہائش گاہ پر ملنے کے لئے آیا اس نے مجھے بتایا کہ صدر نے میری تقریر پڑھ لی ہے اور کہا ہے کہ میں نے اس کا دل توڑ دیا ہے میں نے سفیر سے کہا کہ وہ میرا پیغام انتہائی احترام سے صدر تک پہنچا دیں کہ "انہوں نے میرا دل توڑا تھا"

ایسی ان گنت مثالیں ہیں ان میں سب سے تازہ یہ ہے کہ اکتوبر 1976ء میں سعودی عرب کے عزت مآب شاہ خالد پاکستان کے دورے پر آئے۔ انہوں نے مجھے رولز رائس کار دی اور اصرار کیا یہ ذاتی تحفہ ہے جو صرف میری ذات کے لیے ہے۔ بہرحال اس کار کو فوری طور پر سرکاری املاک میں رجسٹر کرادیا گیا میں نے شاہ خالد کا اس فیاضانہ تحفے پر دلی شکریہ ادا کیا تھا اگر گورنر جنرل غلام محمد شاہ ابن سعود کی کیڈلک کار اپنے لیے لے سکتا تھا تو میں بھی یہ رولز رائس کار اپنے لیے رکھ سکتا تھا۔ میں کوئی ولی نہیں ہوں لیکن میں اتنا گناہ گار بھی نہیں ہوں جتنا یہ فوجی ٹولہ مجھے بنا کر پیش کر رہا ہے۔ میں ایسے معاملات کو سامنے لانے میں کوئی مسرت محسوس نہیں کرتا لیکن میں کیا کر سکتا ہوں یہ فوجی حکومت اپنا توازن کھو چکی ہے۔ میں اپنے نام کے دفاع کے لیے واضح اور برملا تھوڑی سی معلومات سامنے لانے پر مجبور کر دیا گیا ہوں۔ ان تمام برسوں میں بڑے رشک کے ساتھ میں نے اپنی نیک نامی کی حفاظت کی ہے۔ مجھ میں کئی خامیاں ہیں میں غلطیوں کا پتلا ہوں لیکن میری کوئی بھی خامی ہو ایک بدعنوان اور کرپٹ آدمی نہیں ہوں۔

اس معاندانہ انداز میں کسی کی بدنامی کرنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے یہ تو ہوس انتقام کا ایک سلسلہ ہے۔ مجھے اذیت دینے والوں نے پاکستان کے نام کی تذلیل کی ہے۔ تیس سے پینتیس سال کی خدمات میرے پس منظر میں کھڑی ہیں۔ وقت ہی یہ بتائے گا کہ میرا نام برصغیر کے مجرموں کے ساتھ لیا جائے گا یا ان ہیروز میں جن کی شہرت دینا بھر میں پھیلتی ہے۔ میرے نام اور میرے وقار کے محافظ عوام ہیں اور یہ وقار تاریخ کے دل میں دھڑکتا رہے گا۔"

ڈاکٹر مبشر حسن بھٹو کی کابینہ میں وزیر خزانہ تھے انہوں نے حال ہی میں ایک کتاب "Mirage of Power" لکھی ہے جس میں ذوالفقار علی بھٹو کی دیانت کے بارے میں ذاتی مشاہدات تحریر کیے ہیں۔

''11 ستمبر 1972ء وزارت خزانہ کو ایکسچینج کنٹرول ایکٹ کے مطابق ایک درخواست موصول ہوئی جس میں کہا گیا کہ صدر پاکستان کے بڑے صاحبزادے مرتضیٰ کو سٹیٹ بینک کے ذریعے ایک سو ڈالر خریدنے کی اجازت دی جائے۔ مرتضیٰ امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا چھٹیاں گزارنے پاکستان آیا ہوا تھا اور واپسی پر میونخ جرمنی میں اولمپک گیمز کے لیے رکنا چاہتا تھا میں نے فائل پر نوٹ لکھا کہ صدر پاکستان کے بیٹے کا وہی استحقاق ہے جو عام پاکستانی طالب علم کا ہے۔ صدر پاکستان کے سیکرٹری افضل سعید نے مجھے ٹیلی فون کیا میں نے اسے کہا کہ میں نے فیصلہ دے دیا ہے جسے تبدیل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس نے مجھ سے بحث کی اور اصرار کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے درخواست بھیجنے سے پہلے بھٹو صاحب کو بتا دیا تھا میں غصے میں آگیا اور کہا کہ اسے کیا پتہ کہ صدر پاکستان اور اس کے بیٹے کے لیے کیا بہتر ہے میں خود صدر سے بات کر لوں گا اسی شام میں نے بھٹو صاحب کو مرتضیٰ کی درخواست مسترد کرنے کی وجوہات بتائیں اور انہوں نے کسی بے چینی کا اظہار نہ کیا''

''پاکستان کے سابق ایئر مارشل رحیم نے (جنہیں ریٹائرمینٹ کے بعد سپین میں سفیر تعینات کیا گیا تھا) درخواست کی کہ انہیں ریٹائرمینٹ کے بعد ملنے والے تمام الاؤنسز ڈالروں میں ادا کیے جائیں۔ اور ایکسچینج ریٹ پاکستانی روپے کی قیمت میں کمی سے پہلے کا لگایا جائے۔ بھٹو صاحب نے ایک دو بار رحیم کی پر زور سفارش کی اور محسوس ہوتا تھا کہ وہ رحیم سے وعدہ کر چکے ہیں۔ وزارت خزانہ کے پاس رحیم کی درخواست منظور کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ 13 مارچ 1972ء کو میں نے صدر پاکستان کو ایک نوٹ بھیجا جس میں تحریر کیا کہ ایئر مارشل رحیم نے مجھ سے ملاقات کی اسے پوری عزت دی گئی میں بڑے دکھ کے ساتھ رپورٹ کر رہا ہوں کہ ایئر مارشل رحیم نے ملاقات کے دوران کہا کہ پاکستان کا کوئی مستقبل نہیں ہے اس کے بیٹے جوان ہیں لہٰذا ان کے مستقبل کے لیے اس کا پاکستان واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ حیران کن بات ہے کہ ایک آرمی آفیسر جو ملک کے لیے جان قربان کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ریٹائرمینٹ کے بعد اس کا رویہ ملک کے بارے میں مختلف ہو جاتا ہے۔ جہاں تک اس کی درخواست کا تعلق ہے مجھے افسوس ہے کہ رولز کے مطابق اسے ڈالروں میں ادائیگی نہیں کی جاسکتی۔ وزارت خزانہ کا خیال ہے کہ اگر ایئر مارشل رحیم کو یہ سہولت دی گئی تو اس فیصلہ پر زبردست تنقید ہوگی جس کا جواب دینا ممکن نہ ہوگا۔''

صدارتی امور کے مشیر جناب جے اے رحیم نے فائل پر نوٹ لکھا کہ ''اگر ریٹائرڈ ایئر مارشل کو پاکستان کی سلامتی کا یقین نہیں ہے تو پھر اسے بیرون ملک پاکستان کی نمائندگی کا فرض نہیں سونپا جانا

http://www.apnaorg.com

چاہئے‘‘۔ ذوالفقار علی بھٹو نے 15 مارچ کو فائل واپس کر دی اور اس پر یہ نوٹ تحریر کیا۔

’’میں آپ سے متفق ہوں یہ حیران کن امر ہے کہ اس نے (ریٹائرڈ ایئر مارشل) ملک کے بارے میں افسوسناک رویے کا اظہار کیا‘‘

’’آئی جی پولیس پنجاب راؤ رشید نے وزارت خزانہ کو بتایا کہ پولیس نے بھاری مقدار میں ممنوعہ بور کا غیر قانونی اسلحہ پکڑا ہے جو ایک بڑے ڈیلر نے درآمد کیا ہے۔ اسلحہ کے بکسوں پر غیر ممنوعہ بور کے سٹکر چسپاں کیے گئے تھے۔ اس طرح کسٹم ایکٹ کی سنگین خلاف ورزی ہوئی ہے۔ اسلحہ کا ڈیلر بااثر شخص تھا میں نے اس کے خلاف مقدمہ درج کرانے کی ہدایت کی جب کیس رجسٹر ہو گیا تو مختلف وزیروں کی جانب سے اس کی سفارشیں آنا شروع ہو گئیں۔ میں نے گورنر پنجاب مصطفیٰ کھر سے بات کی اس نے بھی قانون کے مطابق کارروائی کرنے کا مشورہ دیا۔ اسلحہ کے ڈیلر نے صدر پاکستان کو درخواست بھجوائی کہ اسے انتقامی کارروائی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ بھٹو صاحب نے درخواست پر لکھا ’’اس قسم کے مسئلے میرے پاس کیوں آ رہے ہیں‘‘ میں نے فائل پر نوٹ لکھا کہ افسوس کی بات ہے کہ اس کیس میں تین وفاقی وزراء ایک وزیر مملکت اور ایک معاون خصوصی نے سفارش کی ہے حالانکہ کمپنی غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ بھٹو صاحب نے تین دن میں جواب دیا اور لکھا ’’قانون کے مطابق سخت کارروائی کی جائے‘‘ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی تصنیف ’’دختر مشرق‘‘ میں اپنے والد کے خلاف ضیاء حکومت کے کرپشن کے الزامات کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

’’بھٹو نے پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے لیے حکومت کے فنڈ خرچ کر کے بائیسکل اور موٹر سائیکل خریدے۔ مسٹر بھٹو نے سرکاری خرچ پر لاڑکانہ اور کراچی کے اپنے گھروں میں ایئر کنڈیشنز لگوائے مسٹر بھٹو نے سفارت خانوں کے ذریعے سرکاری فنڈ خرچ کر کے باہر سے گھریلو استعمال کے لیے ڈنر سیٹ اور ملبوسات منگوائے۔‘‘ حکومت نے میرے والد کے خلاف بدعنوانی، پیسوں کا غبن اور مجرمانہ الزامات کے ڈھیر پر ڈھیر لگا دیئے یہ جانتے ہوئے کہ قید خانہ کی کوٹھڑی سے ان کے لیے ان الزامات کی تردید ممکن نہیں ہوگی۔ انہوں نے ان کے پرسنل سیکرٹری کو گرفتار کر کے مزید احتیاط کا ثبوت دیا منظم فائل سسٹم کی وجہ سے مجھے اپنے والد کے خلاف مبینہ الزامات کی تردید کے لیے جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ کراچی میں ان کے کاغذات میں مل گئیں۔ شب و روز میں نے خاندان کے حسابات میں مغز ماری کی جن نقول کی وکلاء کو ضرورت تھی وہ ان کو بھیجتی رہی اور اگلے اقدامات کے لیے نئی ہدایات حاصل کرتی رہی۔ میرے والد نے ہر خرچ کا ریکارڈ رکھا ہوا تھا۔ تھائی لینڈ میں 1973ء میں اپنے سفر کے دوران 24 ڈالروں کے کپڑے کی خریداری کی رسید اور 1975ء میں اطالوی وال پیپر کی 218 ڈالر کی رسید تک وہاں موجود تھیں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ وزیراعظم کو بلا قیمت سرکاری میڈیکل مراعات کے باوجود انہوں نے اپنے مطالعہ کی عینکوں کی قیمت اپنی جیب سے ادا کی تھی۔ الزامات کے بارے میں

ہماری تردیدیں اخبارات میں شائع نہ ہوسکیں اور ہم نے بڑی محنت سے ''بھٹو۔ افواہ اور حقیقت'' کے نام سے ایک پمفلٹ جاری کیا جس میں الزامات کا جواب دیا گیا''۔

بھٹو کا دور حکومت کرپشن سے پاک تھا۔ بھٹو اور ان کے رفقاء شیخ محمد رشید، ڈاکٹر مبشر حسن، عبدالحفیظ پیرزادہ، ممتاز بھٹو، ملک معراج خالد، حنیف رامے، صاحبزادہ فاروق علی، حیات شیر پاؤ، جے اے رحیم، رفیع رضا اور خورشید حسن میر کے خلاف کوئی سکینڈل سامنے نہ آیا۔

http://www.apnaorg.com

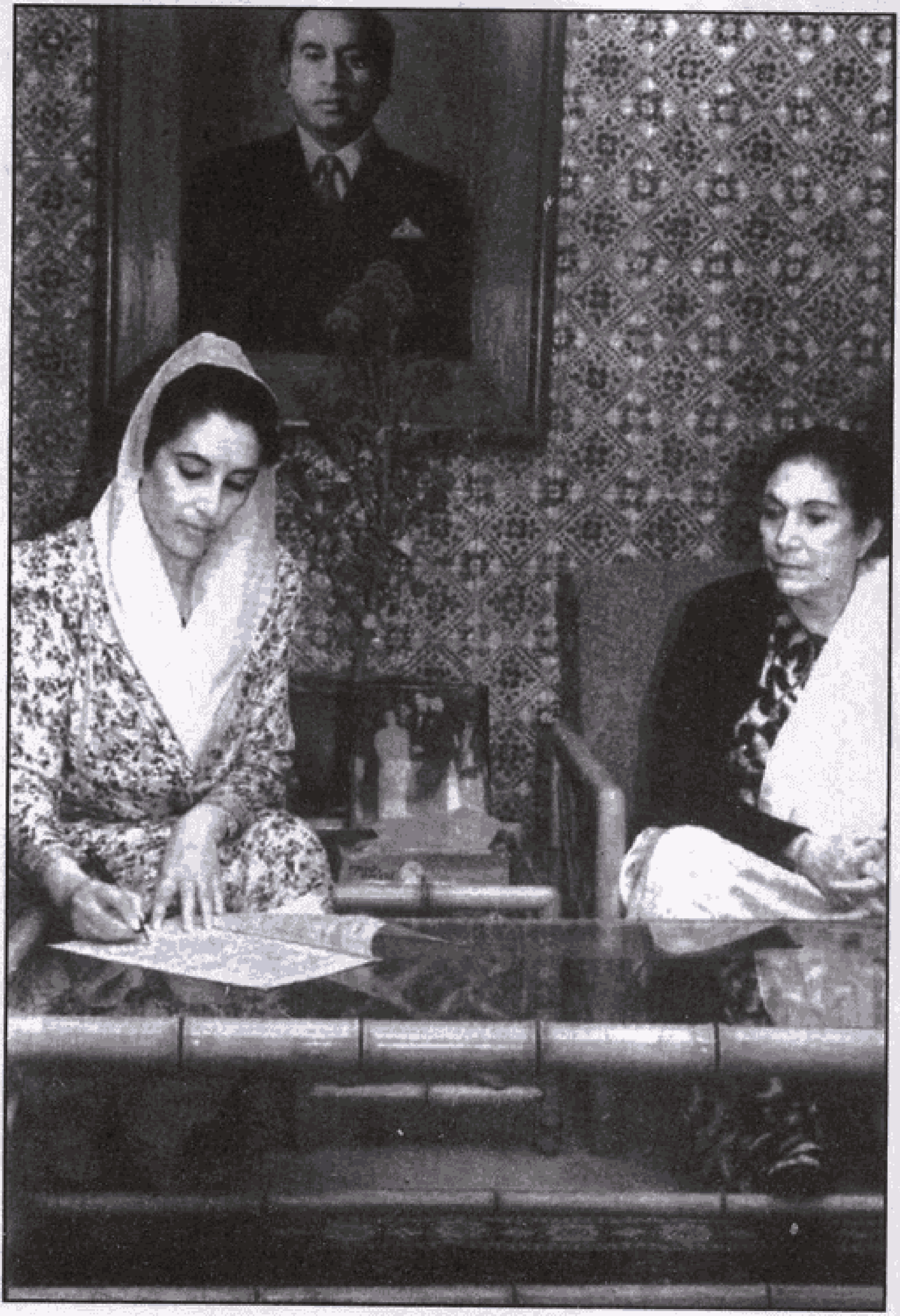

بے نظیر بھٹو اپنی والدہ نصرت بھٹو کے ہمراہ

http://www.apnaorg.com

بے نظیر آکسفورڈ سے وزیر اعظم ہاؤس تک

بے نظیر بھٹو 21 جون 1953ء کو پیدا ہوئیں۔ انہوں نے امریکہ اور برطانیہ کی معروف اور ممتاز یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی۔ وہ پہلی ایشیائی خاتون تھیں جنہیں آکسفورڈ یونین کا صدر منتخب ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ بے نظیر جب آکسفورڈ میں زیر تعلیم تھیں کنزرویٹو پارٹی نے مارگریٹ تھیچر کو اپوزیشن لیڈر نامزد کیا۔ طلبہ کے لیے برطانیہ کی پہلی خاتون وزیر اعظم ایک دلچسپ موضوع تھا۔ مارگریٹ تھیچر نے اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے بے نظیر کو ہاؤس آف کامنز میں چائے پر بلایا۔ بے نظیر کے لیے ایک سٹوڈنٹ کے طور پر یہ ملاقات ایک یادگار تجربہ تھا۔ آکسفورڈ میں بے نظیر نے تقریر کا فن سیکھا۔ اور ان کی شخصیت میں اعتماد پیدا ہوا۔ بے نظیر کو سیاست میں آنے کا شوق نہیں تھا۔ وہ برطانیہ میں پاکستان کی سفیر یا کسی اہم اخبار کی ایڈیٹر بننا چاہتی تھیں۔ ذوالفقار علی بھٹو شاید بے نظیر کو بین الاقوامی سطح کا سفارت کار بنانا چاہتے تھے اسی لیے انہوں نے اہم عالمی سفارت کاری کے مواقع پر بے نظیر کو اپنے ساتھ رکھا۔ جب لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد ہوا تو بے نظیر لاہور میں موجود تھیں۔ جب بھٹو شملہ گئے تو بے نظیر بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ بھارت میں بے نظیر کو پرجوش عوامی پذیرائی ملی۔ بے نظیر نے کچھ عرصہ فارن آفس اور وزیر اعظم کے سیکریٹریٹ میں بھی کام کیا اور ڈپلومیسی کی عملی تربیت حاصل کی۔ 1977ء کے انتخابات نے سیاسی منظر ہی تبدیل کر دیا۔ بھٹو بڑی آسانی سے اگلے پانچ سال بھی حکومت کر سکتے تھے مگر اندرونی اور بیرونی قوتوں نے ایک ایسا جال تیار کیا جس میں بھٹو پھنس گئے۔ 5 جولائی 1977ء کو جنرل ضیاء الحق نے بھٹو حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ بھٹو چاہتے تھے کہ مارشل لاء کے خاتمے اور جمہوریت کی بحالی کے لیے عوامی تحریک چلائی جائے وہ مرکزی لیڈروں کی جانب دیکھتے رہے۔ کوٹ لکھپت جیل سے بھٹو نے حفیظ پیرزادہ، ممتاز بھٹو اور مصطفیٰ کھر کو پیغامات بھیجے کہ لاہور آ کر احتجاجی جلوسوں کی قیادت کریں مگر وہ خوف زدہ ہوگئے۔ جاگیرداروں نے بھٹو کو یقین دلایا تھا کہ جہاں ان کا پسینہ گرے گا وہاں پر وہ اپنا خون گرائیں گے۔ جب موقع آیا تو سرمایہ دار، جاگیردار، وزیر، مشیر اور سفیر بھٹو کا ساتھ چھوڑ گئے۔ بیگم نصرت بھٹو نے مشکل وقت میں پارٹی کی قیادت کی مگر ان کی صحت سخت جدوجہد کے قابل نہ تھی۔ ان حالات میں پارٹی کے حامی اور کارکن مایوس تھے۔ مایوسی کے اس عالم میں ایک بہادر خاتون نے قیادت مہیا کی جو نہ وزیر تھی نہ مشیر تھی اور نہ سفیر تھی ہاں البتہ وہ بے نظیر تھی۔ بھٹو کے خلاف قتل کا مقدمہ چل رہا تھا سابق سینیٹر احمد وحید اختر اور میں نے بے نظیر کو مشورہ دیا کہ وہ پنجاب کا دورہ کریں اور ڈویژنل ہیڈ کوارٹر پر کارکنوں سے خطاب کر کے کارکنوں کو متحرک کریں۔ بے نظیر نے

بھٹو سے جیل میں مشورہ کیا تو انہوں نے ہماری تجویز سے اتفاق کیا اور بے نظیر کو ہدایت کی کہ پنجاب کے دورے میں فاروق لغاری اور قیوم نظامی کو اپنے ساتھ رکھیں۔ بے نظیر نے اپنی سیاسی زندگی کی پہلی تقریر فیصل آباد کے اجتماع میں کی اس تقریر کی ریہرسل انہوں نے اسلام آباد میں اپنے گھر شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر کی تھی۔ فیصل آباد کے عوام اور کارکنوں نے بے نظیر کا پر جوش خیر مقدم کیا اس طرح بے نظیر نے عوامی سیاست کا آغاز کر دیا۔ بے نظیر نے لاہور میں فاروق لغاری کے گھر پر پارٹی کارکنوں کے اجتماع سے خطاب کیا لاہور کے جیالوں نے ان کے لیے ''بھٹو کی تصویر بے نظیر'' کے نعرے لگا دیئے۔ پنجاب کے دورے کے سلسلے جب وہ ملتان گئیں تو ایئرپورٹ پر ان سے غیر انسانی سلوک کیا گیا۔ انتظامیہ کا مقصد بے نظیر کو خوف وہراس میں مبتلا کرنا تھا تاکہ وہ عوامی رابطہ ترک کر دیں مگر بے نظیر ثابت قدمی سے ڈٹی رہیں اور انہوں نے سرگودھا اور راولپنڈی میں بھی اجتماعات سے پرجوش خطاب کیا۔ پنجاب کے عوام اور کارکنوں نے بے نظیر کو مرکزی قیادت کے طور پر تسلیم اور قبول کر لیا۔

سپریم کورٹ نے جب بھٹو کے مقدمہ قتل کا فیصلہ سنا دیا تو مارشل لاء انتظامیہ نے پاکستان بھر میں پہلی اور دوسرے درجے کی پارٹی لیڈر شپ اور سرگرم کارکنوں کو جیلوں میں نظر بند کر دیا تاکہ بھٹو کو سزائے موت دی جائے تو ردعمل نہ ہو اور احتجاجی تحریک نہ چل سکے۔ بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو کو راولپنڈی کے قریب سہالہ کیمپ میں نظر بند کیا گیا۔ بے نظیر نے اپنی تصنیف ''دختر مشرق'' میں بھٹو کی پھانسی کے بعد اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''راولپنڈی سینٹرل جیل میں 4 اپریل کو صبح صادق سے بھی پہلے انہوں نے میرے والد کو قتل کر دیا۔ چند میل دور سہالہ کے ایک ویران پولیس ٹریننگ کیمپ میں اپنی والدہ کے ساتھ قید میں نے اپنے والد کی موت کے اس لمحے کو محسوس کیا۔ مجھے میری والدہ نے ویلیم کی سکون آور گولیاں دی تھیں تاکہ وہ اذیت ناک رات گزار سکوں میں اپنے بستر سے گھبراہٹ کے عالم میں اٹھ بیٹھی ''نہیں پاپا نہیں'' میرے رندھے گلے سے چیخ نکل گئی۔ میں سرد ہوتی گئی اور گرم موسم کے باوجود میرا جسم کپکپانے لگا۔ میرے لیے سانس لینا مشکل ہو گیا۔ ہم دونوں صبح سویرے اپنے والد کی میت کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ مگر ہمیں ان کی میت کے ہمراہ جانے اور آخری دیدار کرنے کی اجازت بھی نہ ملی''

جنرل ضیاء الحق اور اس کے ساتھیوں کو یقین تھا کہ بھٹو کی پھانسی کے بعد بھٹو خاندان مایوس ہو کر سیاست ترک کر دے گا اور پی پی پی تاریخ کا حصہ بن کر رہ جائے گی۔ بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو نے پاکستان میں رہ کر عملی سیاست کرنے کا فیصلہ کیا تو جرنیل ششدر رہ گئے۔ بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر کے لیے بڑا آسان تھا کہ وہ اپنے پسندیدہ ملک چلی جاتیں اور اپنی زندگی سکون سے گزارتیں مگر انہوں نے پاکستان سے باہر جانے کے بجائے ملک کے اندر رہ کر پی پی پی کی قیادت کو ترجیح دی۔ بھٹو کی پھانسی کے بعد بھٹو خواتین کے اس پر عزم اور جرأت مندانہ فیصلہ کے بعد پاکستان کے عوام کے دلوں

میں بھٹو خاندان کی محبت کے چشمے پھوٹ پڑے جو آج تک بہہ رہے ہیں۔ محترمہ کا پی پی پی کے لیڈروں اور کارکنوں سے تعارف نہ تھا لہٰذا ابتداء میں ان کو پارٹی چلانے میں مشکلات پیش آئیں۔ جنرل ضیاء الحق کے طویل مارشل کے دوران اکثر پرانے لیڈر مصلحت کا شکار ہوگئے جبکہ پارٹی کارکنوں نے قربانیاں دیں اور ایک نئی نوجوان قیادت سامنے آئی۔ بے نظیر کو رفتہ رفتہ اندازہ ہوگیا کہ پرانے لیڈر زیادہ عرصہ ان کے ساتھ نہیں چل سکیں گے لہٰذا انہوں نے بھی نوجوان لیڈر شپ پر زیادہ بھروسہ کیا۔ مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو ملک سے باہر چلے گئے اور انہوں نے اپنے باپ کے قتل کے ردعمل کے طور پر الذوالفقار تنظیم قائم کرلی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے پی پی پی کو اس تنظیم سے الگ تھلگ رکھا اور جمہوری جدوجہد پر توجہ مرکوز رکھی۔ جنرل ضیاء الحق نے جب دیکھا کہ انتخابات میں پی پی پی ایک بار پھر جیت جائے گی تو انہوں نے عام انتخابات ملتوی کر دیئے اور فوجیوں نے 70 کلفٹن کا محاصرہ کرلیا۔ بے نظیر بھٹو نے پارٹی کی اہم دستاویز اور ریکارڈ غسل خانہ میں لے جا کر جلا دیا تاکہ مارشل لاء انتظامیہ کو پارٹی کارکنوں کی لسٹیں نہ مل سکیں اور مارشل لا انتظامیہ ان کو گرفتار نہ کرسکے۔

بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو نے مارشل لاء کے دوران بے مثال قربانیاں دیں۔ بیگم بھٹو کرکٹ میچ دیکھنے کے لیے قذافی سٹیڈیم پہنچیں تو ان کے سر پر پولیس نے لاٹھیاں ماریں جس سے ان کا سر پھٹ گیا اور انہیں ہسپتال داخل ہو کر سر پر ٹانکے لگانے پڑے۔ ایم آر ڈی کی تحریک کے دوران بیگم بھٹو برقعہ پہن کر بذریعہ ریل کراچی سے لاہور پہنچیں اور میاں محمود علی قصوری کی رہائش گاہ پر ایم آر ڈی کی میٹنگ میں شرکت کی۔ ایم آر ڈی کی تشکیل سے جنرل ضیاء الحق بوکھلا گئے تھے۔ مگر پی آئی اے کے طیارے کے اغوا نے تحریک کو کمزور کردیا۔ بیگم بھٹو اور بے نظیر طویل عرصہ مختلف شہروں میں نظر بند رہیں۔ جب ان کو گھروں پر نظر بند کیا جاتا تو ان کے فون کاٹ دیئے جاتے اور گھر کو سب جیل قرار دیا جاتا اور ملاقاتوں پر پابندی لگا دی جاتی۔ بے نظیر کی زندگی کا مشکل ترین دور سکھر جیل میں نظر بندی کا تھا۔ سخت گرمی میں ان کو جیل میں قید رکھا گیا اور کسی قسم کی سہولت فراہم نہ کی گئی بلکہ گھر کے کھانے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ سکھر جیل میں بے نظیر کو کان کی تکلیف شروع ہوگئی۔ میڈیکل بورڈ نے انہیں بتایا کہ ان کے کان میں سوراخ ہوگیا ہے جس کا علاج پاکستان میں نہیں ہے۔ انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں نے جنرل ضیاء الحق پر دباؤ ڈالا کے بے نظیر کو علاج کے لیے بیرون ملک جانے کی اجازت دی جائے۔ بھٹو خاندان کے افراد نے مجموعی طور پر 25 سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ مارشل لاء انتظامیہ نے عالمی دباؤ کے تحت بے نظیر کو کان کے علاج کے لیے لندن جانے کی اجازت دے دی۔ بیرون ملک جانے سے پہلے پی پی پی کی سینٹرل ایگزیکٹو نے بے نظیر کو شریک چیئرپرسن نامزد کردیا تھا اور وہ عوام کی مسلّمہ لیڈر بن چکی تھیں۔ لندن میں پہلے ہی شیخ محمد رشید، غلام مصطفیٰ کھر، ممتاز بھٹو، عبدالحفیظ پیرزادہ، ڈاکٹر غلام حسین اور پارٹی کے اہم کارکن موجود تھے جو جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ لندن کے قیام

http://www.apnaorg.com

کے دوران جب بے نظیر نے امریکہ کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا تو شیخ محمد رشید اور ان کے ساتھیوں نے سخت مخالفت کی وہ امریکہ کو بھٹو کا قاتل سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ بے نظیر امریکہ کی بجائے روس کا دورہ کریں۔ بے نظیر سیاست کو ممکنات کا آرٹ سمجھتی ہیں لہٰذا انہوں نے پارٹی کے اندر شدید مخالفت کے باوجود امریکہ کا دورہ کیا اس دورے کے دوران میں بھی بے نظیر کے ہمراہ تھا۔ بے نظیر نے امریکہ میں اراکین پارلیمنٹ، انسانی حقوق کی تنظیموں اور امریکہ میں مقیم پاکستانیوں سے ملاقاتیں کر کے ضیائی مارشل لاء کے گھناؤنے چہرے کو بے نقاب کیا اور ان کی توجہ پاکستان کی جیلوں میں قید ضمیر کے قیدیوں کی جانب دلائی۔ لندن میں جلا وطنی کے دوران بے نظیر بڑی متحرک اور فعال رہیں وہ آفس کا کام خود کرتیں۔ خود خط ڈرافٹ کر کے ٹائپ کرتیں اور لفافے پر ایڈریس لکھ اور ٹکٹ لگا کر سپرد ڈاک کرتیں۔ جلا وطنی کے زمانے میں ڈاکٹر ظفر نیازی مرحوم، مس ناہید خان، صفدر ہمدانی، ڈاکٹر صفدر عباسی اور بشیر ریاض نے محترمہ کی معاونت کی۔ بے نظیر نے لندن سے ماہنامہ "عمل" بھی جاری کیا جو پاکستان اور دنیا کے تمام ممالک کو باقاعدگی سے روانہ کیا جاتا۔ جنرل ضیاء الحق نے 1985ء میں غیر سیاسی بنیادوں پر ملک میں عام انتخابات کرانے کا اعلان کیا بے نظیر اس وقت لندن میں جلا وطنی کے دن گزار رہی تھیں۔ ایم آر ڈی کے تمام لیڈر اس بات پر متفق تھے کہ غیر سیاسی انتخابات میں سیاسی جماعتوں کو حصہ نہیں لینا چاہئے۔ بے نظیر ایم آر ڈی کی واحد لیڈر تھیں جنہوں نے زور دیا کہ انتخابات میں میدان خالی نہ چھوڑا جائے اور انتخابات میں حصہ ضرور لیا جائے۔ سیاسی تجزیہ نگار حیران تھے کہ ایم آر ڈی میں شامل جماعتوں نے انتخابات کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیوں کیا۔ 1985ء کے انتخابات میں سیاسی جماعتوں کے بائیکاٹ کی وجہ سے غیر سیاسی افراد کو سیاست میں آنے کا موقع مل گیا اور پاکستان میں پہلی بار سیاست میں دولت کا عنصر غالب آ گیا اور سیاسی جماعتیں کمزور ہوئیں آنے والے وقت نے ثابت کیا کہ بے نظیر بھٹو کی رائے درست تھی کہ سیاسی جماعتوں کو میدان خالی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ بے نظیر کے بارے میں یہ تاثر درست نہیں کہ وہ جنرل ضیاء الحق کے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہوگئی تھیں۔ بھٹو کی پھانسی کے بعد بھٹو خاندان کو 1985ء میں ایک اور المیے کا سامنا کرنا پڑا۔ میر شاہنواز بھٹو فرانس میں اپنے گھر کے کمرے میں پراسرار طور پر مردہ پائے گئے ان کی پراسرار موت کے بارے میں کئی کہانیاں اخبارات میں شائع ہوئیں جو کہانی عوام میں زیادہ مقبول ہوئی اس کے مطابق شاہنواز کی موت کے ذمے دار بھی جنرل ضیاء الحق تھے۔ بھٹو خاندان کے لیے یہ دوسرا بڑا صدمہ تھا۔ بے نظیر بھٹو غم زدہ اور بوجھل دل کے ساتھ اپنے نوجوان بھائی کی میت لے کر لاڑکانہ پہنچیں ایک اندازے کے مطابق پانچ لاکھ افراد نے شاہنواز کے جنازے کی رسومات میں شرکت کی۔ بے نظیر کا نوجوان بھائی خود شہید ہو گیا مگر اپنی بہن کو ایک نیا حوصلہ دے گیا۔ بے نظیر نے عوام کی محبتوں کو دیکھ کر اپنے غم کو عزم میں تبدیل کر لیا۔ بے نظیر نے اپنی نظم میں شاہنواز کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

http://www.apnaorg.com

وہ پیارا حسین نوجواں
ایک آمر سے لڑتا رہا
آخری سانس پیارے وطن سے
بہت دور کھینچی
میں قیدی نہیں جسم کا ہوں
بدن شاہ کا گھر تو آیا
وطن کی یہ مٹی نہ تھی اجنبی
اجل نے بدن کو لگایا گلے
وطن کی روایتی زندہ داستاں
کا ایک حصہ بنایا
جسم کو سرد ریگ زاروں کی
گہرائیوں میں اتارا
دل ہمارے ہوئے فخر سے بلند
اور غم سے نڈھال
گوناگوں تھے لرزتے ہوئے جذبات
زندگی اپنی آزادی کے آدرش
پر کی قربان
ایک آمر سے نجات پائی
ہم نے دفنایا اس کو اس کے وطن میں
لاکھوں افراد کی دعاؤں کے ساتھ
جو تھے زندگی میں بھی چاہتے اسے
موت کے بعد بھی ان کی چاہت جواں
مر گئے، جدوجہد کو جوان کر گئے

بے نظیر بھٹو نے اپریل 1986ء میں جلا وطنی ختم کر کے پاکستان واپسی کا اعلان کر دیا۔ پارٹی نے استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں۔ راقم ان دنوں لندن میں تھا بے نظیر کو تقریر کے لیے مختلف نکات لکھ کر دیئے اور مشورہ دیا کہ لاہور میں یہ اعلان کرایا جائے کہ محترمہ جلسہ عام میں بھٹو کی آخری وصیت

http://www.apnaorg.com

کے بارے زندہ دلان لاہور کو اعتماد میں لیں گی۔ پاکستان کے عوام جنرل ضیاء الحق کے طویل مارشل لاء سے تنگ آچکے تھے وزیر اعظم جونیجو ایک نفیس اور پروقار شخصیت تھے۔ انہوں نے بے نظیر کو پرامن جمہوری سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دے دی۔ بے نظیر کے ہمراہ کئی اہم پارٹی رہنما اور کارکن پاکستان واپس آئے۔ بے نظیر بھٹو جب لاہور ایئر پورٹ پر اتریں تو عوام کا سمندر ان کے استقبال کے لیے منتظر تھا یہ ایک ایسا تاریخی اور مثالی استقبال تھا جس کی نظیر برصغیر کی سیاسی تاریخ میں نہیں ملتی اور نہ ہی عوام کے جوش و جذبے کو الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ بے نظیر بھٹو ٹرک میں سوار ہو کر کئی گھنٹوں کے بعد مینار پاکستان پہنچیں راستے میں ہر جانب ہر سو اور ہر چھت پر مرد و زن کے ہجوم نظر آرہے تھے۔ ہر طبقہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد بچے بوڑھے اور جوان بے نظیر کے استقبال کے لیے پہنچے ہوئے تھے جو ہزاروں من پھول نچھاور کر رہے تھے۔ بھٹو کی پھانسی کے بعد پنجاب کے عوام کو اپنی محبت اور غم کے ملے جلے جذبات کے اظہار کا موقع ملا تھا۔ پاکستان کے تمام صوبوں شہروں اور آزاد کشمیر سے پی پی پی کے حامی اپنی قائد کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ ایم آر ڈی کے کسی راہنما کو ٹرک میں سوار نہ کیا گیا حالانکہ استقبال میں دوسری جماعتوں کے کارکن میں شامل تھے۔ البتہ یہ تاریخی شو پی پی پی کا ہی تھا۔ بے نظیر کئی ہفتوں تک ٹرک پر سوار پاکستان کے مختلف شہروں کا دورہ کرتی رہیں ہر جگہ ان کا پرجوش اور بے مثال استقبال کیا گیا۔ یہ استقبال اس لحاظ سے حیران کن تھا کہ اس کے دوران کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا البتہ لاہور میں جب پارٹی کارکنوں نے امریکی پرچم نذر آتش کیے تو محترمہ نے سختی سے ان کو منع کر دیا۔ ''وزیر اعظم بے نظیر'' اور ''چاروں صوبوں کی زنجیر بے نظیر بے نظیر'' کے نعرے پاکستان کے گلی کوچوں اور شاہراہوں پر گونجتے رہے۔ اس وقت پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں نواز شریف تھے وہ بے نظیر کے عوامی استقبال کو دیکھ کر خوف زدہ ہوگئے اور اپنے رفقاء سے پوچھنے لگے اب کیا ہوگا اگست 1988ء میں خدا نے اپنی رسی کو کھینچ لیا جنرل ضیاء الحق کا طیارہ ہوا میں کریش ہوگیا اور ملبے سے صرف ان کے دانت مل سکے۔

1988ء کے انتخابات میں خفیہ ایجنسیوں نے پی پی پی کے خلاف آئی جے آئی کے نام سے ایک انتخابی اتحاد کھڑا کر دیا اور بے نظیر کا راستہ روکنے کے لیے مہران بینک کے چودہ کروڑ روپے پی پی پی مخالف جماعتوں میں تقسیم کیے جس کا اقرار سابق ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی جنرل گل حمید نے خود کیا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے بڑی محنت سے انتخابی مہم چلائی بلاول کی پیدائش ہونے والی تھی اس کے باوجود بے نظیر نے پورے پاکستان کا انتخابی دورہ کیا۔ پی پی پی قومی اسمبلی میں اکثریتی جماعت بن کر اُبھری پنجاب میں میاں نواز شریف نے جاگ پنجابی جاگ کا نعرہ لگا کر اکثریت حاصل کر لی بے نظیر بھٹو نے ایم کیو ایم سے اتحاد کر کے مرکز میں اپنی پوزیشن مستحکم کر لی۔ صدر غلام اسحاق خان اور فوج کے جرنیل بے نظیر کو وزیر اعظم بنانا نہیں چاہتے تھے۔ محلاتی سازشیں کارگر نہ ہوئیں حالات کے دباؤ کی

http://www.apnaorg.com

وجہ سے اسحاق خان کو بادل نخواستہ بے نظیر کو مرکز میں حکومت بنانے کی دعوت دینا پڑی۔ آرمی چیف جنرل مرزا اسلم بیگ نے بے نظیر بھٹو کو اپنے گھر ڈنر پر بلا لیا اور معاملات طے پا گئے۔ بے نظیر شراکت اقتدار پر راضی ہوگئیں اور اختیارات پر زور نہ دیا اور اس طرح بے نظیر کا آکسفورڈ سے وزیراعظم ہاؤس تک کا سفر مکمل ہوا۔ بے نظیر کو اسلامی ملک پاکستان کی پہلی خاتون وزیراعظم بننے کا اعزاز حاصل ہوگیا۔ فاروق لغاری کو پنجاب میں حکومت بنانے کا موقع فراہم کیا گیا۔ پنجاب میں حکومت بنانے کے لیے پی پی پی کو صرف بارہ اراکین اسمبلی درکار تھے۔ آزاد اراکین اسمبلی کا ایک گروپ فاروق لغاری کے گھر ملاقات کے لیے پہنچا تو فاروق لغاری نے یہ کہہ کر ملاقات میں تاخیر کر دی کہ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ اس طرح یہ تاریخی موقع ضائع ہوگیا اور فاروق لغاری بے آبرو ہو کر واپس اسلام آباد چلے گئے۔ پی پی پی وفاق میں حکومت بنانے کے باوجود پنجاب میں حکومت نہ بنا سکی جس کا اسے ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ بعض تجزیہ نگاروں کے مطابق اگر بے نظیر جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرتیں تو بہتر شرائط پر اقتدار حاصل کر سکتی تھیں کیونکہ غلام اسحاق خان کے پاس اور کوئی آپشن ہی نہ تھا۔ بھٹو کی شہادت کی وجہ سے پی پی پی بے نظیر کی قیادت میں پوری طرح متحد تھی اور اراکین اسمبلی کو توڑنا ممکن نہ تھا۔ بے نظیر کو حکومت کرنے کا تجربہ نہ تھا لہٰذا ان سے غلطیاں بھی ہوئیں جن کا انہوں نے بعد میں اعتراف بھی کیا۔ غلام اسحاق خان چاہتے تھے کہ بے نظیر بے اختیار وزیراعظم کا کردار ادا کریں لہٰذا انہوں نے اہم سرکاری فائلیں ایوان صدر منگوانا شروع کر دیں۔ بے نظیر نے کابینہ مکمل ہونے کے بعد غلام اسحاق کو فون کیا اور کہا کہ وہ خود بیوروکریسی کو ہدایت کریں کہ فائلیں وزیراعظم کو ارسال کی جائیں تاکہ صدر پاکستان کا وقار قائم رہے کیونکہ وہ نہیں چاہتیں کہ وزیراعظم اس ضمن میں ڈائریکٹو جاری کرے اور صدر کی عزت پر حرف آئے۔ اس فون کے بعد فائلیں وزیراعظم سیکریٹریٹ آنے لگیں۔ بے نظیر نے رفتہ رفتہ اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کی کوشش کی مگر ان کے خلاف سازشیں ہوتی رہیں۔ بے نظیر نے ہیرالڈ کو انٹرویو دیتے ہوئے اپنی دونوں حکومتوں کے دوران ہونے والی سازشوں کو بے نقاب کیا انٹرویو کا دلچسپ متن یہ ہے۔

سوال: کیا آپ نے اپنے دور اقتدار میں انٹیلی جنس ایجنسیوں کو قابو کرنے کی کوشش کی تھی؟

جواب: ہاں میں نے ایسا کیا تھا۔ مثال کے طور پر دسمبر 1988ء میں میرے اقتدار سنبھالنے کے ایک ہفتہ کے بعد ہی بریگیڈیئر امتیاز جو اس وقت آئی ایس آئی میں تھے، انہوں نے سیاسی جماعتوں سے میری حکومت کے خاتمے کے لئے رابطے شروع کر دیئے تھے۔ اس وقت جنرل بابر میرے سیاسی مشیر تھے۔ انہوں نے بریگیڈیئر امتیاز کو ہٹانے کے لئے کہا لیکن فوج نے ابتدا میں ایسا کرنے سے انکار کیا گو بعد میں اسے آئی ایس آئی سے ہٹا دیا گیا لیکن فوج سے نہ نکالا گیا۔ میں نے ایسا کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے میرے احکام نہ مانے کیونکہ آٹھویں ترمیم کی وجہ سے

میں خود کسی آفیسر کو ہٹا نہیں سکتی تھی۔ میں نے 1989ء میں ثبوت اکٹھے کیے کہ آئی ایس آئی کے افراد تحریک عدم اعتماد کے لئے ایم این ایز سے ملتے رہے تھے۔ ہم نے گفتگو کی ٹیپس بھی بنائیں جب ملٹری انٹیلی جنس کا سربراہ میرے آفس میں آیا اور اس نے اس آدمی کی تصویر دیکھی جو ہمارے ارکان قومی اسمبلی سے ملاقاتیں کرتا پھر رہا تھا تو وہ خوفزدہ ہوگیا وہ ٹیپ اور فوٹو ساتھ لے گیا اور پھر اس نے مجھے رپورٹ بھیجی کہ مذکورہ شخص مخبوط الحواس اور پاگل ہے۔ 1990ء میں جب آئی ایس آئی نے پھر ایسی ہی کوششیں شروع کیں تو ہم نے ویڈیو ٹیپ تیار کی جس کا نام آپریشن جیکال تھا۔ ایک حاضر سروس فوجی افسر بریگیڈیئر امتیاز جو تکنیکی طور پر تو آئی ایس آئی میں نہ تھا لیکن عملی طور پر وہیں تھا اس کی آواز ٹیپ ہوئی تھی جو کہہ رہا تھا کہ فوج، صدر اور امریکہ نہیں چاہتے کہ وہ (بینظیر) اقتدار میں رہے۔ وہ ارکان اسمبلی کا تعاون چاہتا تھا جس سے ہماری حکومت ختم کی جاسکے میں نے وہ ٹیپ جو کہ غداری کا مکمل ثبوت تھی وہ جنرل بیگ کو دی۔ لیکن اس نے مزاحمتی ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کیے۔ بالآخر جنرل بیگ نے دباؤ کے تحت اسے محض ریٹائر کرنے پر اکتفا کیا حالانکہ اس کے خلاف غداری کا مقدمہ بننا چاہئے تھا۔ جب عدم اعتماد کی تحریک ناکام ہوگئی تو سرحد اسمبلی کے ارکان نے مجھ سے رابطہ کر کے بتایا کہ جنرل بیگ نے انہیں جی ایچ کیو میں طلب کر کے کہا کہ "ہم اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کا آغاز صوبہ سرحد سے کرنا چاہتے ہیں کیا آپ اس کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کریں گے" چنانچہ آرمی چیف نے ہمیں کمزور کرنے کا سیاسی کردار ادا کیا یہ کردار انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سربراہوں، آئی ایس آئی کے سربراہ اور صدر مملکت نے مختلف اوقات میں ادا کیا۔ 23 مارچ 1989ء کو جب میں پاکستان ڈے پریڈ پر گئی تو فوج کے جوانوں نے مجھے گھیر لیا۔ یہ دیکھ کر جنرل بیگ خوفزدہ ہوگئے، میں ایسے ہجوموں اور عوام کی حمایت کی عادی رہی تھی چنانچہ میں نے اسے کہا کہ سب اچھا ہے۔ لیکن تب یہ مقبولیت غائب ہوگئی جب انٹیلی جنس ایجنسیاں آئی ایس آئی، ایم آئی۔ ایف آئی ٹی، ایف آئی یو یہاں تک کہ کور کمانڈر تک سازشوں میں لگے ہوئے تھے۔ زہریلی کہانیاں اور خبریں پھیلائی جاتیں اور انہیں کور کمانڈروں اور جوانوں تک پہنچایا جاتا تاکہ عوام کے دلوں میں نفرت کے بیج بوئے جاسکیں۔ ان میں کرپشن کی جعلی اور جھوٹی داستانیں تھیں۔ ان میں بھارتی ایجنٹ، یہودی ایجنٹ، امریکی ایجنٹ، سکھوں کی فہرستیں اور نہ جانے کیا کیا تھا۔ جس سے یہ تاثر پھیلایا گیا کہ ہم کرپٹ غدار ہیں جس سے خود ہمارے حمایتی ہمارے خلاف ہوگئے۔ بیگ اس وقت تک میرے ساتھ تھا جب تک خفیہ ایجنسیوں نے اس پر کام کر کے اسے یقین دلا دیا کہ میں اسے ہٹانا چاہتی ہوں اور اس کی جگہ جنرل امتیاز کو چیف آف آرمی سٹاف لگانا چاہتی ہوں۔ یہ ایک احمقانہ کہانی تھی لیکن اس نے اس پر یقین کر لیا۔

انہوں نے غلام اسحاق خان سے کہا کہ اگر بے نظیر سینیٹ میں اکثریت حاصل کر گئی تو تمہاری چھٹی کرا کر تمہاری جگہ یحییٰ بختیار کو لے آئے گی۔ وہ ایسی کہانیاں گھڑتے تھے وہ میری پارٹی کے ایک رہنما کے پاس گئے اور اسے کہا کہ تم دس ایم این اے اکٹھے کر لو ہم تمہیں وزیراعظم بنا دیں گے۔ 1989ء میں ایک کور کمانڈر میرے خاوند کے پاس گیا اور کہا کہ وہ ایک عورت کو سیلوٹ نہیں کر سکتے اسے کہو تمہیں وزیراعظم بنا دے کیونکہ ہمیں پیپلز پارٹی سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔

1993ء میں انہوں نے مشرق وسطیٰ کے ایک شہزادے کو یہی بات کہنے کے لئے میرے پاس بھیجا کہ نواز باہر جا رہا ہے میں بھی جھک جاؤں کیونکہ اگر میں لڑی تو پھر نتائج مختلف ہوں گے۔

سوال: کیا آپ ایسی مزید مثالیں دے سکتی ہیں کہ ملٹری اسٹیبلشمینٹ اور انٹیلی جنس ایجنسیاں آپ کے پہلے دور حکومت میں جمہوریت کو کمزور کرنے کے لیے کیا کرتی رہیں؟

جواب: میرے پاس دو گواہ ایسے ہیں جنہوں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے دو ایسے اجلاسوں میں شرکت کی تھی جس کا میرے پہلے دور میں ایک حاضر سروس کور کمانڈر نے انتظام کیا تھا۔ ان اجلاسوں میں کور کمانڈر، نواز شریف اور اسامہ بن لادن بھی موجود تھے۔ اسامہ بن لادن کو بتایا گیا کہ کسی عورت کا وزیراعظم ہونا اسلام کے خلاف ہے اس لئے وہ رقم دے تاکہ اس کو ہٹایا جا سکے۔ نواز نے کہا کہ پاکستان میں اسلام کا نفاذ وہ (نواز) کرے گا۔ کیا عوام یہ چاہتے ہیں کہ ایسی باتوں کی آزادانہ تحقیق ہونی چاہئے یا نہیں؟ تب اسامہ بن لادن کا کسی نے نام بھی نہ سنا تھا، خود مجھے بھی معلوم نہ تھا لیکن اب وہ مشہور ہے۔ تب وہ غیر معروف تھا لیکن وہ وہاں بیٹھا میری حکومت میں مداخلت کر رہا تھا۔ اس نے میری حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کے لئے ایک کروڑ ڈالر (ساٹھ کروڑ روپے) دیئے تھے۔ تب ہم نے سنا کہ رقم سعودی عرب سے آئی ہے۔ تب میں نے ایک وزیر کو شاہ فہد سے ملنے کے لئے بھیجا کیونکہ وہ مجھ پر بہت مہربان تھے اور میں بھی انہیں پسند کرتی ہوں۔ وہ ایک شائستہ، خوش اخلاق، سخی اور مہربان انسان ہیں۔ میں نے اپنے پیغامبر سے کہا کہ وہ شاہ کو بتائے کہ انہوں نے مجھے (بینظیر) کہا تھا کہ ''علی بھٹو میرا بھائی اور دوست تھا میں نے اس کے قتل کی مخالفت کی تھی، میں سمجھتا ہوں یہ تب بھی ناانصافی تھی اور آج بھی ناانصافی ہے تم میری بیٹی کی طرح ہو'' میں نے پیغام بھیجا کہ آپ پھر کس طرح میری حکومت ختم کرانے کے لئے رقم بھیجتے ہیں۔

شاہ فہد نے جوابی پیغام بھجوایا کہ سعودی حکومت اس میں ملوث نہیں ہے یہ کام ایک سعودی شخص نے کیا ہے بعد ازاں ان دو شخصیات نے جو اس وقت مسلم لیگ میں تھے اور اب ہمارے ساتھ ہیں ان سے مجھے معلوم ہوا کہ اجلاس میں نواز شریف اور حاضر سروس کور کمانڈر نے اسامہ سے میری حکومت کے خاتمے کے لئے ایک کروڑ ڈالر نکلوائے تھے۔ دریں اثناء میرے ارکان قومی

اسمبلی نے مجھے مطلع کیا کہ ان کو غلام مصطفیٰ جتوئی نے فی کس دس لاکھ ڈالر کی پیشکش کی ہے تاکہ مجھ سے چھٹکارا پایا جاسکے۔ میں جتوئی کو پسند کرتی ہوں وہ مجھے اپنی بیٹی کی طرح سمجھتے ہیں۔ ذاتی طور پر مجھے ان سے کوئی پرابلم نہیں ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ ان پر اور مجھ پر قوم کا یہ قرض ہے کہ ہم انہیں حقائق سے آگاہ کریں۔ تب میں نے اپنا ٹروجن ہارس (Trojan Horse) تیار کیا اور میں نے اپنے ارکان اسمبلی سے کہا کہ وہ جائیں اور رقم لے لیں۔ انہیں یہ سوچنے دو کہ تم ان کے ساتھ ہو اور یہی وہ پالیسی تھی جس سے وہ عدم اعتماد کی تحریک لانے میں ناکام رہے۔ میرے چار ایم این اے کو میرے خلاف سمجھا گیا لیکن انہوں نے وقت پر ان کا ساتھ نہ دیا بلکہ دو مزید ایم این اے ہمارے ساتھ آ گئے۔ وگرنہ انہوں نے تو تمام انتظامات کر لئے تھے۔ جب یہ چاروں ایم این اے وزیراعظم ہاؤس آئے تو بڑی مضحکہ خیز صورتحال پیدا ہوئی۔ وہ نوٹوں سے بھرے ہوئے بریف کیس ساتھ لائے تھے اور کہا کہ یہ آپ لے لیں، لیکن میں نے کہا نہیں میں ایسا نہیں کر سکتی گو کہ آخر میں یہ رقم رکھی نہ گئی تھی لیکن یہ حقیقت تو اپنی جگہ موجود ہے کہ میری حکومت ختم کرنے کے لئے رقم تقسیم کی گئی تھی اور یہ رقم سیاسی پارٹیوں نے نہیں دی تھی بلکہ یہ خود انٹیلی جنس ایجنسیوں اور فوج اور دائیں بازو کے مہم جوؤں نے ادا کی تھی۔ سیف گیمز میں جنرل بیگ میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے چہرے پر بڑی اطمینان بخش مسکراہٹ تھی۔ لیکن جب مسلم لیگ کے تین ایم این اے میرے پاس آ کر بیٹھے تو اس کا چہرہ لٹک گیا۔ اس نے گھبراہٹ میں مجھ سے پوچھا کہ یہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ میں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ انہوں نے میری حکومت میں شمولیت کر لی ہے، کیا یہ شاندار بات نہیں ہے؟ تو بیگ ایک مردہ شخص کی روح دکھائی دے رہا تھا۔ تب ہم پر ہارس ٹریڈنگ اور کرپشن کے الزامات لگائے گئے تب انٹیلی جنس ایجنسیوں نے وہ صورتحال پیدا کرنے کی کوشش کی کہ ''سکے' ایک رخ آئے تو ہم جیتے دوسرا رخ آئے تو تم ہارے'' سیاست کے لئے یہ صورتحال مزید جاری نہیں رہ سکتی۔

سوال: آپ کے دوسرے دور حکومت میں کیا ہوا؟

جواب: جب تک جنرل جاوید اشرف آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل رہے اس وقت تک کام ٹھیک چلتا رہا۔ پھر ایک دن مجھے پتہ چلا کہ آئی ایس آئی کے ایک افسر نے بریگیڈیئر مستنصر کی بغاوت کی سازش کا سراغ لگایا ہے، بریگیڈیئر مستنصر کا گروپ پاکستان میں اسلحہ کی سمگلنگ کرنے کیلئے فوج کا نام استعمال کر رہا تھا اور پھر مجھے معلوم ہوا کہ بغاوت کی کوشش کا پتہ چلانے والے افسر کو (میڈل دینے کے بجائے) ملازمت سے نکال دیا گیا ہے۔ شجاعت نامی ایک شخص کو شامل کیا گیا اور یہاں سے ہماری مشکلات شروع ہوگئیں۔ پھر جنرل جاوید اشرف چلے گئے اور ان کی جگہ جنرل رانا آ گئے، وہ اچھے آدمی تھے لیکن ایک روز وہ انتہائی بکواس رپورٹ لے کر میرے پاس

آئے۔ میں جانتی تھی کہ رپورٹ بالکل غلط ہے رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ آصف زرداری جاوید پاشا سے مل کر پاکستان کے ایئرپورٹس کو گروی رکھیں گے، میں غصے میں آگئی کیونکہ رپورٹ سراسر جھوٹ تھی اور میں اس کی تحقیقات کرانا چاہتی تھی۔ میں یہ توقع کررہی تھی کہ آئی ایس آئی کی رپورٹ میں ہماری ان کوششوں کو سراہا جائے گا جو ہم نے معیشت کی بہتری کیلئے کیں۔ میں نے رانا سے کہا کہ اس رپورٹ کی تصدیق کراؤ۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ کس ذرائع کی شرارت ہے لیکن انہوں نے مجھے کہا کہ ایسا ہونے دیں اور میں نے ویسا ہی کیا۔ اس کے بعد رپورٹیں بنائی جانے لگیں، بہرحال جنرل شجاعت نے عہدہ سنبھالنے کے بعد حکومت کو غیر مستحکم کرنے کیلئے کوششیں شروع کر دیں۔

جنرل نصیر اللہ بابر میرے پاس آئے ہم نے انہیں (جنرل شجاعت کو) برطرف کرنے کیلئے سیکرٹری دفاع کو کہا لیکن وہ ایسا نہ کر سکے پھر ہم نے آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل رانا کو کہا کہ وہ جنرل شجاعت کو برطرف کر دیں لیکن انہوں نے بھی ایسا نہ کیا اور اس طرح آئی ایس آئی حکومت گرانے کیلئے اندرونی طور پر سیاسی مہم چلاتی رہی لیکن آئین ان کا احتساب کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

میں جنوری 1996ء میں اکوڑہ ڈیم کا افتتاح کرنے کیلئے جارہی تھی کہ ایک افسر نے مجھے بتایا کہ اس وقت کے ملٹری انٹیلی جنس کے ڈی جی جنرل محمود نے اسے کہا کہ وہ آصف زرداری کی کرپشن کو بنیاد بنا کر استعفیٰ دے لیکن اس افسر نے ایسا کرنے اور استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا جس کے جواب میں جنرل محمود نے کہا کہ وہ (بینظیر) تو مارچ میں جارہی ہے لیکن پھر ہم تمہیں نکال دیں گے۔ مجھے یہ سب کچھ معلوم ہوگیا لیکن میں خاموش رہی۔ مارچ 1996ء میں 3 صحافیوں کو ملٹری انٹیلی جنس کے ڈی جی نے جی ایچ کیو بلایا اور انہیں میرے خلاف مختلف کہانیاں لکھنے کیلئے کہا۔ میں چاہتی ہوں کہ جنرل محمود قوم کے سامنے وضاحت کریں کہ انہوں نے کس کے کہنے پر یہ کام کئے کیا اس کیلئے صدر نے حکم دیا تھا؟ کیا ایسا کسی بیرونی طاقت کے اشارے پر کیا جارہا تھا؟ آخر کس کے فرمان پر؟ پاکستانی عوام کو بتایا جائے کہ پالیسیاں کس طرح بنتی ہیں پھر دلچسپ سرے سکینڈل سامنے آگیا۔ کیا یہ دلچسپ بات نہیں کہ برطانوی اخبار میں چھپنے سے صرف ایک دن پہلے پارلیمینٹ کی اپوزیشن پارٹی کے پاس سرے سکینڈل موجود تھا۔ جولائی 1996ء میں میں نے سنا کہ ڈی جی ملٹری انٹیلی جنس یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ جن باتوں کا اب انکشاف ہونے والا ہے ان کے سامنے سرے سکینڈل کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ میں نے اس کا ذکر جنرل جہانگیر کرامت سے کیا۔ میں نے کہا کہ پلیز ڈی جی ملٹری انٹیلی جنس سے پوچھیں کہ کیا یہی ان کی ذمہ داری ہے؟ کیا وہ ایسا کسی مقصد کے تحت کہہ رہے ہیں؟ کرامت نے مجھے جوابی

http://www.apnaorg.com

خط میں لکھا کہ اس ایشو کو اٹھانے کا مطلب ہے کہ آپ اس (جہانگیر کرامت) پر اعتماد نہیں کرتیں، اس لئے میں استعفیٰ دے دوں گا۔ میرے پاس بھی یہ کہنے کا موقع تھا کہ میں ٹھیک کہتی ہوں، میں آپ کا استعفیٰ قبول کرلوں گی لیکن میں نے سوچا کہ کرامت اچھا آدمی ہے (اگرچہ کمزور تھا) اس لئے میں نے ان سے کہا نہیں آپ استعفیٰ نہ دیں۔ میں نے اس معاملے کا ذکر آپ کے سامنے اس لئے کیا ہے کیونکہ آپ میرے چیف آف آرمی سٹاف ہیں اور اگر آپ کا کوئی ماتحت کوئی حرکت کرتا ہے تو میرا فرض ہے کہ میں آپ کے نوٹس میں لاؤں، ڈی جی ملٹری انٹیلی جنس کے ساتھ پھر بھی کچھ نہ ہوا۔

سوال: اور پھر......؟

جواب: میں سرحد میں تھی، مجھے آرمی چیف کی طرف سے رپورٹ ملی کہ جنرل حمید گل ان (آرمی چیف) کے پاس آئے اور انہیں (آرمی چیف کو) بتایا کہ صدر وزیراعظم کو برطرف کرنے والے ہیں لیکن صدر مملکت اس بات کا ذکر آرمی چیف سے اس لئے نہیں کرنا چاہتے کیونکہ آرمی چیف کے وزیراعظم کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہیں اور اس لئے آرمی چیف کو خود صدر کے سامنے معاملہ اٹھانا چاہئے۔ میں رپورٹ دیکھ کر خوفزدہ ہوگئی۔ اگست کے وسط میں ترک صدر کے اعزاز میں عشائیہ تھا، اس تقریب میں لغاری میرے ساتھ بہت اچھے طریقے سے پیش آئے۔ مجھے گلاب جامن اور اس طرح کی دوسری چیزیں پیش کیں اب میں کنفیوژ ہوگئی۔ کیا وہ مجھے اس صدر سے بدگمان کرنا چاہتے ہیں جسے میں ایک عرصے سے جانتی تھی؟ اس دوران صدر کے رشتہ داروں میں سے ایک مجھے ملنے کیلئے آئے اور بتایا کہ ملٹری انٹیلی جنس کے ڈی جی (جنرل محمود) نے صدر کو کہا کہ وہ بے نظیر کی چھٹی کرائیں اور اگر انہوں (صدر) نے ایسا نہ کیا تو فوج صدر اور بے نظیر دونوں کی چھٹی کرا دے گی۔ حالات زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے۔ کیا یہ صدر تھا؟ کیا یہ آرمی چیف تھا؟ کیا یہ چیف جسٹس تھا؟ کیا یہ ملٹری انٹیلی جنس آئی ایس آئی کا ڈی جی تھا؟ کون تھا یہ؟ اور میرے خیال میں یہ سوالات عوام کے ذہنوں میں بھی ہونے چاہئیں لیکن ایسا میری خاطر نہیں مجھ سے تو جو ہوا سو ہوا لیکن پاکستان بار بار کی محلاتی سازشوں کے بجائے اچھے مستقبل کا حقدار ہے۔

میں نے جنرل بابر اور شیر پاؤ کو طلب کر کے صدر سے بات کرنے کی ہدایت کی۔ صدر نے صاف انکار کرتے ہوئے انہیں جواب دیا کہ اگر فوجی میری کنپٹی پر بندوق رکھ کر بھی ایسا کرنے کو کہیں تو بھی میں کسی صورت حکومت معزول نہیں کروں گا۔ بے نظیر میری بہن ہیں اور انہوں نے ہی مجھے صدر بنایا ہے۔ میں ایک غیرت مند بلوچ ہوں اور اپنی محسنہ سے غداری نہیں کر سکتا اس پر میں نے صدر کے مؤقف کی روشنی میں رپورٹ پر بحث کے لیے چیف آف آرمی سٹاف کو

http://www.apnaorg.com

طلب کیا جنھوں نے مجھے یقین دہانی کرائی کہ وہ ثالث کا کردار ادا کرتے ہوئے ہمارے اختلافات دور کرانے کی کوشش کریں گے۔

فوج کے سربراہ نے بتایا کہ چند غیر ملکی بینکاروں نے ان سے ملاقات کر کے بتایا ہے کہ معیشت دیوالیہ ہوسکتی ہے مگر اس وقت ایسا اندیشہ ہرگز نہیں تھا۔ مجھے اس بات پر تشویش ہوئی کہ یہ غیر ملکی بینکار آخر چیف آف آرمی سٹاف سے کیا چاہتے ہیں۔ میں نے فوج کے سربراہ کو بتایا کہ انہیں غلط معلومات فراہم کی جارہی ہیں دیوالیہ ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ صدر نے مجھے معزول کرنے سے انکار کیا جبکہ آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ ایسا کرنے والے ہیں۔ آپ خود جا کر ان سے پوچھیں اور پھر مجھے بتائیں۔ آرمی چیف اس بات پر رضا مند ہوگئے۔ اسی رات میرے بھائی کو قتل کر دیا گیا۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ چیف آف آرمی سٹاف نے صدر سے پوچھا کہ وہ اسی روز حکومت برطرف کرسکتے ہیں تو صدر نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہاں کیونکہ اب میں اس موڑ تک آچکا ہوں جہاں سے واپسی ناممکن ہے۔ میرے بھائی کا قتل بھی اسی منصوبے کا حصہ تھا۔ ایک روز میرا بھائی قتل ہوتا ہے۔ دوسرے روز صدر میرے پاس تعزیت کیلئے آتے ہیں اور اگلے ہی روز وہ سرکاری چھٹی والے دن سپریم کورٹ کھلوا کر صدارتی نظام حکومت بنانے اور حکومت پر بدعنوانی کا الزام عائد کرتے ہوئے نواز شریف کو حکومت کی دعوت دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سارے معاملے میں کئی دھاندلیاں کی گئیں۔ میں نے صدر کو اپنے بھائی کے قتل کا مورد الزام ٹھہراتے ہوئے ان کے خلاف ایف آئی آر درج کرانے کا فیصلہ کیا، مگر میرے دو وزیروں نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا۔ میں نے اپنے بھائی کے قتل کے بعد تیسری جمعرات کو صدر سے ملاقات کی۔ صدر نے مجھے دیکھتے ہی کہنا شروع کر دیا کہ میں بھی تمہارا بھائی ہوں، میں اپنے ہی بھائی کے قتل میں کیونکر ملوث ہوسکتا ہوں، میں تو تمہیں بچانا چاہتا ہوں۔ اس پر میں نے کہا ''فاروق پریس والے ہمارے مشترکہ دوست جن میں ارشاد احمد حقانی اور نجم سیٹھی بھی شامل ہیں، دعویٰ کر رہے ہیں کہ صدر زرداری کی بدعنوانی کے باعث حکومت برطرف کرنے والے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟ کیا تم واقعی ایسا کر رہے ہو؟ صدر نے انکار تو کر دیا مگر وہ مختلف حیلوں بہانوں سے بات ٹالنے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ کبھی مجھے گلاب جامن اور کبھی کیک پیش کر کے خوش کرتے رہے۔ میں واپس آگئی، مگر اب میرا لغاری پر اعتماد اٹھ چکا تھا۔

میں ہمیشہ سے ایک ادارے کے طور پر فوج اور اس کے سربراہ کا بے حد احترام کرتی ہوں تاہم صدر نے جس سازش کے تحت میری حکومت برطرف کی اس میں سکیورٹی اور خفیہ ایجنسیوں کے بھی بعض افراد شریک تھے۔ جنرل کرامت نے مجھے بتایا کہ انہوں نے صدر کو کہا ہے کہ

http://www.apnaorg.com

وزیراعظم کو 31 دسمبر تک اختلافات ختم کرنے کی مہلت دی جائے۔ مگر لغاری نے کہا کہ وہ اس وقت تک انتظار نہیں کر سکتے اور وہ 14 نومبر کو میری روم سے واپسی کے وقت ایکشن لے لیں گے تاہم بعد میں لغاری نے 4 نومبر کی رات ہی کو میری حکومت برطرف کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی دوران میرا ملٹری سیکریٹری تبدیل کر دیا گیا اور اسے معمول کی کارروائی قرار دیا گیا۔ کرامت نے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، مگر ان کا مجھ سے رابطہ نہ ہونے دیا گیا۔ معیشت کے دیوالیہ ہونے کا غلط تاثر شوکت عزیز اور شاہد جاوید برکی جیسے افراد نے پھیلایا۔ 4 نومبر کی رات آئی ایم ایف کے ڈائریکٹر میرے ساتھ بیٹھے تھے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ پاکستان اب مشکلات سے نکل آیا ہے اور اس کی معیشت اب بہتری کی جانب رواں ہے۔ میرے مخالفین کسی صورت نہیں چاہتے تھے کہ آئی ایم ایف کے ڈائریکٹر کا یہ بیان عوام تک پہنچے یا وہ فوج اور اس کے سربراہ کو بریف کر سکیں۔ انہوں نے کرنل آصف کو وزیراعظم ہاؤس بھیجا اور جیسے ہی اندھیرا ہوا وہ متحرک ہو گئے۔

جنرل بابر نے مجھے بتایا کہ فوج نے ایئرپورٹ پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں نے صدر کو فون کر کے ان سے پوچھا کہ کیا ان کے علم میں یہ بات ہے تو انہوں نے ابتداء میں یوں ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ لاعلم ہیں اور انہیں اس اطلاع سے صدمہ ہوا ہے۔ جب میں نے واضح الفاظ میں کہا کہ کیا فوج تمہاری ہدایت پر ایسا کر رہی ہے تو وہ ہکلانے لگے۔ انہوں نے کہا کہ میں مجبور تھا میرے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس پر میں نے لغاری کو بتایا کہ جنرل ضیاء الحق نے بھی میرے والد کو یہی الفاظ کہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے فاروق لغاری کو فاروق الحق کا نام دیا۔ میں نے لغاری کو کہا کہ وقت ہی بتائے گا کہ تمہارا یہ فیصلہ صحیح ہے یا غلط۔ عام طور پر جب کوئی حکومت بنتی ہے تو حکومت کے تمام ادارے قانون کا احترام کرتے ہیں، مگر میرے معاملے میں ایسا نہ ہوا۔ میں عوام سے پوچھنا چاہتی ہوں ایسا کیوں ہوا؟ میری وزارت عظمیٰ کے دور میں خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار کھلے عام حکومت جانے کی باتیں کر رہے تھے۔

6 ستمبر کو یوم دفاع کے موقع پر جب میں کراچی میں لاء اینڈ آرڈر سے متعلق ایک اہم اجلاس کی صدارت کر رہی تھی ڈائریکٹر جنرل رینجرز جنرل اکرم نے مجھ سے سوال کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کی حکومت رخصت ہو رہی ہے، کیا یہ حقیقت ہے؟ میں پوچھتی ہوں جنرل اکرم کو یہ بات کس نے کہی جبکہ میرے پاس پارلیمینٹ میں اکثریت تھی اور سڑکوں پر حکومت کے خلاف کوئی مظاہرے نہیں ہو رہے تھے یہ کیا ہو رہا تھا؟ تمام جرنیل صحافیوں کو مسلسل کہہ رہے تھے کہ حکومت کو رخصت ہونا ہوگا۔ ''ہیرالڈ'' میں میرے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ انہوں نے میرے خلاف کہانیوں کی اشاعت کے لیے ہیرالڈ کے دفاتر میں لفافے بھی بھجوائے۔ مختصر یہ کہ ایک سیاسی حکومت کو سکیورٹی

اداروں نے ختم کیا۔ انہوں نے کس کے حکم پر ایسا کیا یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

فاروق لغاری کے مطابق 1996ء میں پاکستان دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ کرپشن اپنے عروج پر تھی لہٰذا انہیں بے نظیر بھٹو کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے 58/2B کے تحت آئینی اختیارات استعمال کرنے پڑے۔ فاروق لغاری نے یہ اختیار استعمال کر کے خود کو جنرل ضیاء الحق اور غلام اسحاق خان کی صف میں شامل کر لیا۔ فاروق لغاری اگر انتہائی اقدام اٹھانے کی بجائے صدارت سے استعفیٰ دے دیتے تو پاکستان کی سیاست میں ان کا اہم مقام ہوتا جبکہ آج ان کی سیاست اپنے خاندان تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ بے نظیر بھٹو کو اپنی دونوں حکومتوں کے درمیان آزادی سے کام کرنے کا موقع نہ ملا اور نہ ہی انہیں آئینی مدت پوری کرنے دی گئی۔ سازشوں اور مشکلات کے باوجود بے نظیر نے عوام کی خدمت کرنے کی پوری کوشش کی ان کی چند قومی خدمات درج ذیل ہیں۔

35000 ایکڑ اراضی بے زمین کسانوں میں تقسیم کی گئی۔

مزدوروں کی ٹریڈ یونین پر پابندی اٹھالی گئی۔ تعلیمی بجٹ میں اضافہ کیا گیا اور پچاس ہزار اساتذہ کو نوکریاں ملیں سٹوڈنٹس یونین پر پابندی کا خاتمہ ہوا۔ نوجوانوں اور خواتین کے لیے الگ الگ وزارتیں قائم کی گئیں۔ دس ہزار خواتین کو قرضے دیئے گئے۔ پہلے دور میں چار ہزار اور دوسرے دور میں اٹھارہ ہزار دیہاتوں کو بجلی سے روشن کیا گیا غازی بروتھا ڈیم کا آغاز ہوا۔

تیل اور گیس کی پیداوار میں 30 فیصد اضافہ ہوا۔ امریکہ سے ایف سولہ طیارے حاصل کیے۔ اکیس ہزار نئے پرائمری سکول تعمیر کیے گئے۔ خواتین کے لیے فرسٹ ویمن بینک قائم کیا گیا۔ ویمن پولیس سٹیشن قائم کیے گئے۔ سیہون شریف اور گوادر میں نئے ایئرپورٹ تعمیر کیے گئے۔ تینتیس ہزار لیڈی ہیلتھ وزیٹر تعینات کی گئیں۔ پولیو کے خلاف کامیاب مہم چلائی گئی۔ افواج پاکستان کو میزائل ٹیکنالوجی فراہم کی گئی۔ کمپیوٹر سینٹرز قائم کیے گئے۔ پہلی بار ایک ارب ڈالر کا بیرونی قرض ادا کیا گیا۔

بے نظیر کے پہلے دور میں ایک بھی ضمیر کا قیدی جیل میں نہ تھا۔ اگر بے نظیر بھٹو کو آزادی کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع دیا جاتا تو وہ پاکستان کو ایک خوشحال اور مستحکم ملک بنانے میں کامیاب ہو جاتیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے نظیر کو جو صلاحیتیں عطا کر رکھی ہیں وہ اور کسی سیاست دان میں نظر نہیں آتیں۔ پاکستان کے قومی سیاسی لیڈر اپنی جماعتوں پر بھروسہ نہیں کرتے انہیں منظم اور فعال نہیں بناتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آسانی سے خفیہ سازشوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر سیاسی جماعتیں جمہوری اصولوں پر مضبوط اور مستحکم ہوں تو ایجنسیاں کبھی عوامی راہنماؤں کے خلاف سازشیں نہ کر سکیں۔

http://www.apnaorg.com

دورۂ شمالی کوریا کے دوران قیوم نظامی کی بیگم نصرت بھٹو اور عظیم راہنما کم ال سنگ کے ہمراہ یادگار تصویر

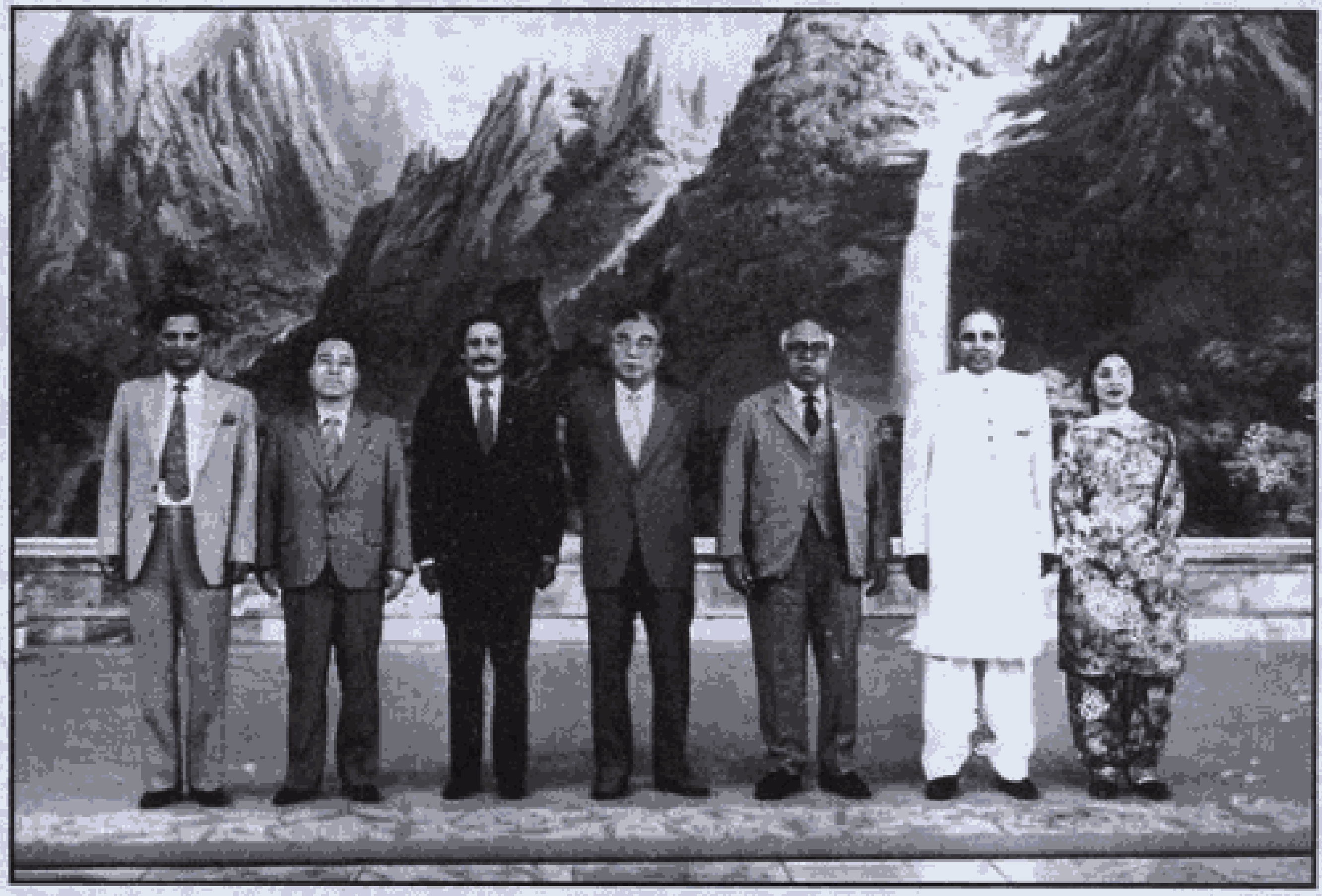

قیوم نظامی، شیخ رفیق احمد، پرویز علی شاہ، شمالی کوریا کے انقلابی لیڈر کم ال سنگ کے ساتھ

http://www.apnaorg.com

بیگم بھٹو کے ہمراہ چین اور شمالی کوریا کا یادگار دورہ

چین آبادی کے لحاظ سے دنیا کا پہلا اور رقبے میں دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے۔ کل آبادی ایک ارب سے زیادہ ہے جن میں 55 کروڑ 65 لاکھ مرد اور 52 کروڑ 41 لاکھ عورتیں ہیں۔ چین کے کل 31 صوبے ہیں ایک صوبہ سوشان کی آبادی پاکستان کے برابر ہے۔ چین کی سرحدیں کوریا، منگولیا، روس، افغانستان، پاکستان، ہندوستان، نیپال، بھوٹان، برما لاؤس اور ویت نام سے ملتی ہیں۔

پاکستان کے ساتھ چین کی سرحدیں بھی ملتی ہیں اور چینی عوام کے دل بھی ملتے ہیں۔ اس عظیم ہمسایہ ملک کا دورہ کرنے کے لیے پاکستان پیپلز پارٹی کا ایک اعلیٰ سطحی وفد بیگم نصرت بھٹو چیئرپرسن پاکستان پیپلز پارٹی اور سینئر وفاقی وزیر حکومت پاکستان کی قیادت میں 6 مئی 1990 کو اسلام آباد سے بیجنگ پہنچا۔ اس دورے کی دعوت کمیونسٹ پارٹی آف چائنہ نے دی تھی پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک سیاسی جماعت کے وفد نے چین کا دورہ کیا۔ وفد میں پی پی پی کے مرکزی سیکریٹری اطلاعات قیوم نظامی، پی پی پی شعبہ خواتین صوبہ سندھ کی صدر اور رکن قومی اسمبلی مسز آر کے سومرو، پی پی پی کی سینٹرل ایگزیکٹو کے رکن غیاث الدین جانباز، پی پی پی صوبہ سندھ کے جنرل سیکریٹری اقبال یوسف، پی پی پی صوبہ سرحد کے جنرل سیکریٹری جمال خٹک، پی پی پی بلوچستان کے جنرل سیکریٹری جمال جوگیزئی اور بیگم نصرت بھٹو کی پرنسپل سیکریٹری مسز انجمن خانزادہ شامل تھے۔ پی پی پی پنجاب کے جنرل سیکریٹری ممتاز کاہلوں اپنے فرزند کی بیماری کی وجہ سے وفد میں شامل نہ ہو سکے۔ اسلام آباد ایئرپورٹ پر پیپلز پارٹی کے سیکریٹری جنرل رفیق احمد شیخ۔ وزارت خارجہ کے سیکریٹری تنویر احمد چین اور کوریا کے سفیر وفد کو الوداع کہنے کے لیے موجود تھے۔ وفد کے اکثر اراکین کا تعلق اس نسل سے تھا جو چیئرمین ماؤزے تنگ کی عظیم شخصیت اور ان کی تعلیمات سے متاثر ہوئی جو نوجوانی سے چین دیکھنے کا خواب دیکھ رہے تھے جو اس وقت پورا ہوا جب عظیم رہنما ماؤزے تنگ بیجنگ میں گہری نیند سو رہے تھے۔ وفد چھ گھنٹے کی پرواز کے بعد بیجنگ ایئرپورٹ پہنچا تو چین کے رہنماؤں نے پرتپاک اور پرجوش استقبال کیا۔ وفد کا استقبال کرنے والوں میں سینٹرل کمیٹی کے رکن اور انٹرنیشنل ڈیپارٹمینٹ کے سربراہ مسٹر چولیانگ، انٹرنیشنل ڈیپارٹمنٹ کے ڈپٹی ہیڈ مسٹر چانگ گوانگ ہوا، کمیونسٹ پارٹی کے دیگر راہنما اور پاکستان کے سفیر اکرم ذکی شامل تھے۔ وفد کو سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا گیا۔ پولیٹکل بیورو سٹینڈنگ کمیٹی کے رکن مسٹر چھوشی لنچ میں شریک ہوئے۔ چین میں قیام کے دوسرے روز ہم صبح شہیدوں کی یادگار پر پھول چڑھانے گئے اور ماؤزے تنگ کے مزار پر حاضری دی۔ ماؤزے تنگ کا جسد خاکی شیشے کے فریم میں

رکھا گیا ہے۔ مجھے پچھلے سال ماسکو میں لینن کا جسد خاکی دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ لینن کو دیکھنے کے بعد ایسے لگا کہ جیسے سو رہے ہیں اور ابھی جاگ جائیں گے۔ ماؤزے تنگ کا چہرہ لینن کی طرح پرسکون نہ تھا۔

اسی روز چین کی کمیونسٹ پارٹی کے وفد کے ساتھ باضابطہ مذاکرات ہوئے۔ چینی وفد کی قیادت سٹینڈنگ کمیٹی کے رکن مسٹر چھیوشی نے کی۔ سٹینڈنگ کمیٹی کمیونسٹ پارٹی کا اعلیٰ ادارہ ہے جس کے پانچ رکن ہیں۔ چینی وفد کے سربراہ نے بڑے اچھے الفاظ میں ماؤزے تنگ اور ذوالفقار علی بھٹو کی آخری ملاقات کا ذکر کیا اور بھٹو شہید کو پاک چین دوستی کا معمار قرار دیا۔ بیگم بھٹو نے بڑے اعتماد کے ساتھ چین کے راہنماؤں کو کشمیر کی صورتحال، افغانستان کے مسئلے اور پاکستان کی اندرونی سیاسی و معاشی صورتحال سے آگاہ کیا۔ مذاکرات دوستانہ خوشگوار ماحول میں ہوئے۔ بیگم بھٹو نے کشمیری مسلمانوں پر ہندو فوج کے مظالم کی تفصیل بتائی اور کہا کہ ہندوستان کے راہنما جواہر لال نہرو نے کشمیر میں استصواب رائے کا وعدہ کیا تھا مگر بعد میں وہ تاخیری حربوں سے کام لیتے رہے اور کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی۔ ہندوؤں کو کثیر مراعات دے کر کشمیر میں بسانے کی کوشش کی گئی مگر جب برف باری کا موسم آتا ہے ہندو کشمیر سے واپس اپنے علاقوں کو لوٹ جاتے ہیں۔ اس طرح اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کی سازش کامیاب نہ ہو سکی۔ کشمیر کے مسلمان اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور پاکستان ان کی اخلاقی مدد کا پابند ہے اور اس بات کا حامی ہے کہ کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق پرامن طریقے سے حل ہونا چاہیے۔ بیگم بھٹو نے افغانستان کے سلسلے میں چینی راہنماؤں کو اعتماد میں لیا اور کہا کہ روسی فوجوں کی واپسی کے بعد امریکہ نے پاکستان کی امداد میں کمی کر دی ہے۔ جبکہ افغان مہاجرین ابھی تک پاکستان میں موجود ہیں جو پاکستانی معیشت پر بوجھ ہیں اور پاکستان کی خواہش ہے کہ افغانستان میں ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ افغان مہاجرین باعزت طور پر اپنے وطن واپس جاسکیں۔ بیگم نصرت بھٹو کی گفتگو سفارت کاری کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ چینی وفد کے لیڈر نے کہا کہ پاکستان چین کا پرانا دوست ہے انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ چین بھٹو کی جان بچانے کے لیے موثر کردار ادا نہ کر سکا۔ بھٹو خاندان نے جمہوریت کی بحالی کے لیے جو مشکلات اور مصائب برداشت کیے ان کی تعریف کی گئی۔ چینی راہنما نے بتایا کہ چین کے وزیر اعظم نے اپنے دورہ روس کے دوران گورباچوف سے کشمیر کے سلسلے میں بات کی تھی اور کہا کہ روس بھارت پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے چینی وزیر اعظم کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں گورباچوف کے ساتھ کشمیر کے مسئلہ پر بات کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ چینی وفد نے بتایا کہ جب چین کے وزیر خارجہ نے ہندوستان کا دورہ کیا تو انہوں نے بھارت کے وزیر خارجہ سے کہا تھا کہ کشمیر کا مسئلہ پرامن طریقے سے حل کیا جائے۔ مذاکرات کے دوران ہمیں بتایا گیا کہ چین کی

http://www.apnaorg.com

حکومت اور عوام پاکستان کے مسائل سے آگاہ ہیں اور مسائل کے بارے میں ہمدردی رکھتے ہیں۔

ہمیں بتایا گیا کہ چین کی خارجہ پالیسی تبدیل نہیں ہوگی۔ جون 1989ء میں چین میں جو مظاہرے ہوئے اس کے بارے میں اعتماد میں لیا گیا اور بتایا کہ یہ مظاہرے امریکہ نے انقلابی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے کرائے تھے جن میں طلبہ کو استعمال کیا گیا اور لاعلمی کی بناء پر عوام بھی ان مظاہروں میں ملوث ہوگئے مگر مسلح افواج نے ان مظاہروں کو ختم کرنے اور آئینی انقلابی حکومت کا تحفظ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ روس کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے اور دوطرفہ تجارت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا گیا۔ مشرقی یورپ میں ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں کہا گیا کہ آنے والا وقت ثابت کرے گا کہ یہ تبدیلیاں کس نوعیت کی ہیں اور عوام کے کس حد تک مفاد میں ہیں۔ کمبوڈیا کے بارے میں چینی راہنماؤں کا مؤقف یہ ہے کہ وہاں پر غیر ملکی مداخلت بند ہونی چاہئے اور اقوام متحدہ کی نگرانی میں انتخابات ہونے چاہئیں۔ چین کمبوڈیا میں مخلوط حکومت کا حامی ہے اور یہ ضروری نہیں سمجھتا کہ کمبوڈیا کی حکومت چین نواز ہو۔ چینی راہنما نے اپنی پارٹی کے بارے میں بتایا کہ ان کی پارٹی کی لائن درست ہے اور پارٹی کا پروگرام عوامی امنگوں کے مطابق ہے۔ چین میں بنیادی یونٹوں پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے پارٹی کا عوام سے گہرا رابطہ ہے۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ اگر حکومت میں پارٹی کے نمائندے عوام سے اپنا رابطہ اور تعلق ختم کردیں تو پارٹی کمزور ہوجاتی ہے حکومتی پارٹی کے لیے عوام سے رابطہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہوتا ہے۔ چینی راہنما نے کہا کہ کوئی بھی ملک سیاسی اتحاد کے بغیر قومی مسائل حل نہیں کرسکتا۔ چین کے لیڈر کی یہ بات سن کر مجھے خیال آیا کہ پاکستان میں محترمہ بے نظیر بھٹو خلوص نیت سے سیاسی اتحاد کے لیے جدوجہد کررہی ہیں اور افہام و تفہیم کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں مگر اپوزیشن کی جماعتیں قومی مسائل حل کرنے کے لیے بھی تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ چینی وفد سے مذاکرات بہت کامیاب رہے۔ عظیم ملک کے عظیم راہنماؤں سے ہمیں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ چین کے رہنما دل کی گہرائیوں سے بات کرتے ہیں منافقت کی سیاست انہیں نہیں آتی۔ ان کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہوتا۔ چین پاکستان کا ایسا دوست ہے جس پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

اسی روز رات کو چین کے گریٹ ہال میں کمیونسٹ پارٹی کے سیکریٹری جنرل چانگ زے من سے ملاقات ہوئی۔ سیکریٹری جنرل چین کی نمبر ون شخصیت ہیں وہ بیگم بھٹو سے بڑی عقیدت سے ملے۔ بیگم بھٹو نے انہیں مسئلہ کشمیر اور افغانستان کے بارے میں اعتماد میں لیا۔ بات چیت دوستانہ ماحول میں ہوئی۔ چانگ زے منگ نے کشمیر اور افغانستان کے سلسلے میں پاکستان کے اصولی موقف سے اتفاق کیا اور ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔

چانگ زے من نے بھٹو شہید کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ دوسرے ممالک میں مداخلت بند کردے تو دنیا میں امن قائم ہوجائے۔ اپنی گفتگو کے دوران چینی راہنما نے نئے

http://www.apnaorg.com

بین الاقوامی سیاسی اور معاشی نظام کی حمایت کی۔ انہوں نے بیگم نصرت بھٹواور وفد کے اعزاز میں پرتکلف ضیافت دی اس موقع پر دونوں لیڈروں نے تقاریر بھی کیں۔ جن میں علاقائی اور بین الاقوامی مسائل کے بارے میں اپنے مؤقف کی وضاحت کی گئی۔ چانگ زے من انگریزی بول سکتے ہیں۔ لہٰذا وہ انٹرپریٹر کے بغیر بیگم نصرت بھٹو سے گفتگو کرتے رہے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ پی پی پی کے تعلقات بڑی طاقتوں اور افواج پاکستان کے ساتھ خوشگوار رہنے چاہئیں۔ بیگم بھٹو نے سیکریٹری جنرل کو بتایا کہ بھٹوشہید کے دورحکومت میں چین کے تعاون سے پاکستان میں جو کارخانے لگائے گئے تھے۔ وہ مارشل لاء کے دوران بند کر دیئے گئے پی پی پی کی حکومت چاہتی ہے کہ ان کارخانوں کو دوبارہ چالو کیا جائے تاکہ بے روزگار نوجوانوں کو روزگار کے مواقع مل سکیں۔ بیگم بھٹو نے اس سلسلے میں چینی راہنما سے تعاون کی درخواست کی جس پر ہمدردانہ غور کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ چینی راہنما نے بتایا کہ چین نے بیرونی ممالک کے لیے بند کھڑکی کھولی ہے جس سے تازہ ہوا اندر آئے گی اور مچھر بھی ساتھ آئے گا مگر وہ مچھر کو مار سکتے ہیں اور تازہ ہوا سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہمارے دورۂ چین کی یہ اہم ملاقات اور ضیافت بڑے خوشگوار ماحول میں اختتام پذیر ہوئی۔

ہم نے بیجنگ میں مرکزی پارٹی سکول دیکھا۔ چین کے ہر شہر میں پارٹی سکول موجود ہیں جہاں پر پارٹی کے عہدیداروں اور حکومتی نمائندوں کو تعلیم اور ٹریننگ دی جاتی ہے۔ بیجنگ کے سکول میں 1200 طالب علم سیاسی تربیت حاصل کررہے ہیں جبکہ اساتذہ کی تعداد 60 ہے۔ بیگم بھٹو پارٹی سکول دیکھنے کے لیے نہ جاسکیں لہٰذا ڈپٹی لیڈر کی حیثیت سے وفد کی قیادت راقم نے کی اور سکول کی انتظامیہ سے بات چیت کی۔ پارٹی سکول میں تین ماہ سے چار سال تک کے ٹریننگ کورس موجود ہیں۔ سکول کی لائبریری میں 11 لاکھ کتب موجود ہیں پارٹی کے ان کارکنوں کو تربیت دی جاتی ہے جنہوں نے پارٹی اور حکومت میں اہم عہدے سنبھالنے ہوتے ہیں ہر عہدیدار کے لیے پارٹی سکول میں تعلیم ضروری ہے۔ پارٹی اور حکومت کے عہدیدار نئے حالات کے مطابق پارٹی سکول میں ٹریننگ حاصل کرتے ہیں۔ مختلف سماجی سیاسی اور معاشی مسائل پر ریسرچ بھی کی جاتی ہے۔ لیوشاؤ چی، چو این لائی اور ماؤزے تنگ بھی پارٹی سکول میں لیکچر دیتے تھے چین میں پارٹی راہنماؤں کی سیاسی تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے پاکستان ایک ایسا بدقسمت ملک ہے جہاں پر سیاست میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو سیاسی علوم سے بے بہرہ ہیں اور محض دولت کی وجہ سے سیاست پر قابض ہیں۔ سیاسی کارکنوں اور عہدیداروں کی تعلیم و تربیت پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ چین کے دورے سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ملک کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں ہر سطح پر تجربہ کار سیاسی کاڈر موجود ہو۔ چین کے دورہ کے دوران ہم نے چین کے قومی اخبار پیپلز ڈیلی کا ہیڈ آفس بھی دیکھا۔ پیپلز ڈیلی تیس لاکھ کی تعداد میں شائع ہوتا ہے۔ اس اخبار میں اٹھارہ سو افراد کام کرتے ہیں۔ جن کی رہائش اور خوراک کا انتظام اخبار کے ذمے ہے۔ اخبار چین کی بنی ہوئی

آٹومیٹک مشینوں پر شائع ہوتا ہے اخبار کی ایڈیٹنگ کمپیوٹر پر ہوتی ہے اور اخبار کی فولڈنگ بھی مشین کے ذریعے ہوتی ہے۔ ہم نے اخبار کی انتظامیہ سے میڈیا کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ پبلسٹی ڈیپارٹمینٹ کے ڈپٹی ہیڈ نے وفد کو پریس اور ذرائع ابلاغ کے بارے میں بریف کیا اور بتایا کہ چین میں سولہ سو اخبار اور رسالے شائع ہوتے ہیں جن کی سالانہ سرکولیشن پچاس بلین ہے۔ 533 براڈ کاسٹنگ سٹیشن ہیں اور 469 ٹی وی سٹیشن ہیں۔ پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ میں آٹھ مختلف بیورو کام کررہے ہیں جن میں پروپیگنڈا بیورو، نیوز بیورو، ریسرچ بیورو، فلم آرٹ بیورو ایجوکیشن بیورو، فارن بیورو، پبلشنگ بیورو، کاڈر بیورو شامل ہیں۔ پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ میں پانچ سو سٹاف ممبر ہیں۔ پروپیگنڈا پارٹی کی مرکزی لائن کے مطابق کیا جاتا ہے عوام کو حقیقی صورتحال سے باخبر رکھا جاتا ہے اور مبالغہ آرائی نہیں کی جاتی سچی اور قابل اعتماد خبریں شائع کی جاتی ہیں اور رپورٹنگ حقیقت پسندی پر مبنی ہوتی ہے۔ چین میں میڈم چو این لائی سے بیگم نصرت بھٹو کی ملاقات ایک جذباتی مرحلہ تھا دونوں پرانے دوست ایک دوسرے کو بڑی محبت سے ملے۔ میڈم چو این لائی نے ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت کا ذکر کیا اور کہا کہ انہوں نے جناب بھٹو کی جان بچانے کی بہت کوشش کی مگر ان کی اپیل فوجی حکمرانوں کو متاثر نہ کرسکی۔ میڈم نے محترمہ بے نظیر بھٹو کو ایشیاء کی عظیم خاتون قرار دیا میڈم چو این لائی کی عمر 75 برس سے زیادہ تھی سہارے کے بغیر چل نہیں سکتی تھیں۔ مگر ذہنی طور پر بہت الرٹ تھیں۔ انہوں نے ایک منجھے ہوئے سیاست دان اور سفارت کاری کے ماہر کی حیثیت سے گفتگو کی۔ ہم ان کی انتہائی پرمغز اور دلچسپ گفتگو سے بہت متاثر ہوئے۔ میڈم چو این لائی نے بیگم بھٹو سے اس طرح کھل کر باتیں کیں جیسے ایک ہی خاندان کے دو افراد مدت کے بعد ملے ہوں۔ میڈم نے پاکستان کے اندرونی حالات کے بارے میں بھی دریافت کیا۔ چین کے وزیراعظم لی پنگ نے بیگم بھٹو اور وفد کے اعزاز میں پرتکلف ضیافت دی۔ دنیا کے ایک بڑے ملک کے وزیراعظم ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے ہیں ان کے ڈرائنگ روم میں پندرہ افراد مشکل سے بیٹھ سکے۔ چین کے وزیراعظم نے بیگم بھٹو سے معذرت کی کہ ان کا گھر چھوٹا ہے اور شاید وفد کے اراکین کے لیے آرام دہ نہ ہو۔ بیگم بھٹو نے انہیں مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں اعتماد میں لیا اور خوشگوار ماحول میں تبادلہ خیال کیا۔ چین کے وزیراعظم نے بتایا کہ وہ بین الاقوامی سطح پر مسئلہ کشمیر کے پرامن حل کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کررہے ہیں۔ ڈنر پندرہ کورس پر مشتمل تھا جس کے دوران چینی گلوکاروں کے گائے ہوئے پاکستانی گیت ماحول کو پرلطف اور دلکش بناتے رہے۔ گیتوں کے بول تھے۔

جیوے جیوے پاکستان
سوہنی دھرتی اللہ رکھے قدم قدم آباد
تجھے پیار کرتے کرتے میری عمر بیت جائے۔

http://www.apnaorg.com

بیجنگ سے ہم خصوصی طیارے کے ذریعے چین کے دوسرے بڑے شہر شنگھائی پہنچے۔ راستے میں چین کی سرزمین دیکھنے کا موقع ملا۔ قوم کا ڈسپلن درختوں اور کھیتوں کی قطاروں سے نظر آرہا تھا۔ کھیت ایسے لگتے تھے جیسے کسی نے زمین کو سجا رکھا ہو۔ شنگھائی ایک خوبصورت شہر ہے۔ شنگھائی میں بھی ہمارا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ ہمیں سٹیٹ گیسٹ ہاؤس کے اندر ایک خصوصی بلاک میں ٹھہرایا گیا۔ شنگھائی میں قیام کے دوران ہم نے چین کی نمبر ون فیکٹری دیکھی وہاں کے ملازمین اور کاریگروں نے ہمارا پرجوش استقبال کیا۔ ٹی وی فیکٹری میں محنت کشوں کی بنیادی سہولتوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے ہر محنت کش کو مفت رہائش اور تعلیم کی سہولتیں حاصل ہیں تنخواہ کے علاوہ انہیں منافع میں بونس بھی ملتا ہے۔ شنگھائی میں ہم نے مالو ٹاؤن شپ کواپریٹو سکیم بھی دیکھی۔ بتیس ہزار افراد اس سکیم میں رہتے ہیں۔ زراعت اور انڈسٹری میں ٹاؤن شپ نے غیر معمولی ترقی کی ہے یہ سکیم کواپریٹو کی بہترین مثال ہے۔ 1978ء میں اس کواپریٹو کی کل پیداوار 34.54 بلین یوان تھی جو 1989ء میں 490 ملین یوان ہوگئی۔ اس طرح بیس سال کے عرصے میں کل پیداوار میں 1324% فی صد اضافہ ہوا۔ چین کے کواپریٹو سسٹم نے دنیا پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر انسان مل کر کوشش کریں تو وہ ملک کو عظیم طاقت بنا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ نظام استحصالی نہ ہو اور ہر ایک کے لیے ترقی کرنے کے مساوی مواقع موجود ہوں۔ چین بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیتا ہے کیونکہ نئی نسل کا دارومدار ہر لحاظ سے صحت مند بچوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہم نے چلڈرن پیلس دیکھا جس میں صحت مند خوش و خرم بچے اپنے اپنے فن میں مہارت حاصل کر رہے تھے۔ سات آٹھ سال کے بچوں نے ہمیں پیانو بجا کر سنایا۔ کچھ بچوں نے مارشل آرٹ پیش کیا۔ کئی بچے آرٹ ورک میں مشغول تھے۔ بچوں کے پیلس میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ مجھے چین کے صحت مند بچے دیکھ کر اپنے ملک کے بچے یاد آئے جن کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی جن کی صلاحیتیں خاک میں مل کر رہ جاتی ہیں ان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں اجاگر نہیں ہو پاتیں اور اس طرح قوم قحط الرجال کا شکار ہوجاتی ہے۔ شنگھائی کے میئر نے پرتکلف عشائیہ دیا اور بیگم نصرت بھٹو کی قابل رشک عزت کی۔ شنگھائی کی وزٹ ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔ بیجنگ واپس آنے کے بعد ہم نے دیوار چین دیکھی جو دنیا کے سات عجائب میں سے ایک ہے۔ گریٹ وال اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ چینی قوم ارادے کی پختہ اور معجزے دکھانے والی قوم ہے۔ پہاڑوں، وادیوں، میدانوں اور سمندر سے گزرتی ہوئی یہ دیوار چین ایک ایسا کارنامہ ہے جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دو طرفہ دیوار جس کے درمیان سیمنٹ کی سیڑھیاں بنائی گئی ہیں آٹھ ہزار کلومیٹر لمبی ہے اور اس کی تعمیر تین سو سال میں مکمل ہوئی۔ اس دیوار کا مقصد چین کو حملہ آوروں سے محفوظ رکھنا تھا۔ اس دیوار کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ پرانے زمانے کے لوگ کتنے محنتی تھے۔

چین کا دورہ بیگم نصرت بھٹو کی اعلیٰ سفارت کاری کا بہترین نمونہ تھا۔ انہوں نے بڑی ذہانت اور

فراست سے چین کے راہنماؤں سے مذاکرات کئے۔ بیگم بھٹو 1968ء سے قومی اور بین الاقوامی سطح پر سیاست سے منسلک رہی ہیں اور خارجہ امور کی اہمیت اور نزاکت سے پوری طرح بہرہ ور ہیں ان کے ذاتی تجربے نے ان میں غیر معمولی خود اعتمادی پیدا کر دی ہے۔ چین کے دورے کے دوران وہ جہاں بھی گئیں ان کا پرجوش استقبال کیا گیا بھٹو خاندان کیلئے عزت اور وقار دنیا کے ہر ملک میں پایا جاتا ہے۔ دنیا میں بہت کم ایسے خاندان ہیں جو ملکوں کے وقار میں اضافے کا باعث بنتے ہیں بھٹو خاندان کی بین الاقوامی شہرت اور عزت پاکستان کے وقار میں اضافے کا باعث بن رہی ہے اس کا مشاہدہ چین اور کوریا کے دورہ میں ہوا۔ ہماری قوم کی بدقسمتی یہ ہے کہ جس خاندان کی پوری دنیا کے لوگ عزت کرتے ہیں اس کے ساتھ اسٹیبلشمنٹ انتہائی ظالمانہ سلوک روا رکھتی ہے۔ چین کے لوگ آج بھی آمد و رفت کے لیے سائیکل استعمال کرتے ہیں۔ اس سے ایک تو ٹریفک کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا اور ان کی صحت بھی اچھی رہتی ہے کیونکہ سائیکل چلانا دنیا کی بہترین ایکسر سائز ہے۔ آبادی غیر معمولی ہے مگر ڈسپلن مثالی ہے۔ چین آج دنیا کی تیسری بڑی طاقت ہے۔ غیر معمولی آبادی والے ملک کا ترقی کرنا انتہائی مشکل کام ہوتا ہے چین نے ڈسپلن، محنت اور دیانت پر عمل کر کے دنیا میں مقام حاصل کیا ہے۔ جو ملک اپنے عوام کو ترقی کرنے کے مساوی مواقع اور مساوی مراعات مہیا کر دے اس کو دنیا کی کوئی طاقت ترقی کرنے سے نہیں روک سکتی پاکستان میں بھی جب تک ہر شخص کو ایک جیسی بنیادی سہولتیں مہیا نہیں کر دی جاتیں ملک کی ترقی و خوشحالی ناممکن رہے گی۔ چین کے تمام لوگ ایک ہی قسم کے فلیٹوں میں رہتے ہیں ان کے بچے ایک ہی قسم کے سکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان میں اونچ نیچ نہیں ہے اور تنخواہوں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ کم سے کم تنخواہ ایک سو یوان اور زیادہ سے زیادہ تین سو یوان ہے۔ پورے چین میں ہمیں کوئی غریب نظر نہیں آیا تمام لوگ خوش پوشاک تھے اور چہروں پر رونق موجود تھی۔ چین کا ایک انٹرپریٹر اُردو بول رہا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ اُردو زبان کہاں سے سیکھی اس نے بتایا کہ وہ دو سال پاکستان میں اُردو کی تعلیم حاصل کرتا رہا میں نے اس سے سوال کیا کہ اس کے خیال میں پاکستان کے عوام میں ڈسپلن کی کمی کیوں ہے اس نے بے ساختہ جواب دیا کہ جس قوم کے اساتذہ کلاس روم میں دیر سے آئیں اور وہ خود آداب کا خیال نہ رکھیں تو اس قوم میں ڈسپلن کہاں سے آئے گا۔ پاکستان میں جو لیڈر دیر سے میٹنگ میں پہنچے اس کو عظیم لیڈر سمجھا جاتا ہے۔ بانیٔ پاکستان قائداعظم نے ہمیں وقت کی پابندی کی تعلیم دی مگر ہم ان کی عزت تو کرتے ہیں مگر ان کے پیغام کو بھول گئے ہیں۔

بیگم بھٹو نے پاکستان کے سفارت خانے میں پاکستانیوں سے بھی ملاقات کی اور انہیں پاکستان کی سیاسی صورتحال سے آگاہ کیا۔ پاکستان کی خواتین اور مردوں نے بیگم بھٹو کا پرجوش استقبال کیا۔ کئی سو افراد جمع تھے اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ بیگم بھٹو کے ساتھ تصویر بنوائے اس سے ان کی بیگم بھٹو سے محبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چین کے عوام بہت پرخلوص ہیں۔ منافقت سے ان کو نفرت ہے۔ جو

دل میں ہو صاف کہہ دیتے ہیں۔ چین میں جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جرائم وہاں ہوتے ہیں جہاں پر دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہو اور انسان کی عزت کا انحصار دولت پر ہو۔ چین میں لوگ پرامن اور پرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ علم حاصل کرنے کے لیے چین جاؤ۔ چین سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

بیگم بھٹو کا دورہ شمالی کوریا: ڈیموکریٹک پیپلز ری پبلک آف کوریا ایشیا کے مشرق میں واقع ہے۔ اس کی آبادی دو کروڑ ہے شمالی کوریا کی سرحدیں شمال میں چین اور روس سے ملتی ہیں جبکہ مشرق، مغرب اور جنوب میں سمندر ہے۔ شمالی کوریا کے عظیم راہنما کم ال سنگ نے تیرہ سال کی عمر میں اپنا گھر اس مصمم عہد کے ساتھ چھوڑ دیا کہ وہ اپنے ملک کی آزادی تک گھر واپس نہیں آئیں گے۔ اس وقت کوریا جاپان کے قبضے میں تھا۔ کوریا کا دارالخلافہ ایک ایسا شہر تھا جہاں پر غربت تھی اور بیروزگار نوجوان سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے پھرتے تھے۔ دارالحکومت پیانگ یانگ میں گندگی ہر جگہ نظر آتی تھی۔ کوریا کی جنگ کے دوران امریکی سامراج نے پیانگ یانگ پر 1431 بار حملہ کیا اور 428748 بم پھینک کر شہر کو تباہ و برباد کر دیا۔ پیانگ یانگ کی تباہی کے بعد امریکہ نے کہا کہ کوریا اب سو سال تک نیا شہر آباد نہیں کر سکے گا۔ کوریا کے غیر ملکی دوستوں نے بھی مشورہ دیا کہ دارالحکومت کسی اور جگہ بنا لیا جائے کیونکہ پیانگ یانگ تو بمباری کی وجہ سے ریگستان بن چکا ہے مگر کوریا ایک ایسا خوش قسمت ملک ہے جسے کم ال سنگ جیسے عظیم راہنما کی ولولہ انگیز قیادت حاصل تھی جنہوں نے طویل عرصہ جاپان اور امریکہ سے جنگ کر کے آزادی حاصل کی اور آزادی کی جنگ میں ان کے خاندان کے کئی افراد مارے گئے۔ انہوں نے ورکرز پارٹی تشکیل دی اور اپنے ملک کی تعمیر نو کا چیلنج قبول کیا۔ دس سال کے مختصر عرصے میں ویران شہر کو ایک خوبصورت دارالحکومت میں تبدیل کر کے دنیا کو حیران و ششدر کر دیا۔ پیانگ یانگ میں شہریوں کے لئے میٹرو سے لے کر خوبصورت سٹیڈیم تک ہر قسم کی سہولتیں موجود ہیں۔ پیانگ یانگ آج دنیا کا خوبصورت ترین دارالحکومت ہے جہاں پر صفائی بے مثال ہے۔ ہر شخص کو روزگار اور زندگی کی بنیادی سہولتیں حاصل ہیں۔ پیانگ یانگ کا شہر اور خصوصاً اس کا جوچے ٹاور یہ سبق دے رہا ہے کہ قوم مشترکہ جدوجہد کے بعد ترقی کر سکتی ہے۔ دنیا میں ملکوں نے مسلح جدوجہد کے بعد انقلاب برپا کر کے ہی ترقی کی منازل طے کی ہیں جن قوموں کو ملک طشتری میں رکھ کر دیئے گئے انہیں کھلونا سمجھا گیا اور ان قوموں میں اپنے وطن سے وہ لازوال محبت پیدا نہ ہو سکی جو دکھ درد کے دریا عبور کر کے حاصل ہوتی ہے۔

بیگم نصرت بھٹو چیئر پرسن پی پی پی کو کوریا وزٹ کرنے کی دعوت ورکرز پارٹی آف کوریا نے دی تھی۔ پاکستان کی تاریخ میں ایک سیاسی پارٹی کے وفد کا شمالی کوریا کا پہلا دورہ تھا۔ وفد کی قیادت بیگم نصرت بھٹو چیئر پرسن پی پی پی سینئر وفاقی وزیر حکومت پاکستان نے کی۔ شمالی کوریا کے صدر جناب کم ال

سنگ نے ایک خصوصی طیارہ بیگم بھٹو کے لیے بیجنگ روانہ کیا یہ ان کی محبت کا ثبوت تھا اور ہمارے لئے بڑا اعزاز تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ کی پرواز کے بعد ہم پیانگ یانگ ایئرپورٹ پر پہنچ گئے۔ ایئرپورٹ پر کوریا کے نائب صدر، ورکرز پارٹی کے عہدیدار اور اسلامی ممالک کے سفیر استقبال کے لیے موجود تھے۔ انتہائی جذباتی منظر تھا۔ کوریا کے انٹرنیشنل ڈیپارٹمینٹ کے ڈائریکٹر میری کار میں سفر کررہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کوریا کے عوام بیگم نصرت بھٹو اور محترمہ بے نظیر بھٹو کی بہت عزت کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان کے استقبال کے لیے گھروں اور دفتروں سے باہر نکل آئے ہیں۔ راستے میں کئی جگہ بیگم بھٹو کو اوپن کار سے نیچے اتار کر گلدستے پیش کیے گئے۔ ہمیں جس گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا گیا وہ غیر ملکی سربراہوں کے لئے مخصوص ہے۔ بیگم بھٹو کی بھی سربراہ ملک کی طرح عزت کی گئی۔ ہمیں یہ پرجوش اور پرخلوص استقبال زندگی بھر نہیں بھولے گا۔ پاکستان میں کوریا کے سفیر ہمارے ساتھ کوریا تشریف لے گئے اور دورے کے دوران ہمارا بڑا خیال رکھا۔ کوریا کے سفیر ایک دلچسپ شخصیت ہیں۔

اسی دن ہمیں شہیدوں کی یادگار پر لے جایا گیا۔ جن شہیدوں نے جاپان کے خلاف جنگ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور وطن کو آزاد کرایا۔ ان کی یادگار شہر کے قریب ایک پہاڑی پر تعمیر کی گئی ہے۔ اس پہاڑی سے پورا شہر نظر آتا ہے گویا شہید اپنے خوبصورت ملک کو دیکھ رہے ہیں۔ ہر شہید کی قبر پر اس کا خوبصورت مجسمہ نصب کیا گیا ہے اور کتبے پر اس کا نام تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات درج ہے۔ شہیدوں کی یادگار بہت خوبصورت ہے۔ زندہ قومیں اپنے شہیدوں کو یاد رکھتی ہیں۔

میرا وطن کہ زندگی جس پر نثار کرنے کو تیار ہوں ایک ایسا بدقسمت ملک ہے کہ جس کے شہیدوں کے مزار تعمیر نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے نام تاریخ میں شامل ہوتے ہیں۔ ہم ایک ایسی ظالم اور سفاک قوم کے باشندے ہیں جو اپنے شہیدوں اور محسنوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دیتی ہے مگر اس کے باوجود شہادت کا جذبہ ہر دم تازہ رہتا ہے۔ کوریا میں ہم نے مئی ڈے سٹیڈیم دیکھا جو ایشیا کا سب سے بڑا سٹیڈیم ہے اور جس میں ڈیڑھ لاکھ افراد بیٹھ سکتے ہیں۔ 1989ء میں اس سٹیڈیم میں انٹرنیشنل یوتھ فیسٹیول ہوا تھا جس میں جناب شیخ رفیق احمد اور مجھے شرکت کا موقع ملا تھا۔ اس رنگارنگ، دلکش اور بامقصد فیسٹیول کی یادیں آج بھی تازہ ہیں۔ کوریا کا یہ میرا دوسرا دورہ تھا لہٰذا میں وفد کے دوسرے اراکین کی نسبت زیادہ انجوائے کر رہا تھا۔ کوریا کا جوچے ٹاور ایک حیرت انگیز ٹاور ہے۔ یہ ٹاور 1982ء میں تعمیر ہوا اور اس کی بلندی 170 میٹر ہے جس کے اوپر 20 گز بلند مشعل جل رہی ہے۔ یہ ٹاور جوچے آئیڈیا کی یاد دلاتا ہے۔ جوچے کے نظریہ پر عمل کر کے کوریا نے ترقی کی منازل طے کی ہیں۔ اس نظریئے کے مطابق انسان اپنی قسمت کا خود مالک ہے اور اپنی تقدیر خود بناتا ہے۔ اس نظریئے کا فلسفہ یہ ہے کہ مزدور، کسان اور دانشور مل کر انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ کوریا کے عوام نے اپنے عظیم راہنما کم ال سنگ کی قیادت میں جدوجہد کر کے اور اپنے ملک کو خوشحال بنا کر ثابت کر دیا ہے کہ انسان اپنی

قسمت خود بناتا ہے۔ جوچے ناور کوریا کے عوام کے عزم اور ہمت کا نشان ہے۔ پاکستان میں عوام کی سوچ اور فکر کی بنیاد ہی غلط ہے۔ پاکستان میں عوام کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ انسان کسی پر کوئی قدرت نہیں رکھتا اس کا انحصار قسمت پر ہے۔ اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہر کام خود بخود ہو جائے۔ ایک واقعہ کے مطابق ایک مسافر حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا جس کے کپڑے گرد آلود تھے حضورؐ نے پوچھا کس سواری پر آئے ہو مسافر نے جواب دیا اونٹنی پر آیا ہوں۔ حضورؐ نے پوچھا اونٹنی کہاں ہے۔ مسافر نے کہا کہ اسے اللہ اور اس کے رسولؐ کے توکل پر چھوڑ دیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا پہلے اونٹنی کے پاؤں باندھو اور پھر اللہ پر توکل کرو۔ حضور اکرم ﷺ کی حدیث کے مطابق پہلے محنت اور بعد میں توکل کرنے کا حکم ہے مگر ہم محنت کو بھول گئے ہیں اور ہر کام کو اللہ کے توکل پر چھوڑ دیا ہے۔

کوریا میں آپ کو قدم قدم پر انسانی محنت اور عظمت کے شاہکار مل سکتے ہیں۔ کوریا نے اپنے سوشلسٹ نظام کو محفوظ کیا ہوا ہے۔ کوریا کا نظام دنیا کا واحد نظام ہے جسے اپنے ملک کے سیاسی اور جغرافیائی حالات کے عین مطابق تشکیل دیا گیا ہے۔ اس نظام سے کوریا کے تمام باشندے مطمئن ہیں۔ کوریا میں دوسرے روز کوریا کے صدر عظیم انقلابی لیڈر اور ورکرز پارٹی کے جنرل سیکریٹری کم ال سنگ سے ملاقات ہوئی اور ان سے مذاکرات ہوئے۔ مذاکرات کے دوران عظیم قائد کم ال سنگ نے بیگم بھٹو کو اس دورے کی یاد دلائی جو انہوں نے بھٹو شہید کے ہمراہ چودہ سال قبل کیا تھا۔ جناب کم ال سنگ نے ذوالفقار علی بھٹو شہید کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور ان کی شہادت پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ شہید بھٹو ان کے بہترین دوست تھے۔ پی پی پی کی دوبارہ کامیابی پر بیگم بھٹو کو مبارکباد دی۔ بیگم نصرت بھٹو نے مارشل لاء دور کے مصائب کا ذکر کیا اور کہا کہ مارشل لاء کے دوران معاشی ترقی رک گئی تھی۔ اس دور میں ہیروئن کی سمگلنگ شروع ہوئی۔ بینکوں کے قرضے واپس نہ کئے گئے ملک کو ایڈہاک ازم کی بنیادوں پر چلایا گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج ملک کے اندر تعلیم صحت اور صنعت کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہے لہٰذا پاکستان نے دوسرے ممالک سے مل کر مشترکہ سرمایہ کاری شروع کی ہے۔ بیگم بھٹو نے افغانستان کے مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ روسی افواج کی واپسی کے بعد امریکہ نے افغان مہاجرین کے سلسلے میں امداد میں کمی کر دی ہے اور اب پاکستان پر افغان مہاجرین کا زیادہ بوجھ پڑ گیا ہے۔ بیگم بھٹو نے کشمیری مسلمانوں پر ہندوؤں کے مظالم پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور کہا کہ ہندوستان انسانی حقوق کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہا ہے۔ بھارت نے اقوام متحدہ کی قرار دادوں کو مسترد کر کے دراصل اقوام عالم کی توہین کی ہے۔

جناب کم ال سنگ نے مذاکرات کے دوران اس توقع کا اظہار کیا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی قیادت میں پاکستان ترقی کرے گا۔ انہوں نے کوریا کے اندرونی حالات اور معاشی ترقی کا تفصیل سے ذکر کیا اور کہا کہ وہ نظریاتی، ثقافتی اور صنعتی انقلاب مکمل کر رہے ہیں اور کورین سوشلزم میں یقین رکھتے ہیں۔

انہوں نے کہا کوریا کے عوام کا اصول یہ ہے "ایک سب کے لئے اور سب ایک کے لئے ایک خاندان کی طرح کام کریں"۔ انہوں نے کہا کہ بیرونی ممالک کے نظریات اگر ہمارے مزاج کے مطابق ہوں تو ہم انہیں قبول کر لیتے ہیں وگرنہ رد کر دیتے ہیں۔ مشرقی یورپ میں حالیہ تبدیلیوں کے بارے میں ان کی رائے یہ تھی کہ مشرقی ممالک کے عوام اپنے لیڈروں سے بیزار ہو چکے تھے اور راہنماؤں کا عوام سے رابطہ کٹ چکا تھا مگر کوریا میں عوام اور پارٹی کا گہرا رابطہ ہے۔ جوچے کا نظریہ ایک کامیاب نظریہ ہے۔ آج کوریا کا ہر شہری تعلیم حاصل کر رہا ہے اور حکومت بی اے تک تمام شہریوں کو مفت تعلیم دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ ہر فیکٹری میں کالج موجود ہے۔ ہم سات سالہ منصوبہ مکمل کرنے کے بعد دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہو جائیں گے اور بعض شعبوں میں ترقی یافتہ ممالک سے بھی آگے نکل جائیں گے۔ جناب کم ال سنگ نے شمالی کوریا اور جنوبی کوریا کے اتحاد کے بارے میں بتایا کہ شمالی کوریا پرامن ذرائع سے کوریا کی ایسی کنفیڈریشن کا حامی ہے جس کا صدر باری باری نامزد کیا جائے۔ دونوں ممالک اپنے اپنے معاشی اور سیاسی نظاموں کے تحت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ ہم یہ مسئلہ سہ فریقی کانفرنس سے حل کرنا چاہتے ہیں۔ شمالی کوریا، جنوبی کوریا اور امریکہ کے راہنما مذاکرات کے ذریعے اتحاد کا مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔ شمالی کوریا امن معاہدہ اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ انہوں نے کہا کہ شمالی کوریا کی خارجہ حکمت عملی کی بنیاد آزادی، امن اور دوستی پر رکھی گئی ہے۔ جناب کم ال سنگ نے کشمیر اور افغانستان کے مسئلہ پر پاکستان کے مؤقف کی حمایت کی اور کہا کہ دونوں مسئلے پرامن طریقے سے حل ہونے چاہئیں۔ مذاکرات دوستانہ اور خوشگوار ماحول میں ختم ہوئے اور جناب کم ال سنگ نے بیگم نصرت بھٹو کے دورۂ پاکستان کی دعوت قبول کر لی۔

عظیم لیڈر نے مجھے کہا کہ آپ نوجوان ہیں اور کئی بار کوریا کا دورہ کر سکتے ہیں۔ اس پرتکلف ضیافت میں دونوں راہنماؤں نے تقریریں کیں۔ جناب کم ال سنگ نے اپنی تقریر میں بھی جناب بھٹو شہید کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کے دور میں کوریا اور پاکستان کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ بیگم نصرت بھٹو کے دورے سے دونوں ملکوں کے تعلقات اور بھی مستحکم اور خوشگوار ہو جائیں گے۔ بیگم نصرت بھٹو نے اپنی جوابی تقریر میں گریٹ لیڈر کم ال سنگ کی کوریا کی آزادی اور خوشحالی کے لئے ان کی قربانیوں کی تعریف کی اور کہا کہ کوریا نے ان کی عظیم قیادت میں زبردست ترقی کی ہے۔ عظیم قائد کم ال سنگ نے بیگم نصرت بھٹو کو اپنے گھر پر بھی ڈنر دیا۔ بیگم صاحبہ کے لئے یہ ایک منفرد اعزاز تھا۔ یہ کوریا کے راہنماؤں کی بھٹو خاندان سے محبت کا اظہار تھا۔

کوریا میں ہم نے عظیم لیڈر کم ال سنگ کا پرانا گھر دیکھا جس میں ان کے گھریلو استعمال کی اشیاء محفوظ رکھی گئی ہیں کم ال سنگ ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ہمیشہ محنت کش اور متوسط طبقے نے ملک اور قوم کے لئے قربانیاں دی ہیں۔ عظیم لیڈر کے پرانے گھر کے

ساتھ ایک خوبصورت پارک بنا دیا گیا ہے۔ پیانگ یانگ میں بچوں کا پیلس اس قدر وسیع ہے کہ یہاں پر پانچ ہزار بچے مختلف مشاغل میں حصہ لیتے ہیں۔ اس شاندار پیلس میں بچوں کی تفریح کے لئے ہر قسم کی سہولت موجود ہے۔ سویمنگ پول سے لے کر کمپیوٹر گیمز تک سب کچھ میسر ہے۔ بچے اپنے اپنے مزاج کے مطابق ہنر سیکھتے ہیں۔ زندہ قومیں اپنے بچوں کی نشوونما پر پوری توجہ دیتی ہیں جبکہ پاکستان میں بچے اللہ کے توکل پر پرورش پاتے ہیں۔ کوئی سیاسی جماعت یا ادارہ بچوں کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ چلڈرن پیلس میں ننھے منے بچوں نے ہمیں موسیقی سنائی۔ ہم نے پیلس کے خوبصورت ہال میں بچوں کا کلچرل شو دیکھا۔ بچوں نے ہمیں ''سوہنی دھرتی اللہ رکھے قدم قدم آباد'' اور ''جیوے جیوے پاکستان'' کے گیت سنا کر بہت متاثر کیا۔ سٹیج بہت خوبصورت بنایا گیا ہے جس کے سین موقع اور مناسبت کے لحاظ سے خودبخود بدلتے رہتے ہیں۔ پلک جھپکتے ہی منظر تبدیل ہوجاتا ہے۔ بچوں میں ڈسپلن حیرت انگیز تھا۔ میڈم کم ال سنگ سرکاری دعوتوں اور پروگراموں میں شریک نہیں ہوتیں مگر انہوں نے بیگم نصرت کی عزت افزائی کے لئے ڈنر میں بھی شرکت کی اور بچوں کے پیلس میں بھی بیگم صاحبہ کے ہمراہ رہیں۔

مغربی سمندر کا بیراج شمالی کوریا کا حیرت انگیز کارنامہ ہے جس پر کوریا کی قوم بجا طور پر فخر کرسکتی ہے۔ یہ بیراج اپنی مدد آپ کے اصول پر عظیم قائد کم ال سنگ کی ذاتی نگرانی میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اس مقام پر سمندر اور دریا دونوں ملتے ہیں۔ سمندر میں ہر سال شدید طوفان آتے تھے جس سے بہت زیادہ تباہی ہوتی تھی اور اربوں روپے کا نقصان ہوتا تھا۔ کوریا کے عوام نے بیراج بنا کر خوفناک سمندر کو بے بس کر دیا ہے۔ یہ انسانی عظمت اور محنت کا شاہکار ہے۔ اس بیراج کی تعمیر سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے۔ 8 کلومیٹر بیراج تعمیر کر کے سمندر اور دریا کو الگ کر دیا گیا ہے۔ بیراج کی تعمیر کے بعد کافی زمین سیراب ہوگئی۔ کوریا کی فوج نے یہ حیران کن بیراج مکمل کیا۔ پاکستان میں بھی فوج سے بڑے بڑے تعمیراتی منصوبے مکمل کرانے چاہئیں تاکہ فوج تعمیری کاموں میں مصروف رہے۔

جاپان میں سات روز

1989ء میں حکومت جاپان نے مجھے جاپان کا دورہ کرنے کی دعوت دی مگر اس وقت محترمہ بے نظیر بھٹو نے مجھے ملک سے باہر جانے کی اجازت نہ دی اور میں نے جاپان کے سفارت کاروں سے معذرت کر لی۔ فروری 1990ء کے آخر میں مجھے جاپان کا دورہ کرنے کی دوبارہ دعوت ملی تو محترمہ نے بیرون ملک جانے کی اجازت دے دی۔ میں 25 مارچ کی شام کراچی پہنچ گیا کیونکہ مجھے 26 مارچ کی صبح ساڑھے تین بجے کی پرواز سے ٹوکیو کے لیے روانہ ہونا تھا۔ ان دنوں کراچی دہشت گردی کی لپیٹ میں تھا اور میں انجانے خوف میں مبتلا تھا۔ کراچی امن وسکون کا مسکن ہوا کرتا تھا ملک بھر سے لوگ تفریح کے لیے کراچی جایا کرتے تھے۔ مگر اب کراچی خوف کی تحویل میں تھا۔ تھائی ایئر لائن کے جہاز میں داخل ہوا تو انجانے خوف سے آزادی ملی۔ طیارے کے دروازے پر ایک خوبصورت ایئر ہوسٹس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اور جھک کر سلام کیا۔ مسافروں کو نیم گرم چھوٹے تولیے دیئے گئے تاکہ وہ اپنے ہاتھ اور منہ صاف کر سکیں۔ مشروبات سے نوازا گیا۔ میں نے زندگی بھر شراب پینے سے گریز کیا ہے۔ خوبصورت ایئر ہوسٹس اس ناز و ادا کے ساتھ ساقی گری کر رہی تھی کہ امام خمریات ریاض خیر آبادی کا یہ شعر یاد آگیا

میرا یہی خیال ہے گو میں نے پی نہیں
کوئی حسین پلائے تو یہ شے بری نہیں

طیارے میں صبح کے ناشتے کا معیار فائیو سٹار ہوٹل کے برابر تھا۔ سب مسافروں کو چھوٹا پرس دیا گیا۔ جس میں شیونگ کٹ، ٹوتھ برش اور کنگھی تھی طیارہ چار گھنٹے کی خوشگوار پرواز کے بعد بنکاک پہنچا۔ بنکاک میرے لیے نیا نہ تھا میں نے اس شہر خرابی میں نو ماہ گزارے تھے۔ مارشل لاء کے دور میں جب اپنے وطن کی زمین مجھ پر تنگ ہونے لگی تو مجھ جیسے درویش کو مجبوراً اس شہر کا رخ کرنا پڑا کیونکہ بنکاک کے لیے ویزے کی پابندی نہ تھی۔ بنکاک پہنچا تو ٹوکیو کی فلائٹ تیار تھی۔ طیارہ چھ گھنٹے کی پرواز کے بعد جاپان کے بین الاقوامی ایئر پورٹ ناریتیا پہنچا۔ پاکستانی سفارت خانے کا ایک آفیسر اور جاپان کے محکمہ خارجہ کا نمائندہ میرے استقبال کے لیے موجود تھے۔ ناریتیا ایئر پورٹ سے ٹوکیو شہر پہنچنے کے لیے سوا گھنٹہ لگتا ہے۔ جب میں کار پر ٹوکیو کے لیے رواں دواں تھا تو میں نے سڑک کے دونوں جانب سکرینیں دیکھیں ان سکرینوں کی وجہ سے شہر کی آبادی نظر نہیں آ رہی تھی یہ میرا پہلا مشاہدہ تھا میں نے سکرینوں کے بارے میں دریافت کیا تو پتہ چلا کہ یہ ساؤنڈ پروف سکرینیں ہیں تاکہ ٹریفک کے شور سے

http://www.apnaorg.com

عوام کے سکون میں خلل نہ پڑے۔

ترقی یافتہ قومیں اپنے شہریوں کا کتنا خیال رکھتی ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا کہ جاپان کے تمام ایئرپورٹ رات گیارہ بجے بند ہو جاتے ہیں اور گیارہ بجے کے بعد کوئی جہاز لینڈ نہیں کر سکتا۔ یہ پابندی بھی شہریوں کے آرام کے لئے لگائی گئی ہے۔ مجھے ارض وطن کا خیال آیا جہاں پر سیاسی، سرکاری اور مذہبی ادارے عوام کے سکون کا بالکل خیال نہیں رکھتے سیاسی تقریروں اور مذہبی جلسوں کی پوری آزادی ہے۔ آپ درجنوں لاؤڈ سپیکر لگا کر اپنی تقریروں سے شہریوں کو رات کے دو تین بجے تک بڑی آسانی سے جگا سکتے ہیں۔

میرے قیام کا انتظام ٹوکیو کے ایک پر رونق علاقے گنزا میں کیا گیا تھا۔ ہوٹل کا نام گنزا ڈاچی ہے جو ہر لحاظ سے خوبصورت اور معیاری ہے۔ گنزا سٹریٹ دنیا کی سب سے زیادہ روشن سٹریٹ ہے۔ مجھے یہ منور اور روشن سٹریٹ دیکھ کر پاکستان میں لوڈشیڈنگ کا شدت سے احساس ہوا اور اپنے دیس کے ہزاروں دیہات یاد آگئے جو صدیوں سے روشنی کو ترس رہے ہیں۔ دوسرے روز صبح گیارہ بجے فارن آفس میں جنوب مغربی ایشیاء کے ڈائریکٹر مسٹر نکاشی سے ملاقات تھی۔ میرا خیال تھا کہ ایک بڑے ملک کے بڑے آفیسر کی شان و شوکت بھی بڑی ہوگی۔ مگر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک چھوٹے کمرے میں ڈائریکٹر صاحب ایک ہی میز پر اپنے سٹاف کے ساتھ بیٹھ کر اپنے فرائض منصبی انجام دے رہے تھے۔ ٹوکیو میں جگہ کی قلت ہے جاپان کی حکومت کس قدر کفایت شعای سے کام لیتی ہے اس کا احساس مجھے اپنے قیام کے دوران کئی بار ہوا۔ جاپان کے لوگ روپے کی قدر و قیمت جانتے ہیں۔ بیورو کریسی کے افراد کو شاہ خرچیوں کی اجازت نہیں ہے۔ آفیسر اور سٹاف کے ایک ہی کمرے میں فرائض انجام دینے سے بہت سے فائدے ہوتے ہیں۔ اخراجات کی بچت کے علاوہ ایک ٹیم سپرٹ پیدا ہوتی ہے، وقت بچتا ہے اور آفیسروں کا دماغ بھی درست رہتا ہے۔ دنیا کا امیر ترین ملک جاپان کفایت شعاری پر عمل کر رہا ہے۔ جبکہ ہمارا غریب ملک پاکستان شاہ خرچیوں میں دنیا میں مشہور ہے۔ ڈائریکٹر فارن آفس سے میں نے مسئلہ کشمیر، فرانس سے ایٹمی پلانٹ کے حصول اور جاپان کے وزیراعظم کے دورۂ پاکستان کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ مسئلہ کشمیر کے بارے میں حکومت پاکستان کے مؤقف اور عوام کے جذبات سے آگاہ کیا۔ جاپان کی حکومت کشمیریوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرتی ہے۔ فرانس سے ایٹمی پلانٹ کے معاہدے کے سلسلے میں ان کے ذہنوں میں شکوک و شبہات تھے۔ میں نے ڈائریکٹر مسٹر نکاشی کو بتایا کہ پاکستان کے عوام اس بات پر حیران و پریشان ہیں کہ ایک دوست ملک جاپان ایٹمی پلانٹ کے سلسلے میں مخالفت کر رہا ہے۔ پاکستان کے عوام اس ترقی یافتہ دور میں لوڈشیڈنگ کا سامنا کر رہے ہیں۔ ہمارے دیہات صدیوں سے روشنی کو ترس رہے ہیں۔ بجلی کی کمی کی وجہ سے ہماری زراعت اور صنعت متاثر ہو رہی ہے۔ مسٹر نکاشی نے کہا کہ جاپان کی حکومت پاکستان سے امتیازی سلوک نہیں کرنا

چاہتی جاپان کو چونکہ ایٹم بم کے مہلک اثرات کا ذاتی تجربہ ہے لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ فرانس پاکستان کو ایٹمی پلانٹ دینے سے پہلے مناسب اور ضروری تحفظات حاصل کرے۔

مسٹر ٹکاشی نے وزیراعظم پاکستان کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی قیادت میں پاکستان کا وقار بین الاقوامی سطح پر بلند ہوا۔ مسٹر ٹکاشی سے میری ملاقات بڑی مفید رہی۔ اسی روز میں نے جاپان کی پارلیمینٹ بلڈنگ بھی دیکھی۔ پارلیمینٹ کی آفیسر نے پارلیمینٹ بلڈنگ کے تمام حصے دکھائے۔ جاپان کے لوگ مہمانوں کو جھک کر سلام کرتے ہیں۔ دولت کی کثرت نے ان کی عجز و انکساری کو تبدیل نہیں کیا اور یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔

جھکنے والوں نے رفعتیں پائیں
ہم خودی کو بلند کرتے رہے

اسی روز شام کو ڈائریکٹر انٹرنیشنل پریس مسٹر یامانیکا سے ملاقات کی۔ اس سے میڈیا کے بارے میں تبادلہ خیال ہوا۔ اس نے بتایا کہ حکومت کی علیحدہ وزارت اطلاعات نہیں ہے بلکہ ہر وزیر کے پاس ایک انفرمیشن آفیسر ہوتا ہے۔ محکمہ خارجہ میں روزانہ پریس بریفنگ ہوتی ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں علیحدہ وزارت اطلاعات کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی ہے۔ پس ماندہ ممالک ہی اس عیاشی کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ پاکستانی سفارت خانے کے ایک آفیسر نے مجھے رات کے کھانے کی دعوت دی۔ ہم ٹوکیو میں پاکستان گندھارا ریسٹورنٹ میں گئے وہاں حسن اتفاق سے ایک ایسی دلچسپ شخصیت سے ملاقات ہوگئی جو 38 سال سے جاپان میں مقیم ہے۔ انہوں نے بوجوہ اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی تلقین کی میں نے ان سے پوچھا آپ جاپان کیسے آگئے۔ کہنے لگے پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں پر لوگ تعلیم کچھ حاصل کرتے ہیں اور بنتے کچھ اور ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایل ایل بی کرنے کے بعد وہ ایک سینئر وکیل کے ساتھ جونیئر کی حیثیت سے پریکٹس کرنے لگے۔ اچانک امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار شروع کر دیا۔ اسی سلسلے میں جاپان پہنچے اور ایک جاپانی لڑکی سے ملاقات ہوئی۔ ہم دونوں نے محض اچھے دوست رہنے کا شریفانہ معاہدہ کیا اس معاہدے کا نتیجہ یہ نکلا اسی لڑکی سے شادی کر لی اور تین بیٹوں کے باپ بن گئے۔ 38 سال کے قیام کے باوجود انہوں نے جاپانی زبان نہیں سیکھی جبکہ اپنی بیٹیوں کو اُردو زبان سکھائی ہے وطن سے محبت کا یہ عالم ہے کہ پاکستان فون کئے بغیر رات کو سو نہیں سکتے۔ اپنے ملک کو بہت مس کرتے ہیں۔ کوئی پاکستانی ٹوکیو میں مل جائے تو اسے اپنے گھر کا فرد سمجھ کر خدمت کرتے ہیں۔ مجھے ان کے خلوص اور محبت نے بہت متاثر کیا۔ پاکستانی ریسٹورنٹ کے کھانے بہت مزیدار تھے اور پرانے گانوں نے ماحول کو پاکستانی بنا دیا تھا۔

دوسرے روز جاپان کے پرانے دارالخلافہ کیوٹو کے لئے بذریعہ ٹرین روانہ ہونا تھا۔ میں اپنے گائیڈ کے ساتھ ریلوے سٹیشن پہنچا۔ ریلوے سٹیشن بہت صاف ستھرا تھا اور ٹرین بہت خوبصورت تھی مسافروں

http://www.apnaorg.com

کی آسانی کے لیے پلیٹ فارم پر ریل کے ڈبوں کے نمبر تحریر کر دیے گئے ہیں اور ٹرین عین انہی نمبروں پر آ کر رکتی ہے اور مسافر بڑی آسانی سے اپنے اپنے ڈبے میں سوار ہو جاتے ہیں۔ ٹرین کا منہ جہاز کی طرح کا ہوتا ہے۔ دو منزلیں ہوتی ہیں۔ نیچے پرائیویٹ روم ہوتے ہیں جہاں پر آرام اور دفتر کا کام کیا جاسکتا ہے۔ ٹرین کا نام شکاسین ہے جو دنیا کی تیز رفتار ٹرین ہے اور 280 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے۔ ٹوکیو سے کیوٹو لائن پر یہ ٹرین اس لیے 200 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے کیونکہ اس لائن پر آبادی زیادہ ہے اور تیز رفتاری سے شہریوں کے آرام میں خلل پڑ سکتا ہے۔ ریلوے لائن کی دونوں جانب ساؤنڈ پروف سکرینیں لگائی گئی ہیں تاکہ ٹرین کی آواز مکینوں تک نہ پہنچے۔ کیوٹو میں مجھے گرینڈ ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ جاپان کی ہینڈی کرافٹس چین کی ہینڈی کرافٹس سے ملتی جلتی ہیں۔ اگر آپ پاکستان سے ڈالر لے کر جائیں تو اشیاء کی قیمتیں مہنگی محسوس ہوتی ہیں مگر جاپان کے شہریوں کے لیے زیادہ مہنگی نہیں ہیں۔ جاپان میں چیری بلاسم کا موسم مقبول ترین ہے۔ چیری کے درخت پر پھول کھلتے ہیں تو ان کا نظارہ دلکش ہوتا ہے۔ حسن اتفاق سے جاپان کے قیام کے دوران چیری بلاسم کا سیزن اپنے شباب پر تھا۔ کیوٹو میں ایک دن پارک میں گئے اور پہاڑ کے دامن پر ایک وادی بھی دیکھی۔ جاپان جزیروں پر مشتمل ہے اور ان جزیروں پر سرسبز و شاداب پہاڑ ہیں۔ میں جہاں بھی گیا۔ ایک دلربا منظر دیکھنے کو ملا۔ امیر لوگوں کے لئے جاپان ایک بہترین تفریح گاہ ہے۔ کیوٹو میں ہر چند کہ ایک کروڑ بیس لاکھ افراد آباد ہیں مگر اس کے باوجود یہ ایک پرسکون شہر ہے۔ آپ رات کے دو بجے بلاخوف و خطر سڑک پر چہل قدمی کر سکتے ہیں۔ کیوٹو کا ریلوے سٹیشن بہت صاف ستھرا اور نیا لگ رہا تھا میں نے گائیڈ سے پوچھا کہ یہ ریلوے سٹیشن کب بنا تھا تو وہ کہنے لگا تیس سال پہلے تعمیر ہوا تھا۔ میں اس کی صفائی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ یوں لگتا تھا کہ ابھی چند ماہ پہل تعمیر کیا گیا ہے۔ جاپان کے لوگ ہر چیز کو انتہائی صاف ستھرا رکھتے ہیں۔ 29 مارچ کی شام کو ٹوکیو واپس پہنچ گیا اور 30 مارچ کو حکومتی لبرل ڈیموکریٹک پارٹی کے ہیڈ کوارٹر میں مرکزی دفتر کے چیف سے ملاقات کی جن سے پارٹی امور پر تبادلہ خیال ہوا۔ مرکزی دفتر کی بلڈنگ آٹھ منزلوں پر مشتمل ہے۔ جس میں دو سو افراد تنخواہ پر پارٹی کا کام کرتے ہیں جن میں چالیس افراد پریس اور پبلسٹی بیورو کے لیے کام کرتے ہیں۔ لبرل ڈیموکریٹک پارٹی پچھلے چالیس سال سے برسراقتدار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پارٹی انتہائی منظم ہے۔ پارٹی کے تیس لاکھ مستقل ممبر پارٹی کو فنڈز مہیا کرتے ہیں۔ 1988ء میں پارٹی کے مرکزی دفتر کا بجٹ 19 بلین ین تھا۔ پارٹی کے سیکریٹری جنرل کی زیرنگرانی پانچ اہم بیورو کام کرتے ہیں جن میں الیکشن بیورو، پرسنل بیورو، فنانس بیورو، ریسرچ بیورو، انٹرنیشنل بیورو شامل ہیں۔ حکومت کے ہر شعبے کے لئے پارٹی کی خصوصی کمیٹیاں تشکیل دی گئی ہیں جو حکومت کو بریف کرتی ہیں۔ حکومت کی تمام پالیسیوں کی منظوری پارٹی کے اجلاسوں میں لی جاتی ہے اس طرح پارٹی کی حکومت پر بالادستی قائم کر دی گئی ہے۔ جب تک کوئی پارٹی منظم، موثر اور فعال نہ ہو

http://www.apnaorg.com

وہ حکومت چلانے کے قابل نہیں ہوسکتی۔ جاپان نے ادارے اور کمپنیاں تعمیر کی ہیں جبکہ پاکستان نے سیٹھ پیدا کیے ہیں۔ پاکستان میں سیٹھ پیدا کرنے کی ٹیکنالوجی دنیا بھر میں مشہور ہے۔

مجھے لبرل ڈیموکریٹک پارٹی کا مرکزی دفتر دیکھ کر اپنی بے بسی اور کم مائیگی کا شدید احساس ہوا ہماری سیاسی جماعتیں تنخواہ پر موزوں سٹاف بھی نہیں رکھ سکتیں۔ اجتماعی اور قومی شعور سے عاری قوموں کا یہی حال ہوتا ہے۔ افراد تو کروڑ پتی بن جاتے ہیں مگر ادارے مضبوط نہیں ہوتے۔ پاکستان میں اگر سیاسی جماعتیں صحیح معنوں میں منظم اور مضبوط اور فعال بن جائیں تو فوج کے ادارے کبھی سیاسی ادارے کو ہڑپ کرنے کی جرأت نہ کرسکیں۔ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ غیر منظم جماعتیں کبھی ملکوں کی منظم تعمیر نو نہیں کرسکیں۔ ایل ڈی پی کے رہنما نے مجھے پارٹی نشان پر مشتمل ایک میڈل دیا۔ اور میں اپنی پارٹی کے مرکزی دفتر کو منظم کرنے کی حسرت اور خواہش لیے اپنے ہوٹل واپس پہنچ گیا اور یہ سوچتا رہا کہ سرمایہ اگر ذاتی جیبوں میں جانے کی بجائے پارٹی اکاؤنٹ میں جائے تو ہم بھی ایک منظم اور مؤثر پارٹی ہیڈ کوارٹر بنانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اسی شام محکمہ خارجہ کے ڈائریکٹر نے ڈنر پر بلایا۔ یہ ڈنر خالص جاپانی طرز کا تھا جس ہوٹل میں ڈنر کا انتظام کیا گیا وہاں پر کھانا گاہکوں کے سامنے تیار کیا جاتا ہے۔ ہم چار افراد ایک کمرے میں گدیوں پر بیٹھ گئے سامنے میز پر چولہے کے اوپر جاپانی خاتون کھانا تیار کرنے لگیں۔ میں غیر پاکستانی کھانوں کا عادی نہیں ہوں اس لیے گھبرا گیا کہ آج شامت آگئی کیونکہ کھانے سے انکار ناممکن تھا۔ اس ہوٹل میں بہترین کوالٹی گوشت کا انتظام ہوتا ہے۔ یہ گوشت ان جانوروں کا ہوتا ہے جن کی پرورش خصوصی خوراک سے کی جاتی ہے۔ جاپانی کھانا کھایا تو اس کے دلکش ذائقے کا علم ہوا۔ یہ دعوت دوستانہ ماحول میں ختم ہوئی اور ہم پاکستان اور جاپان کے دوستانہ مراسم پر گفتگو کرتے رہے۔

جاپان میں ہفتہ اور اتوار کو تعطیل ہوتی ہے۔ ہفتہ کے روز و نیو پارک گیا وہاں پر بے پناہ رش تھا۔ لوگ ٹولیوں کی صورت میں پارک میں آئے ہوئے تھے اور پکنک منا رہے تھے۔ ہر شخص خوش و خرم تھا۔ کوئی کسی کی خوشی میں مداخلت نہیں کررہا تھا میں نے اپنے قیام کے دوران کسی ایک شخص کو بھی سڑک، ہوٹل اور پارک میں کسی سے بدتمیزی، بدکلامی اور قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میں نے اپنے گائیڈ سے پوچھا کہ جاپانی قوم میں ڈسپلن کیسے پیدا ہوا ہے اس نے بتایا کہ پرائمری سکول میں ہفتے میں ایک روز اخلاقیات کا پریڈ ہوتا ہے جس میں بچوں کو اخلاق اور سماجی رشتوں کے بارے میں تربیت دی جاتی ہے۔ ہفتہ کی رات پاکستان ایمبیسی کے ایک قابل آفیسر ٹیکنیکل منسٹر نے اپنے گھر پر ڈنر کی دعوت دی۔ جاپان میں مقیم پاکستانی بھی اس دعوت میں شریک ہوئے۔ وہ پاکستان کے سیاسی حالات کے بارے میں تشویش میں مبتلا تھے۔ میں نے انہیں سیاسی صورتحال سے آگاہ کیا۔ وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی ولولہ انگیز قیادت سے متاثر تھے۔ پاکستانیوں نے مشورہ دیا کہ حکومت پاکستان

کو تعلیم کی طرف پوری توجہ دینی چاہئے کیونکہ جب تک کسی ملک میں جہالت ختم نہ ہو وہ ترقی نہیں کرسکتا۔ اتوار کے روز ٹوکیو ٹاور دیکھنے گیا وہاں پر ایک لمبی قطار لگی ہوئی تھی میں نے گائیڈ سے کہا کہ آپ کا سرکاری مہمان ہوں لہٰذا مجھے ٹاور پر پہلے جانے کی اجازت ملنی چاہئے اس نے جواب دیا کہ جاپان کے قانون کے مطابق مجھے قطار میں کھڑا ہو کر اپنی باری کا انتظار کرنا ہوگا۔ چنانچہ غیر معمولی رش کی وجہ سے ٹاور کے اوپر نہ جاسکا۔ میں سات دن ٹوکیو میں رہا اور اس شہر کا ہر حصہ دیکھا مجھے کوئی سڑک ٹوٹی ہوئی نظر نہیں آئی۔ جاپان کے مکانات 5 مرلہ سے زیادہ نہیں ہیں اور فلیٹ سسٹم ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں کی سڑکیں پختہ اور مضبوط ہوتی ہیں میں نے کینیڈا، برطانیہ میں جلا وطنی کے دوران قیام کر کے اور جاپان کا دورہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں نے احترام آدمیت اور انسانی عظمت میں پختہ یقین کی وجہ سے دنیا میں مقام حاصل کیا ہے۔ وہاں پر انسان کی بہت زیادہ اہمیت ہے لہٰذا پالیسیاں انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے بنتی ہیں۔ انسانی عظمت کو تسلیم کر کے ہی قومی جذبہ اور حب الوطنی پیدا کی جاسکتی ہے۔ پاکستان اگر ترقی کرنا چاہتا ہے تو اس کی حکومت اور عوام کو انسانی عظمت کا عقیدے کے طور پر اعتراف کرنا ہوگا۔

http://www.apnaorg.com

بے نظیر اور انکلز

جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے بعد جب بھٹو کو گرفتار کر کے ان کے خلاف قتل کا مقدمہ شروع کیا گیا تو پی پی کے اندر قیادت کا خلا پیدا ہو گیا۔ خفیہ ایجنسیوں نے جنرل ضیاء الحق کو یقین دلایا دیا تھا کہ اگر بھٹو کو سیاسی منظر سے ہٹا دیا جائے تو پی پی ختم ہو جائے گی کیونکہ پارٹی میں اور کوئی قد آور شخصیت نہیں جو پارٹی کو متحد اور فعال رکھ سکے پی پی کے اکثر وفاقی اور صوبائی راہنما خفیہ طور پر جنرل ضیاء الحق سے سمجھوتہ کر چکے تھے۔ خفیہ ایجنسیوں کے اشارے پر چند لیڈروں نے پارٹی پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جسے شیخ محمد رشید نے ناکام بنا دیا۔ بھٹو نے انہیں قائم مقام چیئرمین نامزد کیا تھا۔ شیخ محمد رشید نے سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس طلب کر کے قیادت بیگم نصرت بھٹو کے سپرد کر دی۔ پارٹی کے سینئر راہنما جو وفاقی وزیر اور صوبوں کے وزیر اعلیٰ رہ چکے تھے بیگم نصرت بھٹو کی قیادت تسلیم کرنے کے لئے تیار تھے۔ مگر بے نظیر کو لیڈر ماننے کے لیے تیار نہ تھے جو ان کے نزدیک بچی تھی اور کچھ عرصہ پہلے بیرون ملک تعلیم مکمل کر کے پاکستان آئی تھی۔ جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے ابتدائی ایام میں بے نظیر کے بارے میں کسی کو گمان نہ تھا کہ وہ ایک متبادل راہنما کے طور پر ابھر سکیں گی۔ مگر جب بے نظیر بھٹو نے جرأت اور دلیری سے جنرل ضیاء الحق کو للکارا اور پاکستان کے بڑے شہروں کے دورے کئے تو عوام میں ان کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی اور جیالوں نے ''بھٹو کی تصویر بے نظیر، بے نظیر'' کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ بیگم نصرت بھٹو خرابی صحت کی بناء پر مارشل لاء کے دوران سرگرم اور پر جوش سیاست سے قاصر تھیں جبکہ بے نظیر نوجوان تھیں لہٰذا نوجوان جیالے ان کے عزم اور جذبے سے بڑے متاثر ہوئے اور بے نظیر نے کسی عہدے کے بغیر سیاست میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیا۔ ان کی عوامی مقبولیت کی بناء پر انہیں شریک چیئرپرسن بھی نامزد کر لیا گیا۔ پارٹی کے سینئر راہنما (انکلز) بے نظیر کی عوامی مقبولیت سے خوش نہ تھے۔ ڈاکٹر مبشر حسن، ملک معراج خالد، مصطفیٰ کھر، عبدالحفیظ پیرزادہ، ممتاز بھٹو اور غلام مصطفیٰ جتوئی دل سے بے نظیر بھٹو کو قائد تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ بے نظیر اور انکلز میں عمر کا بڑا فرق تھا۔ انکلز خود کو بھٹو کا جانشین خیال کرتے تھے اور پارٹی کی قیادت اپنا حق سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر مبشر حسن اور ملک معراج خالد کا بینظیر سے نظریاتی اختلاف تھا۔ بے نظیر عملیت پسند کردار ادا کرنے کی حامی تھیں اور ان کا جھکاؤ جاگیردار طبقے کی جانب تھا۔ جب بے نظیر نے امریکہ کا دورہ کیا تو بے نظیر اور انکلز کے اختلافات شدید نوعیت اختیار کر گئے۔ ڈاکٹر مبشر اور ملک معراج خالد خاموش ہو گئے۔ عبدالحفیظ پیرزادہ اور ممتاز بھٹو نے کنفیڈریشن فورم بنا لیا۔ ان دونوں راہنماؤں کا خیال تھا کہ پی پی چونکہ پنجاب کے ووٹ پر انحصار کرتی ہے اس لیے سندھ کے حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتی۔ بے نظیر

http://www.apnaorg.com

بھٹو نے اپنی تصنیف ''دختر مشرق'' میں انکلو سے اپنے اختلافات کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

''پی پی پی ہمیشہ ہی ملٹی کلاس پارٹی رہی ہے بہت سے متضاد سماجی اقتصادی گروہوں کا مجموعہ مارکس کے پیروکار، جاگیردار، تجارت، پیشہ، مذہبی اقلیتیں، خواتین اور غریب پارٹی میں شامل تھے۔ میرے والد کی مضبوط اور عوامی شخصیت نے گروہی مفادات اور تضادات کی خلیج کو پاٹنے میں اہم کردار ادا کیا۔ لیکن لندن میں جلا وطنی کے تناؤ اور سیاسی راہنماؤں کے وطن میں بھلا دیئے جانے کے خوف سے مشترکہ مقاصد پر ذاتی مفاد نے فتح پالی تھی۔ پارٹی راہنمائی کے لئے ایک غیر اعلان کردہ جنگ بھی جاری تھی۔ لندن میں پرانے سکہ بند راہنماؤں کا مخمصہ یہ تھا کہ اگر ایک مرتبہ میری راہنمائی قبول کر لیں گے تو ممکن تھا کہ ہمیشہ کے لئے میری راہنمائی ہی میں کام کرنا پڑے۔

''یہ ہماری تقدیر نہیں کہ پہلے باپ کی پھر ماں اور اب بیٹی کی پیروی کریں'' ان میں سے ایک نے یہ اس وقت رائے دی جب میں پہلی مرتبہ لندن پہنچی تھی۔ ''تمہیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ تم کس طرف ہو'' مختلف راہنماؤں نے مجھے لیکچر دیئے۔ ہر ٹولہ پی پی پی میں اپنی اہمیت کو جتانے کے لیے حمایت حاصل کرنے کے لئے کوشاں تھا اور غالباً پارٹی کی قیادت سنبھالنے کے لیے تیار بھی تھا۔

''میں کسی شخص کی طرف نہیں ہوں'' میں بااصرار کہتی۔ ''اگر پارٹی مختلف ٹولوں کی بجائے جو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں ایک متحد جماعت کی شکل میں سامنے آئے تو ہمیں مزید کامیابی ہوگی'' میں نے پرسکون اور معقول رویہ اپنایا تاکہ بزرگ ''چچاؤں'' کو بھی اجنبیت کا احساس نہ ہو اور میں اپنی سیاسی پوزیشن کی کمزوری سے کما حقہ آگاہ رہوں۔ اگرچہ پارٹی کی مرکزی ایگزیکٹو کمیٹی نے میری پوزیشن کی قائم مقام چیئر پرسن کے طور پر تصدیق کر دی تھی جب میں نے انگلستان میں پہلے پہل قدم رکھا تھا۔ لیکن یہ تمام لوگ پرانے سیاسی گرو تھے۔ میں ایک نوجوان عورت تھی جو ان کی بیٹیوں کی ہم عمر تھی۔ ضیاء کی سازش کے دور سے اب تک پی پی پی ان ہی کی سربراہی میں رواں دواں تھی۔ میں پاکستان سے نئی نئی آئی تھی۔ انہوں نے سالہا سال سے اپنی اپنی قوت کی بنیادیں تعمیر کی تھیں۔ میں ماضی کے اختلافات کو ختم کرنے میں یقین رکھتی تھی اور پارٹی کے مفاد میں ان کے انفرادی قوت کے سرچشموں میں توازن کی متلاشی تھی۔ جب میں امریکہ کے سفر سے واپس آئی تو سب سے زیادہ توانا ٹولے، مارکسٹوں نے اعلان جنگ کر دیا۔

''تمہیں امریکہ قطعاً نہیں جانا چاہئے تھا''۔ مارکسٹوں کے راہنما نے مجھے تنبیہ کی، اگرچہ امریکہ جانے سے پہلے اس نے اس ضمن میں ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔ ''امریکی ضیاء کے دوست ہیں ہمیں اسے ختم کرنے کے لئے روسیوں کے ساتھ شامل ہونا چاہئے''۔

''آپ کو کس بات سے پتہ چلا کہ امریکی یا روسی کسی کے دوست بھی ہو سکتے ہیں؟'' میں نے جواباً کہا۔ ''امریکی ضیاء کی حمایت اپنے سیاسی مفادات کی حفاظت میں کر رہے ہیں۔ روسی ہو سکتا ہے آج

http://www.apnaorg.com

ہماری حمایت کریں لیکن کل کو اگر ان کے سیاسی اور جغرافیائی مفادات کا تقاضا بدل گیا تو وہ ہمیں دغا دے جائیں گے۔ ہمیں ان سپر پاور ممالک کی رقابتوں میں ملوث نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں اپنے قومی مفادات کے لئے لڑنا چاہئے۔ ہم عالمی سیاست کی جنگ لڑنے کے قابل نہیں ہیں''۔علاقائی سوچوں کے مالک بھی اس جھگڑے میں کود پڑے۔''تم ایک سندھی ہو تمہیں دوسرے صوبوں کے مقابلے میں سندھیوں کے حقوق کے لئے لڑنا چاہئے، ورنہ وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے'' انہوں نے مجھے متنبہ کیا۔

''مارشل لاء حکومت کے ہاتھوں میں کیوں کھیلنا چاہتے ہو جو اس صوبائی اختلافات کا ہوا کھڑا کر کے صرف فوج کو پاکستان کے اتحاد کا منبع ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے''۔ میں نے جواب دیا یقیناً ایسے لوگ موجود ہیں جو چاروں صوبوں میں جمہوریت کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ظلم صوبائی حد بندیوں کا قائل نہیں ہوتا۔ کیا ہم اپنی توانائیاں مشترکہ دشمن کے خلاف لڑنے میں صرف کریں تو ہمارے بہترین مفاد میں ہے یا ایک دوسرے کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر اپنا نقصان کرنا بہتر ہے''۔

پی پی پی کے نمائش پسند اور افسر شاہی کے گرویدہ ارکان جو اپنے مفادات کے تقاضوں کے زیر اثر ضیاء سے صلح صفائی کی کوششوں میں سرگرداں تھے ان کے اغراض کی آوازیں ان لوگوں کی آوازوں میں شامل ہوگئیں۔ میری مایوسی روز بروز بڑھتی گئی جب یہ لوگ دلائل پر دلائل جھاڑتے رہے۔ ہمیں ملحقہ کمرے میں وہ رضا کار تھے جو پاکستان میں پارٹی کے حامیوں کی زندگیاں بچانے کے لئے مشکل سے مشکل کام میں اپنی بے لوثی کے ساتھ مصروف عمل تھے۔ اور ادھر پارٹی کے بزرگ سیاستدان تھے جو لوگوں کے مفاد کو پس پشت ڈال کر اپنے ذاتی مفادات پر اصرار کر رہے تھے۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا جب ان بزرگ چچاؤں میں سے ایک جلاوطن ''چچا'' باربیکن میں آیا۔ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا اور مطالبہ کیا ''کہ میں اسے پنجاب پی پی پی کا صدر نامزد کردوں اور اس کے چیدہ افراد کو مجلس عاملہ کے ارکان''۔ ''تمہیں اس طرح نامزد نہیں کرسکتی''۔ میں نے صدمہ محسوس کرتے ہوئے اس آدمی سے کہا جو وطن میں پنجابی سیاستدانوں میں کوئی ممتاز حیثیت نہیں رکھتا تھا اور جس نے سازش کے بعد اپنا کل وقت لندن میں چین سے گزارا تھا۔''اس سے پارٹی میں ناراضگی بڑھے گی اور صلاحیت اور اتفاق کی بنیاد پر ہمارے فیصلہ کرنے کی پالیسی پراثر انداز ہوگی''۔

''تمہارے پاس یقیناً انتخاب کا دائرہ وسیع نہیں ہے'' اس نے سرپرستانہ انداز میں مجھے کہا۔ ''مارکسسٹ تم سے ناراض ہیں علاقائی سوچ رکھنے والوں نے اپنی الگ انجمن بنالی ہے تم مجھے الگ تھلگ رکھنے کی ہمت نہیں رکھتی ہو''۔ ''لیکن یہ پی پی پی کے اصولوں کے خلاف ہے'' میں ہکلائی اور اس کے مطالبہ پر حیرت زدہ ہوئی۔

''اصول'' اس نے تضحیک کے ساتھ کہا۔''اصول عمدہ ہوتے ہیں لیکن لوگ سیاست میں اقتدار

حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اگر تم مجھے میری ٹیم سمیت صدر نامزد نہیں کرتیں تو مجھے ڈر ہے میں اپنی خواہش کے مطابق دوسرے راستے تلاش کروں گا۔ ہوسکتا ہے میں اپنی ایک الگ پارٹی کی تشکیل دے ڈالوں۔ میں تمہارا سب سے بڑا مخالف ثابت ہوں گا"۔

مجھے اپنا غصہ بڑھتا ہوا محسوس ہوا......کیا اس خصوصی مفادات کے ٹولے کی نوک جھونک جس میں میرا سارا وقت ضائع ہوا کا لب لباب یہی تھا۔ اور اب یہ کیا قبل از مرگ واویلا شروع کر دیا گیا تھا۔ پاکستانی سیاست کا یہ نیا ڈھنگ تھا۔ اپنے لئے مچھلی پکڑنے کا کانٹا لگاؤ۔ اپنے وزن کا دباؤ محسوس کراؤ۔ جو عہدہ ممکن ہو زبردستی حاصل کرو۔ بلیک میل کرو......دھمکی دو، پرانی سیاست کاری بہت ہو چکی۔ "انکل" میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اور اپنی کرسی پر آگے کو جھکتے ہوئے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ اگر آپ پارٹی چھوڑ دیں گے تو آپ کے لئے پارلیمنٹ میں ایک سیٹ جیتنا بھی مشکل ہو جائے گا"۔

"یقیناً؟ یقیناً؟" اس نے میرے تلخ جواب پر اپنا سر حیرت سے پیچھے کو مارتے ہوئے کہا۔ اور وہ کمرے سے باہر بھاگ گیا اور آخر کار پارٹی سے بھی نکل گیا میں نے غور و خوض کرتے ہوئے اس خیال کو ذہن سے باہر دھکیل دیا۔ جب کوئی پارٹی چھوڑ جاتا تو اس سے مجھے کوئی خوشی نہ ہوتی لیکن میں آخر کار اس نتیجے پر پہنچی کہ سیاست میں کوئی چیز مستقل نہیں ہوتی۔ لوگ چھوڑ جاتے ہیں۔ لوگ شامل ہو جاتے ہیں اور لوگ دوبارہ مصالحت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جو چیز اہم ہے وہ ایک سیاسی پارٹی کا نئی نسل کے مزاج کا صحیح نمائندہ ہونا ہے۔ لندن میں ہمارے کام کی وجہ سے لوگوں کی ہمت افزائی ہو رہی تھی۔ اور پاکستان میں پارٹی کو نئی توانائی مل رہی تھی۔ اسی چیز کی ضرورت تھی۔ دسمبر 1984ء تک خصوصاً یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ پی پی پی کو جس قدر توانائی کی ضرورت تھی اسی قدر کوشش کر کے حاصل کی جانی چاہئے۔

......میں پی پی پی کے جلاوطن رہنماؤں کے ساتھ صحیح وقت پر واپس پاکستان لوٹنے کا انتظار کر رہی تھی۔ امکانی طور پر بوگس ریفرنڈم کے بعد وطن واپسی کا بہترین موقع تھا۔ "ضیاء الحق کے خلاف احتجاجی مہم چلانے کا یہی وقت ہے" شمالی لندن کے پی پی پی کے ایک سابق وزیر کے گھر میں منعقد ایک اجلاس میں پارٹی کے ممتاز رہنماؤں میں سے ایک نے رائے دی۔ "ریفرنڈم نے پوری دنیا میں ضیاء کی غیر مقبولیت کو افشاء کر دیا ہے" دوسرے اس رائے کے مخالف تھے ہوسکتا ہے۔ "ملک ایسے احتجاج کے لئے تیار نہ ہو" انہوں نے دلیل دی۔ "لوگوں کو اتنے طویل عرصہ سے بے حس و حرکت رکھا گیا ہے کہ وہ منجمد ہو گئے ہیں ہمیں سیدھے مقابلہ کے لئے تیاریاں کرنی چاہئیں" بحث مباحثہ طول پکڑ گیا یہاں تک کہ ایک "انکل" نے میری طرف مڑ کر کہا۔ "میں اس کا جواب جانتا ہوں" "ہمیں مس بے نظیر بھٹو کو واپس بھیجنا چاہئے، اس سے ہر طرف ہلچل پیدا ہوگی"۔

"ٹھیک ہے" میں نے اتفاق کیا۔ "اگر سیاسی طور پر میرا جانا صحیح ہے تو ہمیں سب کے واپس

جانے کے لئے ایک پروگرام وضع کرنا چاہئے۔ ہمیں وہاں اپنی آمد کو دنوں پر پھیلانا چاہیے ہر روز دس دنوں تک ایک راہنما کی آمد سے ہم لوگوں میں جوش اور ولولہ کا طوفان پیدا کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے''۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ ''واپس جاؤ؟ میں واپس نہیں جاسکتا'' کہے بعد دیگرے ہر رہنما نے احتجاج کیا اور پاکستان میں ان کے خلاف الزامات، سزائے قید اور سزائے موت کے مقدمات کی فہرست کی گردان شروع کردی۔ میں ششدر رہ گئی وہ مجھے بھیجنے کے لئے متفق اور پوری طرح تیار تھے لیکن ایک متحدہ محاذ کھولنے میں مخلص نہیں تھے۔ ''یا تو ہم مناسب طریقے سے اس پر عمل کرتے ہیں یا پھر بالکل ہی نہیں کرتے'' میں نے کہا۔ مکمل خاموشی چھائی رہی۔''

بے نظیر بھٹو اور انکلز کے درمیان رفتہ رفتہ خلیج بڑھتی گئی۔ بے نظیر نے نوجوان قیادت پر بھروسہ کیا اور بزرگ انکل رفتہ رفتہ پی پی پی سے الگ ہوتے گئے۔ اور پی پی پی ان کے سیاسی تجربے سے محروم ہوگئی۔ ایک اور انکل جام صادق کافی عرصہ بے نظیر سے تعاون کرتے رہے مگر جوں ہی موقع ملا۔ سندھ کے وزیراعلیٰ بن گئے اور پی پی پی کو غیر معمولی طور پر انتقام کا نشانہ بنایا (نوٹ: بے نظیر نے جس انکل کے ساتھ تلخ گفتگو کا ذکر کیا ہے وہ مصطفیٰ کھر ہیں۔)

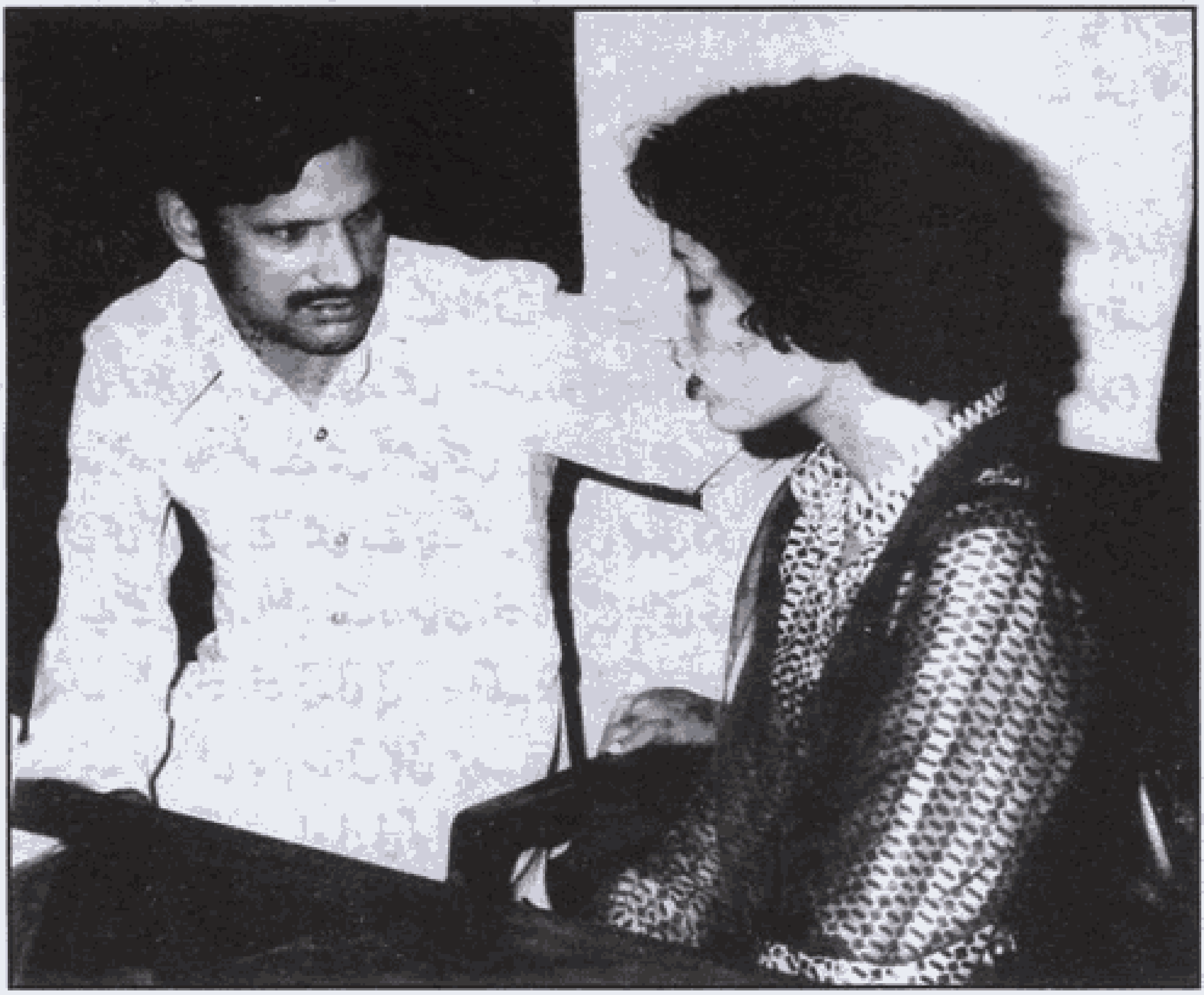

قیوم نظامی اور محترمہ بے نظیر بھٹو

قیوم نظامی سابق نگران وزیراعظم پاکستان ملک معراج خالد اور معروف صحافی ارشاد احمد حقانی کے ہمراہ

http://www.apnaorg.com

وزارت کے بائیس روز

1993ء میں صدر غلام اسحاق خان اور وزیراعظم میاں نواز شریف کے درمیان اختلافات کے نتیجے میں نواز حکومت برطرف ہوگئی۔ سردار بلخ شیر مزاری پاکستان کے نگران وزیراعظم نامزد ہوئے۔ آصف زرداری جو جیل میں اسیر تھے وزیر بن گئے اور غلام اسحاق خان نے ان سے حلف لیا۔ نگران کابینہ کے لئے محترمہ بے نظیر بھٹو نے میرا نام بھی دے دیا ان کی خواہش تھی کہ شیخ رفیق احمد اور میں چونکہ پارٹی کے سینئر راہنما ہیں لہٰذا ہمیں وفاقی وزیر بنایا جائے مگر ہم دونوں کو وزیر مملکت کا درجہ دے کر وزیراعظم کا خصوصی معاون تعینات کیا گیا۔ ہم دونوں چونکہ مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے۔ لہٰذا مقتدر قوتوں نے ہمیں وفاقی وزیر بنانا پسند نہ کیا۔ شیخ رفیق احمد کی خواہش کے مطابق انہیں وزیراعظم سیکریٹریٹ میں آفس دے دیا گیا جبکہ دیگر خصوصی معاونین کو وزارتوں میں تعینات کیا گیا جب شیخ رفیق کو محسوس ہوا کہ ان کے دفتر میں تو کوئی فائل ریفر نہیں ہورہی تو اپنے فیصلہ پر پشیمان ہوئے۔ بیوروکریسی نے پہلے تو میرا نوٹیفکیشن ٹورازم کے لیے کیا جو ایک ڈویژن تھا اور اس کا کوئی دفتر بھی نہ تھا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے دوبارہ متعلقہ آفیسر سے بات کی تو مجھے وزارت پیداوار میں تعینات کر دیا گیا جس کے وفاقی وزیر سردار فتح محمد حسنی تھے اور وزارت کے سیکریٹریٹ میں وزیر مملکت کا الگ دفتر موجود تھا۔

نگران حکومت میں وزیراعظم پاکستان کے خصوصی معاون کا منصب میری پچیس سالہ سیاسی زندگی کا پہلا تجربہ تھا۔ وزیراعظم کے مشیروں کے اعلان کے دوسرے روز وفاقی کابینہ کا ایک خصوصی اجلاس ہوا میں نے بھی اس میں شرکت کی۔ اسی روز تمام مشیروں کو جھنڈے والی گاڑیاں دی گئیں۔ کیبنٹ ڈویژن سے جاری ہونے والے نوٹیفکیشن کے مطابق وزیراعظم کے خصوصی معاونین کو وفاقی وزیر مملکت کا درجہ دیا گیا تھا۔ میں زندگی بھر حکومت پر پارٹی کی بالادستی کا علمبردار رہا ہوں چنانچہ وزارت کا منصب سنبھالنے کے بعد میں سب سے پہلے پاکستان پیپلز پارٹی سنٹرل سیکریٹریٹ اسلام آباد کے دفتر میں گیا۔ اسی طرح راولپنڈی ڈویژن کے پارٹی دفتر جا کر کرنل حبیب احمد خان اور قاضی سلطان محمود سے ملاقات کی۔ اسلام آباد سے لاہور پہنچنے پر داتا دربار پر حاضری دے کر پی پی پی پنجاب کے دفتر واقع فیصل ٹاؤن پہنچا اور حاجی ممتاز احمد کاہلوں، عبدالقادر شاہین، اشرف ناز اور پارٹی کارکنوں سے ملاقات کی۔ بعد میں پی پی پی لاہور کے دفتر پہنچا اور لاہور سٹی تنظیم کیصدر اسلم گل اور زونوں کے عہدیداروں سے ملاقاتیں کیں۔ وزارت کے دوران میں نے اپنے انتخابی حلقہ نمبر 98 کے وارڈوں کے دورے کیے۔ ان تنظیمی دوروں کا

مقصد تنظیموں کی اہمیت کو تسلیم کرنا تھا۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں اداروں کی اہمیت اور وقار کو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا ہے اور افراد اداروں سے زیادہ اہمیت کے حامل رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ وفاقی وزیر کی حیثیت سے میرے تنظیمی دفاتر کے دورے کارکنوں کے لئے خوشگوار حیرت کا باعث بنے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے ایک صحت مند روایت قائم کی۔ میری سیاسی زندگی کا یہ مشاہدہ بھی رہا ہے کہ اکثر لوگ وزیر بننے کے بعد بدل جاتے ہیں۔ جھنڈے والی کار کا نشہ اور شاہانہ آداب وزیروں کو مسحور کر لیتے ہیں۔ میں نے باری تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ جیسے اس نے مجھے اسیری کے امتحان سے سرخرو کیا تھا ویسے مجھے وزارت کے امتحان میں بھی کامیاب کرے خدا کا شکر ہے کہ میں زندگی کے اس اہم ترین امتحان میں بھی سرخرو ہو کر نکلا۔ چند روز بعد مجھے وزارت پیداوار کا قلمدان سونپ دیا گیا۔ پیداوار کی وزارت کو سونے کی کان سمجھا جاتا تھا مگر میاں نواز شریف کی حکومت نے وزارت پیداوار کے منافع بخش یونٹوں کو فروخت کر کے اس وزارت کی اہمیت کو خاصا کم کر دیا تھا یہاں تک کہ وزارت خزانہ نے یہ سفارش کر رکھی ہے کہ وزارت پیداوار کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ عام لوگ اس حقیقت سے آگاہ نہیں تھے لہٰذا پرانے تصور کی وجہ سے مجھ پر مختلف نوعیت کے کاموں کا کافی دباؤ رہا۔ دور دراز علاقوں سے کارکن اور عوام کاموں کے لئے آتے رہے، جو زیادہ تر روزگار کے لئے آئے۔ ہمارے اکثر وزراء کی عادت بن چکی ہے کہ وہ سب لوگوں کو ایک ساتھ اپنے کمرے میں بلا لیتے ہیں اس طرح وزیر کا کمرہ مچھلی منڈی بن جاتا ہے۔ ہجوم کی وجہ سے لوگ اپنا مدعا بھی بیان کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ کچھ ہی دیر بعد وزیر صاحب فرضی میٹنگ کا بہانہ بنا کر دفتر سے رخصت ہو جاتے ہیں دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے مظلوم لوگ وزیر صاحب کا منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ میں نے اس روایت سے ہٹ کر ملاقاتوں میں بھی نظم و ضبط پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ہر آنے والے کی عزت کی اس کی شکایت کو ہمدردی سے سنا اور مقدور بھر تعاون کیا۔ اگر سائل کی شکایت غور سے سن لی جائے تو اس کی آدھی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔ عوام کے نمائندے اگر نیک نیت اور عوام دوست ہوں تو عوام کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ میں نے ہر شخص کی خدمت کو عبادت سمجھا لہٰذا عوام اور کارکنوں کی عدم موجودگی میں بھی ان کے کاموں میں دلچسپی لی ان کے کام کر کے بذریعہ خط اور فون ان کو اطلاع دی۔ میں نے اپنے پرسنل سیکریٹری کو ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ عوام کی درخواستوں کو خود فالو کرے اور ہر درخواست گزار کو پراگریس کے بارے میں خود آگاہ کرے۔ میرا انداز اور طریقہ کار دوسرے وزراء سے مختلف تھا مگر چونکہ یہ ایک باعزت طریقہ تھا اس لئے سب لوگ میری کارکردگی سے متاثر ہوئے۔

جب کوئی شخص وزیر بنتا ہے تو پیشہ ور لوگ اس کے گرد گھیرا ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو اس محاصرے سے خود کو بچا لے وہی قوم کی خدمت کر سکتا ہے وگرنہ پیشہ وروں میں پھنس کر خود بھی پیشہ ور بن جاتا ہے۔ ایک روز ایک صاحب کئی ہزار ٹن سیمنٹ پرمٹ کی درخواست لے کر آئے۔ میں نے ان

سے عرض کی کہ منوں اور ٹنوں کا حساب مجھے نہیں آتا لہٰذا میری آسانی کے لئے ٹنوں کی بوریاں بنا دی جائیں۔ میرے سیکریٹری نے حساب کیا تو اسی ہزار بوریاں بنیں۔ میں نے کہا کہ کیا اتنی بوریوں سے موٹر وے تعمیر کرنے کا ارادہ ہے۔ موصوف اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور چار صد بوری سیمنٹ پر راضی ہو گئے۔

بعض اوقات وزیر عام لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اتنے احکامات جاری کر دیتے ہیں کہ اتنی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ اس طرح بیورو کریسی میں مذاق بن کر رہ جاتے ہیں اور احکامات پر عملدرآمد نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں میں مایوسی بھی پیدا ہوتی ہے۔ ایک شام نگران وزیراعظم جناب بلخ شیر مزاری نے نو تعمیر شدہ وزیراعظم ہاؤس میں ڈنر دیا۔ وزیراعظم ہاؤس دیکھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا۔ میرے خیال میں پاکستان کا وزیراعظم ہاؤس دنیا کا خوبصورت ترین ہے۔ دنیا میں شاید ہی اور کوئی ایسی مثال موجود ہو کہ ایک غریب ملک کا وزیراعظم ناقابل یقین حد تک وسیع، خوبصورت اور پر آسائش گھر میں رہتا ہو۔ عالیشان گھروں اور دفتروں میں بیٹھ کر ملک اور قوم کی تقدیر نہیں بدلی جا سکتی۔ جب دنیا کے امیر ترین ملکوں کے وزیراعظم کشادہ گھروں میں نہیں رہتے تو پاکستان جیسے غریب ملک کے وزیراعظم کے لئے عالیشان محل تعمیر کرنے کا جواز کیا ہے۔ میں نے وزارت کے مختصر عرصے میں عوام سے بھرپور رابطہ بھی رکھا اور سرکاری فرائض بھی انجام دیئے۔ میں نے اپنی وزارت کے زیر کنٹرول مختلف کارپوریشنوں کے دورے کئے تاکہ کارپوریشنوں کی کارکردگی اور مسائل سے آگاہی حاصل کر سکوں اور ان کی ترقی کے لئے اپنا کردار ادا کر سکوں۔ سب سے پہلے سٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن لاہور کا دورہ کیا۔ مجھے یہ جان کر انتہائی دکھ ہوا کہ حکومت نے قومی اور عوامی مفاد کا خیال رکھے بغیر سٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن کے آٹھ بہترین پلانٹ نہایت عجلت میں فروخت کر دیئے۔ فروخت شدہ یونٹوں میں کوہاٹ سیمنٹ، ڈنڈوت سیمنٹ، ڈی جی خان سیمنٹ، وائٹ سیمنٹ اور پاک سیمنٹ شامل ہیں۔ سٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن سے حکومت کو 800 کروڑ روپے سالانہ منافع حاصل ہو رہا تھا جبکہ کارپوریشن کے بہترین اثاثے صرف 300 کروڑ روپے میں فروخت کر دیئے گئے۔ نج کاری کے بعد سیمنٹ کی بوری کی قیمت 95 روپے سے 155 روپے تک پہنچ گئی۔ اس طرح عوام پر ناقابل برداشت بوجھ پڑ گیا۔ خدا کے لئے کوئی بتائے کہ ایسے قومی ادارے جن کی نج کاری سے قومی آمدنی میں کمی ہو اور عوام بھی مشکلات کا شکار ہو جائیں انہیں فروخت کرنے کا جواز کیا ہے۔ حکومت کی بدنیتی اور لاپرواہی صاف ظاہر ہے۔ سٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن کو اس بات کا اختیار نہیں تھا کہ وہ اپنے سیمنٹ یونٹوں کی کل قیمت کا تخمینہ لگائیں یہ اختیار نج کاری کے کمیشن کو دے دیا گیا تھا۔ 243 کروڑ روپے کی ایک سیمنٹ فیکٹری صرف 63 کروڑ روپے میں فروخت کر دی گئی۔ نج کاری کرتے وقت ملازمین کے روزگار اور ان کے مستقبل کا تحفظ نہیں کیا گیا۔ قومی اثاثے اگر سنگدلی سے فروخت نہ کئے جاتے تو آج قوم کو بجٹ میں ایک سو ارب روپے

http://www.apnaorg.com

کے خسارے کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ سٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن سے ملازمین کو نکالا جارہا تھا ملازمین کے وفود اور یونین کے عہدیداروں سے تفصیلی تبادلہ خیال کر کے میں نے چیئرمین کو ہدایت کر دی کہ کسی ملازم کو کارپوریشن سے نہ نکالا جائے۔ میں نے نیشنل فرٹیلائزر کارپوریشن (این ایف سی) کے ہیڈ آفس کا دورہ کیا، وہاں پر بریفنگ لی اور آفیسر ویلفیئر ایسوسی ایشن کے عہدیداروں سے ملاقات کی۔ این ایف سی کے سینکڑوں ملازمین کے تین بونس کافی عرصے سے رکے ہوئے تھے میں نے عیدالاضحیٰ سے پہلے بونس کی ادائیگی کا حکم جاری کر دیا جس سے ملازمین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مجھے یہ جان کر انتہائی دکھ ہوا کہ نواز حکومت این ایف سی کو بھی پرائیویٹائز کرنا چاہتی تھی حالانکہ کھاد کی فیکٹریاں ہماری زراعت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ این ایف سی کا ادارہ ملکی و غیر ملکی کھاد پاکستان کے کاشتکاروں کو مناسب قیمت پر مہیا کرتا ہے۔ این ایف سی کے ماہرین کاشتکاروں کو زراعت کے بارے میں تحقیقاتی مشورے بھی دیتے ہیں اور اس امر کو یقینی بناتے ہیں کہ کھاد مناسب قیمت پر پاکستان کے دور دراز پسماندہ علاقوں میں وقت پر مہیا ہو سکے۔

این ایف سی نے کھاد کی تقسیم اور سپلائی کو آسان اور بہتر بنانے کے لئے مختلف اہم مقامات پر وسیع سٹوریج تعمیر کر رکھے ہیں اگر خدانخواستہ کھاد کی کارپوریشن بھی نج کاری کی زد میں آگئی تو پاکستان کی زرعی پیداوار کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا اور آزاد کشمیر شمالی علاقہ جات بلوچستان فاٹا اور دیگر پسماندہ علاقوں کے کاشتکار کھاد کو ترستے رہیں گے۔ این ایف سی کی کارکردگی تسلی بخش ہے اور یہ ادارہ ملک کا اہم ادارہ ہے لہٰذا اس کی نج کاری ہرگز قومی مفاد میں نہیں ہوگی۔ مجھے اگر موقع ملتا تو میں وزارت پیداوار کی کارپوریشنوں کی کارکردگی کو مزید بہتر بنانے کے لئے مثبت کردار ادا کرتا۔ قومی اداروں کی تعمیر اور تنظیم سے ہی پاکستان ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ مجھے ہیوی مکینیکل کمپلیکس (ایچ ایم سی) ٹیکسلا کا دورہ کرنے کا موقع ملا۔ یہ قومی ادارہ چین کی مدد سے تعمیر کیا گیا یہاں پر چینی اور سیمنٹ بنانے کے مکمل پلانٹ تیار کئے جاتے ہیں۔ مشکلات کے باوجود یہ ادارہ دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ ایچ ایم سی چینی اور سیمنٹ کے پلانٹ برآمد بھی کرتا ہے۔ حال ہی میں قازقستان کے ساتھ ایک پلانٹ برآمد کرنے کا معاہدہ ہوا ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کو اپنے دور اقتدار میں جب معلوم ہوا کہ ایچ ایم سی ٹیکسلا دنیا کے مختلف ملکوں کو سیمنٹ اور شوگر پلانٹ برآمد کر رہا ہے تو انہوں نے قومی مفاد میں سیمنٹ اور شوگر پلانٹ کی درآمد پر پابندی لگا دی تاکہ پاکستان کا زرمبادلہ ضائع نہ ہو۔ پی پی پی کے کئی راہنماؤں نے شوگر پلانٹ درآمد کرنے کے لئے این او سی حاصل کرنے کی کوشش کی مگر محترمہ بے نظیر بھٹو نے انکار کر دیا۔ پاکستانی محض کمیشن حاصل کرنے کے لئے سیمنٹ اور شوگر پلانٹ درآمد کرتے ہیں۔ میاں نواز شریف نے اقتدار میں آتے ہی قومی مفاد کو پس پشت ڈالتے ہوئے دو این او سی جاری کر دیئے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو قومی اداروں کے استحکام میں یقین رکھتی تھیں لہٰذا انہوں نے ہیوی مکینیکل

کمپلیکس کی تعمیر نو کے لئے 63 کروڑ روپے کی منظوری دے دی۔ مجھے اس حقیقت کا بھی علم ہوا کہ ہیوی کمپلیکس سے مشینری خریدنے والوں کو قرضوں کے حصول کے لئے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ انجینئرنگ کے شعبے کی جانب خصوصی طور پر توجہ دے کیونکہ انجینئرنگ کے شعبے میں ترقی کے بغیر قومی ترقی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایچ ایم سی کی مزدور یونین اور انتظامیہ کے تعلقات خوشگوار ہیں۔ وزارت پیداوار کے زیر انتظام چلنے والا ادارہ پیکو بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے پانچ ہزار خاندانوں کا مستقبل اس ادارے سے وابستہ ہے۔ پیکو کی پیداواری صلاحیت تسلی بخش ہے مگر بینکوں سے حاصل کئے گئے قرضوں کے بوجھ نے اس ادارے کو خسارے کا ادارہ بنا دیا ہے۔ پیکو دو یونٹ پر مشتمل ہے۔ ایک یونٹ بادامی باغ اور دوسرا یونٹ کوٹ لکھپت میں کام کررہا ہے۔ اگر بادامی باغ کی زمین کو فروخت کردیا جائے اور یونٹ کوٹ لکھپت منتقل کردیا جائے تو یہ ادارہ بینکوں کے قرضے ادا کر کے خود کفیل ہوسکتا ہے۔ اس طرح پانچ ہزار ملازمین کے روزگار کو بھی تحفظ حاصل ہوسکتا ہے۔ حکومت کو قومی مفاد میں اس ادارے کی سرپرستی کرنی چاہئے اور اس ضمن میں تیز رفتاری سے اقدامات کرنے چاہئیں تاکہ یہ ادارہ بینکوں کے بوجھ میں دب کر نہ رہ جائے۔ موجودہ حالت میں پیکو کو پرائیویٹ کرنے سے حکومت کو بھاری نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ میں نے پیکو کے ملازمین کے جائز مطالبات بھی خوش اسلوبی سے منظور کرادیئے۔ وزارت کے بائیس روز کے دوران جن امور کا مجھے شدت سے احساس ہوا ان کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں:

(1) سرکاری اخراجات کو کنٹرول کرنے کی خواہش مجھے نظر نہیں آئی۔ سرکاری سہولتوں کے ناجائز استعمال کی عادت عام ہے۔ وزارت کے ابتدائی ایام میں میرے دیرینہ دوست منور انجم میرے ساتھ تھے دوستوں اور احباب کو بلا ضرورت ٹیلی فون کرنا ان کی کمزوری ہے۔ میں نے ان کے اس شوق کو دیکھتے ہوئے سرکاری فون میں کوڈ نمبر فیڈ کرا دیا تاکہ فون کے اخراجات کو کنٹرول کیا جاسکے اور قومی خزانے پر بلاوجہ بوجھ نہ پڑے میں نے اپنے سٹاف کو ہدایت کی کہ سرکاری اخراجات کو کنٹرول کیا جائے۔

(2) وزارتوں میں انفرادی کاموں کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ نوکریوں، تبادلوں، ٹھیکوں اور دوسرے انفرادی نوعیت کے کاموں پر زیادہ وقت صرف ہوتا ہے جبکہ قومی اور اجتماعی مفاد کے کاموں پر پوری توجہ نہیں دی جاتی۔

(3) افراد اداروں سے زیادہ اہمیت اختیار کرچکے ہیں اداروں کو مضبوط اور مستحکم بنانے اور انہیں ترقی دینے کے لئے سنجیدگی سے کوششیں نہیں کی جاتیں۔ اس طرح اداروں کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے اور قومی ترقی کی رفتار سست ہوجاتی ہے۔

(4) حکومت ملک کی ترقی اور خوشحالی کی سکیمیں بنانے کی بجائے اپوزیشن کو ختم کرنے یا اسے کمزور

http://www.apnaorg.com

کرنے کی طرف زیادہ توجہ دیتی ہے۔

(5) وزارتوں میں تاخیری حربوں سے کام لیا جاتا ہے۔ سرخ فیتے کے ذریعے دراصل رشوت کے اسباب پیدا کئے جاتے ہیں۔ قومی جذبے کے فقدان کی وجہ سے جائز کام جو ایک دن میں ہوجانے چاہئیں مہینوں میں نہیں ہوتے۔

(6) وزیر اپنے انتخابی حلقہ کے عوام کے مسائل میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں اور پاکستان کے دوسرے علاقوں کو بری طرح نظر انداز کر دیتے ہیں۔

(7) بعض وزراء بیورو کریسی سے بلاوجہ غیر اخلاقی اور غیر انسانی رویہ اختیار کر کے اپنی جماعت کا وقار مجروح کرتے ہیں۔

(8) وزیر سیاسی کارکنوں کو بری طرح نظر انداز کرتے ہیں۔ اپنے دفاتر میں بہت کم وقت دیتے ہیں اس طرح دور دراز سے آئے ہوئے کارکن ملاقات سے بھی قاصر رہتے ہیں اور مایوسی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

http://www.apnaorg.com

سیاست سے ملازمت تک

(چیف ایگزیکٹو کی حیثیت سے میرا پہلا تجربہ)

ء میں جب پی پی پی برسراقتدار آئی تو محترمہ بے نظیر بھٹو نے مجھے وزارت اطلاعات میں بیس گریڈ کی ملازمت کی پیش کش کی مگر میں چونکہ پی پی پی کا مرکزی سیکریٹری اطلاعات تھا لہٰذا سرکاری ملازمت کو پارٹی کے اعلیٰ منصب کے مطابق نہ سمجھا اور حکومت میں شامل ہونے کے بجائے پارٹی کے لئے کام کرتا رہا۔ پبلشنگ اور پرنٹنگ ہمارا فیملی بزنس تھا جس میں فعال کردار ادا کررہا تھا لہٰذا سرکاری ملازمت میری ضرورت نہ تھی۔ 1993ء میں جب میاں نواز شریف کی حکومت برطرف ہوئی اور بلخ شیر مزاری نگران وزیراعظم بنے تو محترمہ کی سفارش پر مجھے وزیراعظم کا معاون خصوصی نامزد کیا گیا اور وزیر مملکت کا درجہ دے کر وزارت پیداوار میں تعینات کر دیا گیا۔ 1993ء کے انتخابات کے بعد بے نظیر بھٹو دوبارہ وزیراعظم بنیں تو انہوں نے مجھے اپنا او ایس ڈی بنانے کی پیش کش کی میں چونکہ وزیر مملکت رہ چکا تھا اور پی پی پی کی چیئرپرسن کا سیاسی مشیر بھی تھا ایم اے ایل ایل بی تعلیمی قابلیت تھی پارٹی کے لیے خدمات اور قربانیاں کسی سے کم نہ تھیں لہٰذا میں نے او ایس ڈی بننے کی آفر منظور نہ کی۔ میری خواہش تھی کہ مجھے کوئی ایسی ذمے داری سونپی جائے کہ میں ملک اور قوم کی خدمت کرسکوں۔ اگست 1996ء میں وزیراعظم بے نظیر بھٹو میرے والد کی تعزیت کے لئے میرے گھر تشریف لائیں حامد ناصر چٹھہ، وزیراعلیٰ سردار عارف نکئی، گورنر پنجاب راجہ سروپ خاں، مس ناہید خان اور ملک مشتاق اعوان ان کے ہمراہ تھے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے سب کے سامنے کہا "قیوم نظامی ہماری پارٹی کے دیانت دار لیڈر ہیں ان کو صوبائی محتسب بنایا جائے" ان دنوں صدر فاروق لغاری اور وزیراعظم بے نظیر بھٹو کے اختلافات شدید نوعیت اختیار کر چکے تھے۔ صوبائی محتسب کے لیے ریٹائرڈ جج ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا مجھے یہ منصب نہ مل سکا۔ دریں اثناء ستمبر 1996ء میں سردار فتح محمد حسنی کی جگہ مجھے متروکہ وقف املاک بورڈ کا چیئرمین لگا دیا گیا اس بار محترمہ بے نظیر بھٹو نے میری سیاسی سینیارٹی کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے گریڈ بائیس بھی دیا اور وزیر مملکت کا درجہ بھی دے دیا۔ متروکہ وقف املاک بورڈ جسے عرف عام میں ہندو اوقاف بھی کہا جاتا ہے اس کے چیئرمین کا منصب وفاقی وزیر کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ پارٹی کے سابق سینئر وائس چیئرمین شیخ محمد رشید مرحوم اور ملک معراج خالد مرحوم بھٹو دور میں ہندو اوقاف کے چیئرمین رہے۔ میری زندگی کی یہ پہلی سرکاری نوکری تھی جس سے سیاسی کیریئر کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ آئین کے

http://www.apnaorg.com

تحت کوئی سرکاری ملازم اس وقت تک انتخابات اور عملی سیاست میں حصہ نہیں لے سکتا جب تک وہ ریٹائر ہونے کے بعد دو سال کا عرصہ پورا نہ کرے۔ میں نے یہ ذمے داری قبول کر لی اور اس وقت غالب کے اس شعر کا مفہوم پوری طرح سمجھ میں آیا۔

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا

وہ دن گئے کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

حاجی ممتاز احمد کاہلوں پاکستان بیت المال کے چیئرمین تھے انہوں نے کوشش کی کہ وہ اوقاف کے چیئرمین بن جائیں اور مجھے پاکستان بیت المال کا چیئرمین لگا دیا جائے محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے آرڈر تبدیل کرنے سے انکار کر دیا اور ممتاز کاہلوں اپنی کاوش میں کامیاب نہ ہوسکے۔ قیام پاکستان کے وقت ہندو اور سکھ جو وقف پراپرٹی چھوڑ گئے تھے اس کا انتظام و انصرام متروکہ وقف املاک بورڈ کے ذمے ہے۔ پاکستان کے تقریباً اسی ہزار گاؤں میں متروکہ وقف املاک موجود ہیں جن میں پچاس ہزار شہری اور کمرشل یونٹ ہیں جبکہ لاکھوں ایکڑ زرعی اراضی بھی شامل ہے۔ متروکہ وقف املاک بورڈ کے دفاتر ہر بڑے شہر میں موجود ہیں۔ بورڈ کا چیئرمین بطور جج اوقاف کی کروڑوں روپے مالیت کی پراپرٹی کے فیصلے بھی کرتا ہے اور 1975ء کے ایکٹ کے مطابق چیئرمین کا فیصلہ آخری ہوتا ہے جسے کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ بورڈ کے چیف ایگزیکٹو کی حیثیت سے یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا۔ میں نے خدا سے اس بڑے امتحان میں کامیاب ہونے کی دعا کی۔ طویل سیاسی سفر کے بعد خدا نے مجھے موقع دیا تھا کہ میں اپنے نظریات کے مطابق عملی نمونہ پیش کروں اور ان کروڑوں الفاظ کا تقدس قائم رکھوں جو میں نے عوامی جلسوں میں بولے تھے۔ مجھے بے نظیر بھٹو، ملک معراج خالد اور میاں نواز شریف کے ادوار میں اس اعلیٰ منصب پر کام کرنے کا موقع ملا۔ اداروں کو اندر سے دیکھنے اور بیوروکریسی کی قربت کا یہ انوکھا اور دلچسپ تجربہ تھا۔ ان دنوں میریٹ ہوٹل اسلام آباد کے ساتھ رقبہ کے لحاظ سے سب سے بڑی ملٹی سٹوری بلڈنگ زیر تعمیر تھی جبکہ ایک پلازہ بلیو ایریا اسلام آباد اور ایک پلازہ ملتان میں زیر تعمیر تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ اسلام آباد کی ملٹی سٹوری بلڈنگ میں ایئر کنڈیشنرز اور لفٹس نصب کرنے کا کنٹریکٹ مکمل ہوچکا ہے۔ کنٹریکٹ کے تمام مراحل کی تکمیل کے بعد میرے پیشرو چیئرمین اس ٹھیکے کی منظوری دے چکے ہیں اور اگر میں فائل پر اپنے دستخط ثبت کردوں تو ٹھیکیدار مجھے پچاس لاکھ روپے دینے کے لئے تیار ہے۔ نیز تینوں پلازوں کے ٹھیکیدار مجھے ایک لاکھ روپے ماہانہ فی پلازہ بھی دیا کریں گے۔ ظاہر ہے یہ پیشکش بڑی پرکشش تھی مگر میں فوراً سمجھ گیا کہ مجھے اتنی بھاری رقم کی جو آفر کی گئی ہے وہ دراصل وقف املاک کا سرمایہ ہے۔ میں نے ٹھیکیداروں اور بورڈ کے متعلقہ آفیسروں کا ہنگامی اجلاس بلایا۔ اور کھلے الفاظ میں واضح کر دیا کہ پرانا دور ختم ہوا اور نیا دور شروع ہوا ہے میں نہ تو خود رشوت لوں گا اور نہ ہی کسی اہلکار کو لینے دوں گا۔ ہنگامی اجلاس کے بعد میں نے پرانے کنٹریکٹ منسوخ کر دیئے۔ میرے

http://www.apnaorg.com

اس اقدام سے پورے محکمے میں میرا پیغام پہنچ گیا۔ جانکی دیوی ہسپتال کی توسیع کے لیے مجھے ایک فائل پیش کی گئی۔ یہ اسی لاکھ کا منصوبہ تھا میں نے فائل پر نوٹ لکھا کہ مجھے جانکی دیوی ہسپتال کا دورہ کرایا جائے۔ جب میں نے ہسپتال کا دورہ کیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جس ہسپتال کی توسیع کا منصوبہ بنایا گیا تھا اس کے کمرے خالی پڑے تھے اور مریضوں کی تعداد صرف چھ تھی۔ ہسپتال کی توسیع کا ہرگز کوئی جواز نہ تھا اور اس منصوبے کا واحد مقصد کمیشن کھانا تھا۔ میں نے یہ منصوبہ مسترد کر دیا اور بورڈ کے اسی لاکھ روپے بچا لیے۔ متروکہ وقف املاک بورڈ کے سات پلاٹ ڈیفنس لاہور کے آخری سیکٹر میں موجود ہیں جنھیں نیلام کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ پہلی نیلامی میں بولی دس لاکھ روپے فی کنال تک پہنچی تھی میں نے دوبارہ نیلامی کا حکم دیا۔ اخبارات میں نیلامی کے اشتہارات شائع کرائے اور ہینڈ بل بھی تقسیم کیے۔ بورڈ کے دیانت دار افسروں پر مشتمل نیلام کمیٹی تشکیل دی چنانچہ ایک کنال کا جو پلاٹ دس لاکھ روپے میں فروخت ہو رہا تھا اس کی آفر ساڑھے سولہ لاکھ روپے تک پہنچ گئی اسی طرح ملتان روڈ پر 17 کنال زمین چار بار نیلامی کے باوجود پندرہ لاکھ روپے میں فروخت ہو رہی تھی میں نے اس کی صاف اور شفاف نیلامی کرائی ٹیلی ویژن پر اشتہار دیا تو یہی زمین 34 لاکھ روپے میں فروخت ہوئی۔ پاکستان بیت المال کے سابق چیئرمین سردار فتح محمد حسنی نے زماں پارک لاہور میں بورڈ کی نو کنال زمین پر تقریباً ایک کروڑ روپے کی لاگت سے چیئرمین ہاؤس تعمیر کرایا تھا جو چھ بیڈروم اور چار سرونٹ کواٹرز پر مشتمل تھا۔ فتح محمد حسنی کا تعلق بلوچستان سے تھا اور وہ لاہور ایک ماہ میں صرف دو دن کے لیے آتے تھے لہٰذا انہیں اتنے بڑے چیئرمین ہاؤس کی ضرورت نہ تھی میں نے بورڈ کی منظوری سے اس عالیشان محل کو کرائے پر دینے کا فیصلہ کیا۔ اور چیئرمین ہاؤس کو ایک لاکھ دس ہزار روپے ماہانہ پر تین سال کے لیے کرایے پر دے دیا اور بورڈ کو انیس لاکھ روپے ایڈوانس مل گئے۔ زیر تعمیر پلازوں میں کرپشن کے خاتمے کے لیے ایک نگران کمیٹی تشکیل دی جس میں سی ڈی اے اور ورکس ڈویژن کے چیف انجینئر بھی شامل کیے اس طرح معیاری تعمیر بھی ممکن ہوئی اور کروڑوں روپے بھی بچا لیے۔ بورڈ کے 45 کلرکوں کی پروموشن گزشتہ کئی سالوں سے رکی ہوئی تھی میں نے بطور چیئرمین ان کا قانونی حق دیا اور سب کو پروموٹ کر دیا۔ مجھ سے پہلے چیئرمین نے بائیس لاکھ روپے کی ٹیوٹا کرونا اپنے ذاتی استعمال کے لیے خریدی میں نے اس قیمتی کار کے استعمال پر پابندی لگا دی اور بذریعہ نیلام فروخت کرنے کا آرڈر کر دیا۔ عوام کے لیے میرے دفتر کے دروازے کھلے تھے ان کو عزت بھی دی اور ان کے جائز کام بھی کیے۔ بورڈ کے اندر ایک احتساب سیل قائم کیا تاکہ کرپشن کا خاتمہ کیا جا سکے۔ دفتر کے ڈسپلن کو بہتر بنایا۔ قواعد و ضوابط پر خود بھی سختی سے عمل کیا اور اہل کاروں سے بھی کرایا۔ بطور جج تیرہ سو مقدمات کی سماعت کی اور نو ماہ کے اندر تین سو مقدمات کا فیصلہ سنایا۔ بورڈ کے سینکڑوں مقدمات گزشتہ پندرہ بیس سالوں سے زیر سماعت تھے میں نے مقدمات کی سماعت لاہور کے علاوہ کراچی، کوئٹہ، سکھر

http://www.apnaorg.com

حیدر آباد، راولپنڈی اور پشاور جا کر کی۔ کسی چیئرمین نے گزشتہ پندرہ سال سے سکھر، حیدر آباد اور کوئٹہ کا دورہ کر کے مقدمات کی سماعت نہیں کی تھی۔ کوئٹہ میں ایک بزرگ مجھے ملے اور کہنے لگے کہ وہ اپنے مقدمہ کے لیے پانچ لاکھ روپے دینے کے لیے تیار ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں ان کے مقدمے کا فیصلہ ضمیر اور انصاف کے مطابق کروں گا اور اگر فیصلہ ان کے حق میں ہوجائے تو وہ کسی یتیم بچی کی شادی کرا دیں۔ پراپرٹی کے مقدمات میں چیئرمین وقف جائیداد کو غیر وقف قرار دے کر کروڑوں روپے کما سکتا ہے۔

میں تو اخلاق کے ہاتھوں ہی بکا کرتا ہوں
اور ہوں گے تیرے بازار میں بکنے والے

رولز کے مطابق چیئرمین کو ایک کنال پلاٹ الاٹ کرنے کا اختیار ہے میں نے اپنی ملازمت کے دوران ایک مرلہ زمین بھی کسی کو الاٹ نہ کی اور یہ شاید بورڈ کی تاریخ کا پہلا ریکارڈ ہے میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ اگر ذاتی مفاد نہ ہو تو انسان ہر قسم کی مشکلات پر قابو پا سکتا ہے اور ادارے میں کوئی بحران پیدا نہیں ہوتا۔ کرپٹ مافیا دیانت دار آفیسر کے قریب نہیں پھٹکتا میاں منظر مسعود سابق سپیکر آزاد کشمیر اسمبلی میرے دفتر تشریف لائے اور کہنے لگے کہ "پی پی پی کے سابق سینئر چیئرمین شیخ محمد رشید وفاقی وزیر رہے انہوں نے اپنے لیے کچھ نہ بنایا اور بڑھاپا کسمپرسی میں گزار رہے ہیں آپ نے بھی ساری زندگی کچھ نہیں بنایا اب اللہ نے موقع دیا ہے خود بھی فائدہ اٹھا لو اور دوستوں کی مدد بھی کرو" منظر مسعود صاحب نے جنرل ضیاء الحق کے مارشل کے دوران روپوشی کے ایام میں بڑی مدد کی تھی اپنے عزیزوں کے گھر پر قیام کا موقع دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ گزشتہ چالیس سال میں خدا نے مجھے جو عزت اور سکون دیا ہے وہ میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے عزت کروڑوں روپے خرچ کر کے بھی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ انسان نے قبر میں خالی ہاتھ ہی جانا ہے لہٰذا آپ میرے لیے دعا کریں کہ خدا مجھے اس اہم امتحان میں سرخرو کرے۔ البتہ ان کا اگر کوئی ذاتی جائز کام ہے وہ میں خوشی سے کرنے کے لیے تیار ہوں۔ گوردواروں اور مندروں کی دیکھ بھال اور سکھ یاتریوں کے قیام و طعام کا انتظام متروکہ وقف املاک بورڈ کی بنیادی ذمے داری ہے۔ میں نے چیئرمین کی حیثیت سے تمام گوردواروں اور مندروں کا معائنہ کیا اور ان کی مرمت اور آرائش میں پوری دلچسپی لی۔ گوردوارہ ننکانہ صاحب، ڈیرہ صاحب لاہور، پنجہ صاحب حسن ابدال میں لنگر خانوں، رہائشی کمروں کی تعمیر کرائی سیوریج اور سوئی گیس کا انتظام کیا نیز غسل خانے تعمیر کرائے دس ماہ کی ملازمت کے دوران سرگرمی اور تیز رفتاری سے کام کیا جو امور برسوں سے فیصلہ طلب پڑے تھے ان کو نمٹایا۔ بورڈ کی تمام جائیداد کا ریکارڈ کمپیوٹر میں فیڈ کرایا تاکہ ریکارڈ محفوظ ہوجائے اور جعل سازی کے امکانات نہ رہیں۔ میرے علم میں آیا کہ فیلڈ آفیسر کرایہ داری تبدیل کرنے کے کیسوں

http://www.apnaorg.com

میں بھاری رشوت وصول کرتے ہیں اور گزشتہ پانچ سالوں سے کرایہ دار اپنے جائز قانونی حق سے محروم ہیں۔ میں نے تمام قومی اخبارات میں اشتہار شائع کرائے اور عوام کو آگاہ کیا کہ قوانین کے مطابق کرایہ داری تبدیل کرانا ان کا حق ہے اگر دو ماہ کے اندر ان کے کیسوں کا فیصلہ نہ ہوا اور اہلکار رشوت طلب کریں تو فوری طور پر چیئرمین سے رابطہ کیا جائے۔ میں نے بورڈ کے اخراجات کم کیے۔ ایک روز آئی ایس آئی کے ایک کرنل ملاقات کے لیے آئے اور سکھ یاتریوں کے انتظامات کے سلسلے میں مجھے ڈکٹیٹ کرنے لگے میں نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا کہ وہ محکمہ کے کاموں میں مداخلت نہ کریں۔ شیخ رشید احمد کو راولپنڈی کے کسی اہل کار نے غلط بیانی کر کے یہ تاثر دیا کہ میں راجہ بازار میں بورڈ کی ایک پراپرٹی پی پی پی کے حامیوں کو دے رہا ہوں۔ شیخ رشید کا مجھے ٹیلی فون آیا اور غصے سے کہنے لگے کہ ''میں وزیراعظم میاں نواز شریف سے بات کرنے والا ہوں کہ آپ پی پی پی کے حامیوں کو نواز رہے ہیں'' میں نے انہیں وضاحت کی کہ ان کی اطلاع درست نہیں ہے اور اگر انہوں نے وزیراعظم سے بات کی تو خود انہیں پشیمان ہونا پڑے گا۔ میں نے پانچ سو مستحق افراد کو پانچ مرلہ سکیم کے تحت پلاٹ آلاٹ کرنے کی پوری کوشش کی۔ ان درخواست گزاروں کے نام قرعہ اندازی کے ذریعے نکالے گئے تھے اور ان میں بیوہ یتیم مفلس افراد شامل تھے۔ ایک وکیل نے لاہور ہائی کورٹ سے حکم امتناعی حاصل کر لیا اور غریب بے گھر افراد کو پلاٹوں کا قبضہ نہ مل سکا میرا یقین ہے کہ پاکستان میں اہل محب الوطن اور دیانت دار افراد کی کمی نہیں ہے حکومتیں اگر نیک نام افراد سے کام لیں تو پاکستان اپنے مسائل پر قابو پا سکتا ہے اور عوام کی تقدیر بدل سکتی ہے ادارے مستحکم ہو سکتے ہیں۔ میرا کنٹریکٹ تین سال کا تھا مگر دس ماہ کے بعد وزیراعظم میاں نواز شریف کے سیکریٹری شیر دل خان کا فون آیا انہوں نے کہا کہ وزیراعظم کسی اور کو بورڈ کا چیئرمین لگا رہے ہیں اور مجھے کسی اور جگہ ایڈجسٹ کیا جائے گا۔ میں نے بورڈ کے نئے چیئرمین ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل جاوید ناصر کا استقبال کیا اور انہیں خوشدلی سے چارج دیا۔ دو ماہ بعد میں نے ان کی صحت کے بارے میں پوچھنے کے لیے فون کیا تو انہوں نے کہا ''میں آپ کو خراج تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے فائلوں پر بڑے اچھے آرڈر کیے ہوئے ہیں'' میں نے کہا جنرل صاحب بہت شکریہ جب ضمیر زندہ اور نیت نیک ہو تو احکامات بھی واضح اور شفاف ہوتے ہیں۔

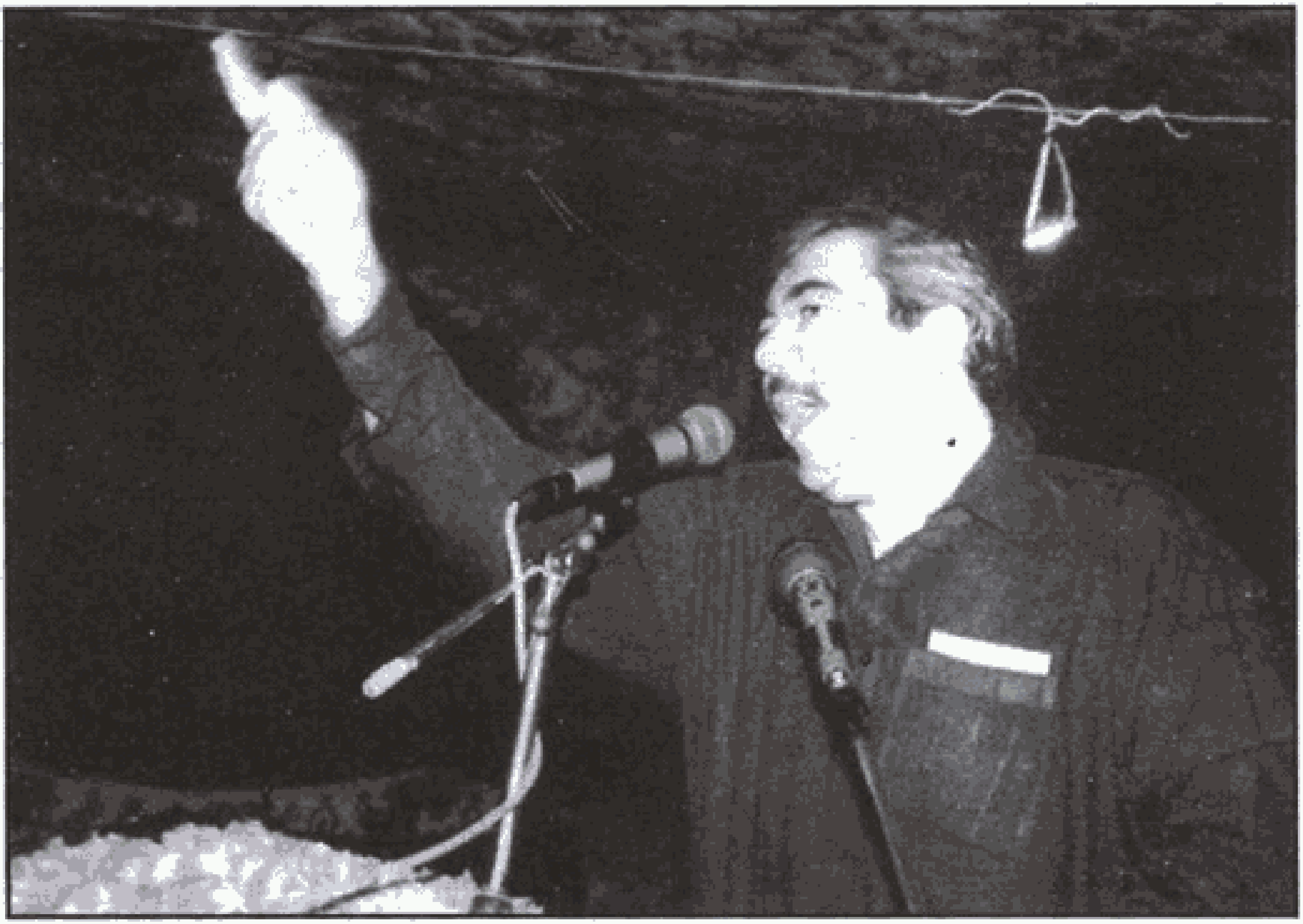

مرتضیٰ بھٹو اپنی پارٹی کے جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے

http://www.apnaorg.com

مرتضیٰ بھٹو کا قتل

میر مرتضیٰ بھٹو کو 20 ستمبر 1996ء کی شام 70 کلفٹن کراچی کے باہر پولیس نے گولیوں سے لہولہان کر دیا۔ وہ زخمی حالت میں سڑک پر پڑے رہے پولیس نے انہیں غیر قانونی اسلحہ رکھنے کے جرم میں حراست میں لیا۔ مگر کسی نے انہیں ہسپتال پہنچانے کی فکر نہ کی حالانکہ ان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا اور انہیں فوری طبی امداد کی ضرورت تھی وزیراعظم بے نظیر بھٹو کا بھائی سڑک پر بے یارو مددگار پڑا رہا۔ پولیس کے ایک سپاہی نے اپنے اعلیٰ آفیسر سے مرتضیٰ کو ہسپتال لے جانے کے بارے میں اجازت طلب کی۔ مرتضیٰ کو ایک وین میں مڈ ایسٹ ہسپتال لے جایا گیا اور اسے سٹریچر پر ڈال کر ہسپتال کے برآمدے میں چھوڑ دیا گیا کسی پولیس اہلکار نے میڈیکل آفیسر کو اطلاع نہ دی کہ زخموں سے لہولہان نوجوان وزیراعظم پاکستان کا بھائی ہے۔ میر مرتضیٰ بھٹو کراچی میں ایک کارنر میٹنگ سے خطاب کرنے کے بعد اپنے گھر واپس آ رہے تھے اور ان کو یہ علم نہ تھا کہ وہ موت کے سفر پر روانہ ہیں اسی دن صبح انہوں نے اپنے گھر پر پریس کانفرنس میں اعلان کیا تھا کہ ان کی جان کو خطرہ ہے اس ضمن میں انہوں نے اپنے مخالفوں کے نام بھی لیے تھے۔ وقوعہ کے چند روز پہلے پولیس نے مرتضیٰ کے قریبی ساتھی علی سنارا کو گرفتار کر لیا تھا اور اس پر الزام تھا کہ وہ بھارت کا ایجنٹ ہے اور دہشت گردی کی وارداتوں میں ملوث ہے۔ گرفتاری کے دوسرے روز مرتضیٰ بھٹو مسلح ساتھیوں کے ساتھ چند تھانوں میں گئے اور توڑ پھوڑ کی وہ اپنے ساتھی علی سنارا کو رہا کرانا چاہتے تھے ایک پبلک میٹنگ میں مرتضیٰ نے بے نظیر کی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا اور آصف زرداری پر کرپشن کے الزامات لگائے تھے۔ پولیس نے ان کے گھر کو گھیر رکھا تھا تاکہ مرتضیٰ کے ساتھیوں سے اسلحہ واپس لے سکے۔ 70 کلفٹن کے قریب تین تلوار چوک پر پولیس کے سینئر آفیسر موجود تھے تاکہ کارروائی کی نگرانی کر سکیں۔ جب مرتضیٰ کا کارواں گھر کے قریب پہنچا تو ایک پولیس اہلکار نے وائرلیس پر پیغام دیا کہ ''مہمان'' آ رہا ہے۔ فائرنگ کے بعد پولیس نے ایف آئی آر درج کرائی کہ مرتضیٰ کے مسلح ساتھیوں نے پولیس پر فائرنگ شروع کر دی تھی لہٰذا اپنی حفاظت کے لیے پولیس کو جوابی فائرنگ کرنا پڑی۔ ایف آئی آر میں پولیس کی تعداد، وقوعہ کا نقشہ، جیپوں کی تعداد، اسلحہ کی برآمدگی، ہاتھوں اور پاؤں کے نشانات کسی چیز کا ذکر نہ تھا۔ مرتضیٰ بے ہوشی کے عالم میں ہسپتال میں پڑے رہے اور چالیس منٹ تک انہیں کوئی طبی امداد نہ دی گئی۔ مڈ ایسٹ ہسپتال جہاں پر مرتضیٰ بھٹو کو پراسرار انداز میں چھوڑ دیا گیا تھا ہنگامی صورتحال کے لیے موزوں نہ تھا جبکہ جناح ہسپتال جہاں پر ہر قسم کی طبی سہولتیں موجود تھیں صرف دس منٹ کے فاصلے پر تھا۔ وزیراعظم کے بھائی

کے ساتھ یہ المناک سلوک کیوں کیا گیا یہ شاید راز ہی رہے۔ بے نظیر بھٹو نے ٹریبونل کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا تھا۔

''میرا بھائی کبھی ہلاک نہ ہوتا اگر دوسری جانب سے یہ یقین دہانی نہ کرائی جاتی کہ قاتلوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ یہ یقین دہانی صدر پاکستان کی جانب سے کرائی گئی''۔

26 ستمبر 1996 بے نظیر نے ایوان صدر کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

''اے مسلمان ذرا ٹھہرو مرتضیٰ کے چہلم تک تو صبر کرو اللہ سے ڈرو تمہیں کس بات کی جلدی ہے''

قابل اعتماد ذرائع کے مطابق جس رات مرتضیٰ قتل ہوا۔ جنرل جہانگیر کرامت نے فاروق لغاری سے کہا۔

"Are you still going to go ahead. He said yes I have gone too far to turn back"

ترجمہ: کیا آپ اب بھی کارروائی مکمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ صدر لغاری نے ہاں میں جواب دیا اور کہا کہ وہ اتنی دور پہنچ چکے ہیں کہ واپسی ممکن نہیں۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے ہیرالڈ کو انٹرویو دیتے ہوئے مرتضیٰ بھٹو کے قتل کے بارے میں کہا؛

''جولائی میں میری بھائی سے ملاقات ہوئی تھی اور ملاقات اچھی رہی تھی۔ اگست میں ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی میرے پاس آئے اور ایم آئی کی ایک رپورٹ دی، جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ مرتضیٰ اور بے نظیر نے نواز شریف اور چودھری شجاعت سمیت حزب اختلاف کے راہنماؤں کو ہلاک کرانے کا منصوبہ بنایا ہے اور میں نے شوکت نامی شخص کو رہا کرنے سے اتفاق کیا ہے، جس نے کراچی میں معصوم بہنوں کو قتل کیا اور گجرات جیل میں بند تھا۔ رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ مرتضیٰ بھٹو قتل عام کیلئے یارو بلوچ سمیت متعدد افراد کو استعمال کرنے والے ہیں۔ میں نے اس رپورٹ کی ایک کاپی مرتضیٰ کو بھیج دی تھی اور ڈی جی آئی ایس آئی پر واضح کر دیا تھا کہ یہ رپورٹ غلط ہے۔ چیف آف آرمی سٹاف کو کون رپورٹیں بھیجتا ہے، جس کے مطابق ملک کی وزیراعظم قتل کرانے کی منصوبہ بندی کرتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ڈی جی ایم آئی کو رپورٹ موصول ہوتی ہے اور وہ اسے آرمی چیف کو دیتے ہیں۔ انہوں نے ہی اس رپورٹ کو وزیراعظم کے نوٹس میں لانے کیلئے کہا۔ میں نے کہا کہ رپورٹ غلط ہے لیکن آج تک اس رپورٹ کی تحقیقات نہیں کرائی گئی جس نے اس قسم کی رپورٹ ایم آئی کو دی، اس کے بارے میں بھی علم نہیں۔ علاوہ ازیں یہ جھوٹا دعوی کیا گیا کہ وزیراعظم اور ان کے بھائی قتل کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ ایسی لاتعداد من گھڑت رپورٹیں ہیں جو اعلیٰ سطح تک پہنچتی ہیں۔ ان کی جانچ

http://www.apnaorg.com

پڑتال اور جوابدہی کہ کس نے یہ اطلاعات بھیجیں نہیں ہوتی۔ میرا یہ یقین ہے کہ کیونکہ میں نے رپورٹ کی ایک نقل اپنے بھائی کو دیدی تھی اس لئے انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اگر میں مرتضٰی کو کاپی نہ دیتی تو امکان تھا کہ وہ مرتضٰی کے بجائے مسلم لیگ (ن) کے کسی لیڈر کو ہلاک کر دیتے اور مرتضٰی اور میں دونوں قتل کے الزام میں جیل میں ہوتے۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ جب میرے بھائی کو ہلاک کیا گیا وہ تمام افراد جن کا ذکر ایم آئی کی رپوٹ میں تھا وہ جائے وقوعہ پر تھے۔ ایم آئی کو یہ سب کچھ کیسے پتا چلا اور ایم آئی کو یہ اطلاع کس نے دی۔ میں ایم آئی پر الزام نہیں دھر رہی کیونکہ میں نہیں جانتی اور میں خدشات کا اظہار نہیں کرنا چاہتی لیکن کوئی سازش کر رہا تھا اور اس نے یہ تمام نام دیئے تھے۔ مجھے ان باتوں سے بڑا دکھ ہوا جب مرتضٰی کو قتل کیا گیا تو اس کی بیوہ غنویٰ کو راتوں رات پاکستان کا شہری بنا دیا گیا۔ اس سلسلہ میں اصول وضوابط کی خلاف ورزی کی گئی۔ مرتضٰی اسے پاکستانی شہری نہیں بنانا چاہتے تھے۔ کئی برس پہلے شادی ہوئی تھی لیکن کبھی پاکستانی شہریت کیلئے درخواست نہیں دی گئی لیکن آپ دیکھ لیں وہ اب پاکستانی شہری ہیں۔ عدت گزار کر ان کی پارٹی دولت کے بل بوتے پر شروع کی گئی۔ ان کی پارٹی نے تین رنگوں کے جو پوسٹرز شائع کرائے وہ کوئی بڑی پارٹی شائع نہیں کرا سکتی۔ یہ رقم کہاں سے آئی؟ یہ تمام معاملات ہوئے اور میں ان کے جوابات لینا چاہوں گی۔ علاوہ ازیں مجھے بہت کچھ عطا ہوا۔ دو بار وزیراعظم کی حیثیت سے قوم کی خدمت کا موقع بھی ملا۔ اس بات کا امکان ہے کہ مجھے تیسری بار بھی قوم کی خدمت کا موقع ملے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ موقع نہ ملے لیکن اہم بات یہ ہے کہ مقبول اور منتخب رہنما کی حیثیت سے جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ دیگر مقبول منتخب، راہنماؤں کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے۔''

ٹریبونل نے فیصلے میں تحریر کیا کہ مرتضٰی بھٹو کے قتل کا وقوعہ کسی اعلیٰ صوبائی یا وفاقی شخصیت کی منظوری کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔ صدر پاکستان فاروق لغاری نے واشگاف الفاظ میں مرتضٰی کو قتل کی سازش میں ملوث ہونے کی تردید کی اور راقم کو بتایا کہ مرتضٰی کے ان کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے اور مرتضٰی نے وقوعہ سے کچھ عرصہ پہلے ان کو خوبصورت تلوار کا گفٹ دیا تھا۔ وزیراعظم بے نظیر بھٹو جب اسلام آباد سے کراچی پہنچیں تو مرتضٰی جہان فانی سے کوچ کر چکے تھے مگر خفیہ ایجنسیوں نے انہیں مطلع نہ کیا تھا۔ بے نظیر ننگے پاؤں ہسپتال پہنچیں اور اپنے بھائی کی لاش کے سامنے زار و قطار روتی رہیں ان کی زندگی کا یہ تیسرا بڑا المیہ تھا قبل ازیں وہ اپنے پاپا اور بھائی شاہنواز کی شہادتوں کا غم برداشت کر چکی تھیں۔ ہسپتال کے باہر مرتضٰی کے غم زدہ ساتھی انتقامی نعرے لگا رہے تھے۔ بے نظیر بھٹو کو ان نعروں کی گونج میں ہسپتال سے بلاول ہاؤس لے جایا گیا۔ مرتضٰی کی المناک موت کی خبر پورے پاکستان میں پھیل گئی اور کروڑوں عوام کئی روز تک غم میں ڈوبے رہے۔ مرتضٰی کے جسد خاکی کو آبائی گاؤں نوڈیرو لے جایا گیا۔ بے نظیر بھٹو تجہیز وتکفین کی رسومات میں شرکت نہ کرسکیں کیونکہ ہجوم مشتعل اور جذباتی تھا۔

http://www.apnaorg.com

مرتضیٰ بھٹو نے جنرل ضیاء الحق سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے الذوالفقار تنظیم تشکیل دی تھی بے نظیر نے ہمیشہ اس تنظیم سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور جمہوری جدوجہد پر انحصار کیا۔ جب الذوالفقار تنظیم تشکیل دی جارہی تھی سابق ایم پی اے عبدالقیوم بٹ راقم کے پاس آئے اور بتایا کہ مرتضیٰ بھٹو مجھے لاہور ڈویژن کا کمانڈر بنانا چاہتے ہیں میں نے ان کو جواب دیا کہ میں نے زندگی میں کبھی کسی کو پھول تک نہیں مارا لہٰذا میں عسکری تنظیم کا رکن کیسے بن سکتا ہوں۔ مرتضیٰ بھٹو جب جلا وطنی ختم کر کے پاکستان واپس آئے تو انہوں نے پی پی پی (شہید بھٹو) کے نام سے علیحدہ گروپ بنا لیا آج جس کی قیادت ان کی بیوہ غنویٰ بھٹو کر رہی ہیں۔

مرتضیٰ بھٹو کے قتل کا مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہے۔ آصف زرداری کو بھی ملزموں میں شامل کیا گیا ہے۔ پاکستان کی تاریخ کے بڑے سیاسی قتل کبھی بے نقاب نہیں ہوئے یہ ہماری تاریخ کا سنگین المیہ ہے۔ کیا مرتضیٰ بھٹو کے قاتل بے نقاب ہوں گے جواب یہ ہے ''کہ کبھی نہیں''

محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی تازہ انقلابی نظم میں مرتضیٰ کے قتل کے بارے میں لکھا۔

اور گولیاں چلیں
میرے دراز قد خوبصورت بھائی کو چھلنی کیا
اس کا قیمتی خون اس فٹ پاتھ پر بہا
جس پر کبھی ہم چلا کرتے تھے۔
فرشتے آئے
اور اسے دور لے گئے
میرے باپ اور بھائی کے پاس
وہ شہیدوں سے جا ملا
ہم نے جولائی میں ملاقات کی
اس کا گرم جوشی سے ملنا اب تک یاد ہے
روشنیوں کے منور وزیر اعظم ہال میں
وقت رخصت اس کا خصوصی خدا حافظ کہنا
اس کی آواز یاد آتی ہے
جب ہم نے فون پر بات کی
جیسے خاندان کے فرد کرتے ہیں
پھر ایک منحوس فون آیا
مجھے گولیوں کا بتایا گیا

جن سے مرتضٰی زخمی ہوا
میں نے جہاز پکڑا
ہاتھ میں قرآن لیا
ہسپتال پہنچی
اے رب ذوالجلال بھائی کو جدا نہ کرنا
جس سے میں محبت کرتی ہوں
مگر تاخیر ہو چکی تھی
وہ موت کی آغوش میں جا چکا تھا
میں نے ایک اور بھائی کو دفن کیا
قاتلوں نے حکومت کو دفن کر دیا۔

http://www.apnaorg.com

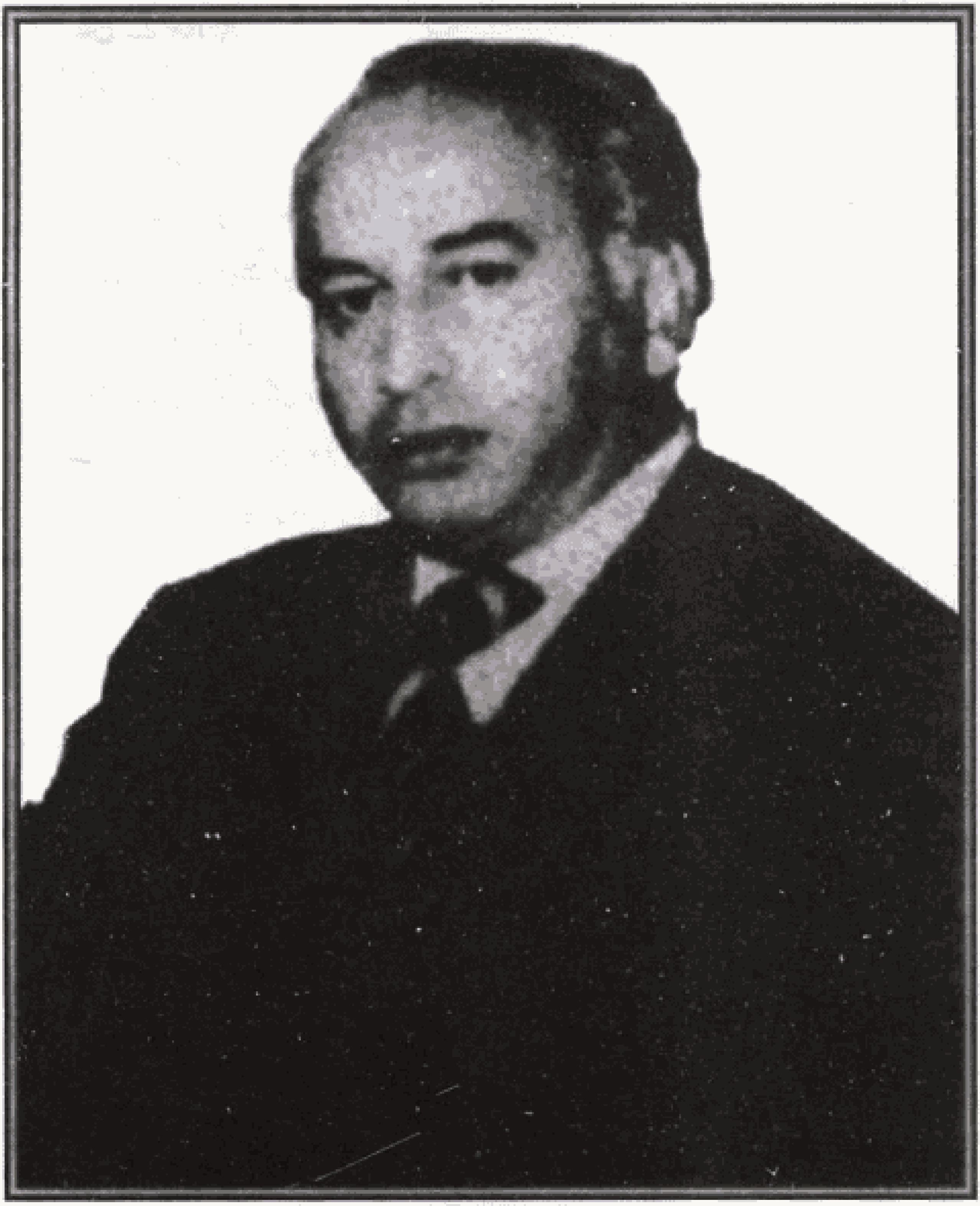

تم نے ذروں کو تاروں کی تنویر دی
تم سے گو اپنی آنکھیں بھی چھینی گئیں
تم نے دکھتے دلوں کی مسیحائی کی
اور زمانے سے تم کو صلیبیں ملیں

http://www.apnaorg.com

جو دیکھا جو سنا

حبیب الرحمٰن سابق آئی جی پولیس پنجاب بیان کرتے ہیں: حنیف رامے پنجاب کے وزیر اعلیٰ اور مصطفیٰ کھر گورنر تھے دونوں ایک دوسرے کے خلاف تھے۔ تہمینہ کے مصطفیٰ کھر سے دوستانہ تعلقات تھے ایک دن تہمینہ نے گورنر ہاؤس فون کر کے کھر سے کہا کہ میں گھر پر اکیلی ہوں تم آ جاؤ۔ کھر اکیلے گورنر ہاؤس سے نکلے تو انٹیلی جنس کے آدمی ان کے پیچھے لگ گئے۔ کھر مال روڈ پر پہنچے تو طلبہ کا ایک جلوس جا رہا تھا۔ طلبہ نے کھر کو پہچان لیا اور کندھوں پر اٹھا کر ''شیر پنجاب مصطفیٰ کھر'' کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ میں نے ساری رپورٹ بھٹو صاحب کو دے دی۔ انہوں نے کہا حنیف رامے کو بتا دو۔ میں جب حنیف رامے کے دفتر پہنچا تو وہ بھٹو صاحب سے گلے شکوے کر رہے تھے کہ ''آپ کھر کو اچھا سمجھتے ہیں اور میری بات نہیں سنتے۔ کھر آج مال روڈ پر طلبہ کے جلوس کی قیادت کر رہا تھا۔ میں آپ کو اس کی تصویریں بھجواؤں گا''۔ بھٹو صاحب نے کہا کہ آئی جی پنجاب تمہیں اصل بات بتائے گا۔ میں نے رامے کو سارا واقعہ سنایا اور بتایا کہ کھر تہمینہ کے گھر جا رہے تھے اور اتفاقیہ طلبہ کے جلوس میں قابو آ گئے اصل حقیقت جاننے کے بعد رامے مطمئن ہو گئے۔

ایک دن مجھے ضیاء الحق کا ٹیلی فون آیا انہوں نے مجھے ممتاز قانون دان اے کے بروہی سے ملاقات کرنے کی ہدایت کی جب میں اے کے بروہی سے ملاقات کے لیے گیا تو انہوں نے فرمایا۔

"Do you know Zia-ul-Haque is the answer to my prayers it is not martial law. It is devine intervention. And he has been directed to fullfil a Mission"

''جنرل ضیاء الحق میری نمازوں اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ یہ مارشل لاء نہیں ہے بلکہ خدائی مداخلت ہے۔ وہ ایک مشن کی تکمیل کے لیے آئے ہیں''۔

1977ء میں پی این اے کی ایجی ٹیشن کے دوران بھٹو نے ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا جس میں جنرل ضیاء الحق اور جنرل چشتی شریک ہوئے۔ بھٹو نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔

"Gentalmen I have decided to resign. Brother Zia-ul-Haque will take over"

''میں نے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ برادر ضیاء الحق اقتدار سنبھال لیں گے''

http://www.apnaorg.com

جنرل ضیاء الحق نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ فوج آپ کے ساتھ ہے آپ فخر ایشیا ہیں آپ اسلامی سربراہی کانفرنس کے چیئرمین ہیں آپ استعفیٰ نہ دیں۔ جنرل چشتی نے مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر کہا میں اپنی وفاداری کا یقین دلاتا ہوں مگر میں جوانوں کی وفاداری کا یقین نہیں دلا سکتا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ انتخابات میں دھاندلی ہوئی ہے۔

مصطفیٰ کھر عورتوں کے معاملے میں ہمیشہ بدنام رہے۔ ایک دن انہوں نے کہا کہ کریڈیبلیٹی بڑی چیز ہے میں چونکہ بدنام ہوں اس لیے کوئی خاتون مجھ سے چند منٹ ملاقات کر لے تو میرے خلاف سکینڈل بن جاتا ہے جبکہ کوئی خاتون ملک معراج خالد کے ساتھ دو گھنٹے بھی کمرے میں موجود رہے تو لوگ کہتے ہیں ملک صاحب ''پارٹی لائن'' دے رہے تھے ملک معراج خالد مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ مالی اور اخلاقی سکینڈل سے محفوظ رکھا۔ (ق ن)

بھٹو دور میں ملک غلام نبی پنجاب کے وزیر تعلیم تھے۔ وہ نجی گفتگو کے دوران پنجابی گالیوں کا استعمال بے دریغ کرتے۔ اراکین اسمبلی نے بھٹو سے شکایت کی کہ آپ نے ایسے شخص کو وزیر تعلیم بنایا ہے جو گالیاں نکالتا ہے۔ بھٹو نے ملک غلام نبی کو بلایا اور کہا اراکین اسمبلی کو شکایت ہے کہ تم گالیاں نکالتے ہو۔ ملک غلام نبی نے اراکین اسمبلی کو پنجابی میں گالی دیتے ہوئے کہا سر یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ (ق ن)

ملک معراج خالد جب پنجاب کے وزیر اعلیٰ نامزد ہوئے تو لاہور کے پارٹی کارکنوں نے ان کے اعزاز میں شالامار باغ میں استقبالیہ دیا۔ افتخار تاری کے کارکنوں نے استقبالیہ میں شور و غل کیا اور دیگیں اٹھا کر لے گئے راقم بھی استقبالیے میں موجود تھا مجھے جوش آیا اور میں نے میز پر مکہ مارتے ہوئے کہا ''ملک صاحب بہتر ہے ہم سب چوڑیاں پہن لیں'' ملک صاحب نے معمولی ردعمل کا اظہار بھی نہ کیا شاید یہی ان کی کامیابی کا راز تھا کہ وہ کبھی غصے میں نہیں آتے تھے۔ (ق ن)

بابائے سوشلزم شیخ محمد رشید وفاقی وزیر تھے پاکستان نیشنل سینٹر لاہور میں ایک سیمینار ان کی صدارت میں ہوا جس میں اپوا کالج کی پرنسپل باجی شکیلہ نے انقلابی تقریر کی۔ شیخ رشید باجی شکیلہ کی تقریر سے بڑے متاثر ہوئے اور ان کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔ انہوں نے شکیلہ سے خفیہ نکاح کر لیا۔ نکاح نامے پر سابق صوبائی وزیر ملک عبدالقیوم اور راقم نے بطور گواہ دستخط کیے۔ بھٹو اپنے وزیروں کی پل پل کی خبر رکھتے تھے ان کو شیخ رشید کے عشق کی خبر مل گئی انہوں نے شیخ رشید کو تنگ کرنے کے لیے وزیر اعلیٰ پنجاب صادق قریشی کو کہہ کر شکیلہ کا لاہور سے باہر تبادلہ کرا دیا۔ شیخ رشید نے تبادلہ منسوخ کرانے کی بڑی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار شیخ رشید نے وزیر اعظم بھٹو سے ان کے دفتر میں

ملاقات کی اور شکیلہ کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ شکیلہ پی پی پی کی حامی اور نظریاتی خاتون ہے۔ وزیراعلیٰ پنجاب سے کہیں اس کا تبادلہ منسوخ کرے۔ بھٹو نے صادق قریشی کو فون کیا اور کہا ''صادق، شیخ رشید میرے پاس بیٹھے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ شکیلہ پی پی پی کی حامی ہے اور نظریاتی ہے اس کی ٹرانسفر کیوں منسوخ نہیں کرتے'' صادق قریشی نے بھٹو کو یاد دلایا کہ ٹرانسفر ان کے احکامات سے ہی کی گئی تھی۔ بھٹو شیخ رشید کو چھیڑنے کے موڈ میں تھے کہنے لگے ''صادق کیا کہا شکیلہ کی شہرت خراب ہے'' شیخ رشید بھٹو کے منہ سے بے بنیاد باتیں سن کر سخت پریشان ہوئے اور کہا ''بھٹو صاحب صادق قریشی الزام تراشی کر رہا ہے شکیلہ میری بیوی اور آپ کی بھابی ہے'' بھٹو نے کہا ''شیخ صاحب آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا'' اس طرح بھٹو نے شیخ رشید کو تنگ کرنے کے بعد شکیلہ کا تبادلہ منسوخ کرا دیا، شیخ رشید پاکباز عشق کے قائل تھے ان کا کردار زندگی بھر بے داغ رہا۔ باجی شکیلہ نے بھی آخر دم تک وفاداری نبھائی اور نیک نام زندگی گزاری۔ (ق ن)

بھٹو پارٹی سے رابطہ رکھتے تھے اور وزیراعظم سیکریٹریٹ میں پارٹی کے اجلاس بلاتے تھے۔ انہوں نے اپنے سیکریٹریٹ میں لاہور ڈویژن سے تعلق رکھنے والے پارٹی عہدیداروں کا اجلاس بلایا اس میں مجھے بھی بطور سیکریٹری اطلاعات پی پی پی پنجاب شرکت کا موقع ملا۔ اس اجلاس میں شیخ رشید، ڈاکٹر مبشر حسن اور معراج خالد بھی موجود تھے۔ بھٹو ہر عہدیدار کو اظہار خیال کا موقع دیتے اور ضروری نکات اپنی ڈائری پر نوٹ کرتے رہتے میری باری آئی تو میں نے کہا کہ میں بھارت گیا تھا وہاں پر میں نے دیکھا کہ الیکٹرانک میڈیا عوام کو صنعت زراعت معیشت تجارت اور ترقیاتی منصوبوں کے بارے میں حکومت کی کارکردگی سے آگاہ کرتا ہے اس طرح عوام کا حکومت پر اعتماد بڑھتا ہے۔ مگر پاکستان کے ٹیلی ویژن پر وزیروں مشیروں اور ان کی بیگمات کے بیانات نشر کیے جاتے ہیں جبکہ آپ اٹھارہ گھنٹے کام کرتے ہیں خبرنامے میں وزیروں کے بیانات کی بجائے حکومتی کارکردگی کے بارے میں خبریں نشر ہونی چاہئیں۔ بھٹو نے پوچھا انڈیا کب گئے تھے۔ میں نے بتایا کہ میں حضرت نظام الدین اولیاء کے عرس میں شرکت کے لیے گیا تھا۔ بھٹو بھارت کے بارے میں بہت حساس تھے اور جاننا چاہتے تھے کہ ان کی پارٹی کا صوبائی سیکریٹری اطلاعات بھارت کس مقصد کے لیے گیا۔ بھٹو نے میری تجویز کو ڈائری پر نوٹ کیا اور اگلے روز پی ٹی وی کے خبرنامہ پر وزیروں کے بیانات پر پابندی لگوا دی۔ (ق ن)

بھٹو جب اپنے کسی وزیر سے ناراض ہو جاتے تو مولانا کوثر نیازی کو اس کی کردار کشی پر لگا دیتے۔ مولانا کوثر نیازی نے گوجر خان میں ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ایک وزیر کا ہاضمہ اتنا تیز ہے کہ ریلوے کا انجن بھی بڑی آسانی سے ہضم کر جاتے ہیں۔ خورشید حسن میر اس وقت وفاقی وزیر ریلوے اور پی پی پی کے ڈپٹی سیکریٹری جنرل تھے وہ ایک نظریاتی راہنما تھے وہ اپنی پارٹی کے وفاقی وزیر کی زبان سے بے بنیاد الزام تراشی کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے وفاقی وزارت اور

پارٹی عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور بھٹو سے مطالبہ کیا کہ اس الزام کی تحقیق کرائی جائے اور مولانا کوثر نیازی کے خلاف ایکشن لیا جائے۔ میں نے خورشید حسن میر سے گزارش کی کہ وہ سازش کا شکار نہ ہوں اور پارٹی کے عہدے سے استعفیٰ نہ دیں اس طرح پارٹی کے نظریاتی راہنما اور کارکن کمزور ہوں گے اور پارٹی کو نقصان ہوگا۔ خورشید میر جذباتی شخصیت تھے اور بے داغ کردار کے حامل تھے لہٰذا انہوں نے اپنے رفقاء کا مشورہ تسلیم نہ کیا اور اس طرح پارٹی کے نظریاتی اور بانی راہنما ایک ایک کر کے پارٹی سے علیحدہ ہوتے گئے اور آخر کار خوشامدیوں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے پارٹی پر قبضہ کر لیا۔(ق ن)

لاہور کے ضمنی انتخاب میں مصطفیٰ کھر کو پارٹی کا ٹکٹ نہ ملا تو وہ پی پی کے اُمیدوار شیر محمد بھٹی کے مقابلہ میں کھڑے ہوگئے بھٹو کے لیے یہ انتخاب ایک بڑا چیلنج تھا۔ ان کے نادان دوستوں نے مشورہ دیا کہ شیر محمد بھٹی کو قتل کرا دیا جائے اور مصطفیٰ کھر کے خلاف مقدمہ قتل درج کرا دیا جائے بھٹو نے یہ تجویز مسترد کر دی شیر محمد بھٹی کو اس منصوبے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے ساتھ مسلح سکیورٹی گارڈ رکھ لیا۔(ق ن)

حنیف رامے پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے۔ بھٹو کے ان سے اختلافات پیدا ہوگئے۔ مولانا کوثر نیازی نے فلیٹیز ہوٹل لاہور میں ایک سیمینار میں خطاب کرنے کا پروگرام بنایا۔ رامے کو اطلاع مل گئی کہ مولانا ان کے خلاف تقریر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ رامے نے اپنے قریبی کارکنوں کی ایک میٹنگ بلائی اور مولانا کی تقریر کے متعلق کارکنوں کو اعتماد میں لیا اور کہا کہ جب مولانا ان کے خلاف بولنے لگیں تو کارکن ''حنیف رامے زندہ باد'' کے نعرے لگانے شروع کر دیں۔''میں نے مشورہ دیا کہ رامے کے نعرے لگانے کے بجائے ''سوشلزم آوے ای آوے'' کے نعرے لگائے جائیں۔ کارکنوں نے میرے مشورے سے اتفاق کیا۔ مولانا کوثر نیازی نے جب تقریر شروع کی تو ہال کے چاروں جانب سے ''سوشلزم آوے ای آوے'' کے نعرے لگنے لگے۔ افتخار احمد (روزنامہ جنگ کے معروف صحافی) نے جذبات میں آ کر ایک چمچہ کوثر نیازی کی جانب پھینک دیا۔ مولانا کوثر نیازی کو تقریر کیے بغیر ہال سے رخصت ہونا پڑا۔ یہ شاید ان کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ کارکنوں نے ان کی تقریر سننے سے انکار کر دیا۔(ق ن)

مولانا کوثر نیازی شعلہ بیان خطیب تھے۔ فیصل آباد میں ایک جلسہ عام سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے جوش خطابت میں کہا بھٹو سورج ہیں عوام اس کی روشنی ہیں بھٹو چاند ہیں عوام اس کی کرنیں ہیں بھٹو پھول ہیں عوام اس کی خوشبو ہیں۔ پنڈال سے ایک نظریاتی جیالا اٹھا اس نے کہا بھٹو دیگ ہیں ہم اس کے چمچے ہیں مولانا نے کہا ارے ظالم تم نے میری زبان سے میری بات چھین لی ہاں میں یہی کہنے والا تھا کہ بھٹو دیگ ہیں اور ہم اس کے چمچے ہیں۔(ق ن)

1972 میں پی پی پی کا ایک تاریخی ورکرز کنونشن راولپنڈی میں ہوا جس کی صدارت ذوالفقار علی

http://www.apnaorg.com

بھٹو نے کی۔ اس کنونشن میں پاکستان اور آزاد کشمیر کے سرگرم کارکنوں نے شرکت کی۔ کنونشن میں جے اے رحیم نے جنرل سیکریٹری کے عہدے سے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ بھٹو نے ان کا استعفیٰ پھاڑ دیا اور کہا ''رحیم میں قبر تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا'' اسی کنونشن میں شیخ رشید نے سخت تقریر کر دی بھٹو نے اپنے خطاب میں کہا کہ جو لوگ بی ڈی ممبر نہیں بن سکتے تھے آج بڑی تقریریں کرتے ہیں۔ شیخ رشید نے ان ریمارکس کو برا محسوس کیا اور کنونشن کے دوسرے سیشن کا بائیکاٹ کر دیا۔ بھٹو نے حفیظ پیرزادہ اور مصطفیٰ کھر کو شیخ رشید کے گھر بھیجا تاکہ ان کی ناراضگی ختم ہو۔ بھٹو اپنے رفقاء کو اگر ناراض کرتے تو پھر انہیں منا بھی لیتے تھے۔(ق ن)

شیخ محمد رشید فیڈرل لینڈ کمیشن کے چیئرمین تھے۔ وہ جاگیرداروں کے کٹر مخالف اور کسانوں کے زبردست حامی تھے۔ سردار فاروق لغاری کی زمینوں کا کیس شیخ محمد رشید کی عدالت میں زیر سماعت تھا۔ فاروق لغاری شادمان لاہور میں شیخ رشید کے گھر ملاقات کے لیے آئے اتفاق سے میں بھی اس وقت موجود تھا۔ شیخ رشید باتھ روم میں تھے جب ان کو فاروق لغاری کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے باتھ روم میں جان بوجھ کر غیر معمولی دیر لگا دی۔ فاروق لغاری نے ایک گھنٹہ انتظار کیا اور ملاقات کئے بغیر واپس چلے گئے۔(ق ن)

شیخ محمد رشید نے زرعی اصلاحات کے سلسلے میں ایک فائل وزیراعظم بھٹو کو ریفر کی۔ بھٹو نے فائل پر لکھا۔

"Land reforms yes. Pajama Nichalo No."

شیخ رشید ایک ہفتہ اس تحریر کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہے انگریزی کی کئی ڈکشنریاں بھی دیکھیں مگر ان کو آخری دو الفاظ نہ ملے۔ بھٹو نے یہ الفاظ اُردو کے استعمال کئے تھے جس کا مطلب یہ تھا۔

''زرعی ریفارمز یس پاجامہ نکالو نو''

بھٹو کی اُردو کمزور تھی۔ اگر وہ ''پاجامہ اتارو'' کے الفاظ استعمال کرتے تو انگریزی کا جملہ آسانی سے سمجھ آجاتا۔(ق ن)

بھٹو کھلی کچہریاں بڑے شوق سے لگاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ نہ صرف عوام کے مسائل سے براہ راست آگاہ ہو سکتے ہیں بلکہ انہیں حل بھی کر سکتے ہیں۔ ایک روز بھٹو نے کھلی کچہری میں مختلف افراد کے مسائل سنے خورشید حسن میر بھی اس کھلی کچہری میں موجود تھے۔ کھلی کچہری میں چند ایسے افراد بھی آئے جنہوں نے بھٹو کو صرف سلام کیا اور چلے گئے جب کھلی کچہری ختم ہوئی تو بھٹو نے خورشید حسن میر سے پوچھا کہ کون لوگ زیادہ وفادار تھے انہوں نے جواب دیا کہ جو لوگ بغیر کسی غرض اور لالچ کے آئے وہ آپ کے ہمدرد اور وفادار تھے۔ بھٹو نے کہا کہ جن لوگوں کے میں نے کام کئے وہ ہمیشہ وفادار رہیں گے بھٹو کا سیاسی فلسفہ یہ تھا کہ مادی رشتے نظریاتی رشتوں سے زیادہ مضبوط اور پائیدار

ہوتے ہیں۔ جب وہ موت کی کوٹھڑی میں تھے تو ان کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ مفاد اٹھانے والے موقع پرست ہوتے ہیں۔ جو لوگ بھٹو کے لیے خون بہانے کی قسمیں کھایا کرتے تھے جب موقع آیا تو انہوں نے پسینہ بہانے سے انکار کر دیا۔ بھٹو کے لیے نظریاتی اور انقلابی کارکنوں نے قربانیاں دیں۔ فائدے اٹھانے والے وزیر سینیٹر اور مشیر مصلحتوں کا شکار ہو گئے۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

1976ء میں گورنر ہاؤس لاہور میں پارٹی کا ورکرز کنونشن ہوا جو بارہ گھنٹے تک جاری رہا بھٹو اس کنونشن کی مسلسل صدارت کرتے رہے وہ کارکنوں کی تقریریں سنتے اور ساتھ ساتھ فائلیں بھی پڑھتے جاتے۔ سیالکوٹ کے ایک کارکن جو ''مولوی ایٹم بم'' کے نام سے مشہور تھے اپنی تقریر کے دوران کہنے لگے۔ ''جناب قائد میرے مخالفین اس لیے میرے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ میں شراب پیتا ہوں۔ جناب والا میں کوئی جرم نہیں کرتا میں تو اپنے قائد کی سنت پر عمل کرتا ہوں'' اس بات پر پنڈال قہقہوں سے گونج اٹھا اور بھٹو بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روک سکے۔ میں اس وقت پی پی پی پنجاب کا سیکریٹری اطلاعات تھا۔ میری تقریر کی باری آئی تو میں نے کہا۔ ''جناب والا مجھے آپ سے کچھ گلے کرنے ہیں اور گلہ وشکوہ اس سے ہوتا ہے جس سے محبت ہوتی ہے'' میرے یہ الفاظ سن کر بھٹو نے فائلیں دیکھنی بند کر دیں میری تقریر مختلف نوعیت کی تھی لہٰذا وہ پوری طرح متوجہ ہو گئے۔ میں نے عرض کیا کہ ''جناب مجھے اندیشہ اور خدشہ ہے کہ آنے والا مؤرخ یہ نہ لکھے کہ ایک مرد قلندر تھا غریبوں کا حامی تھا اس نے غریبوں کے دکھ دور کرنے کے لیے اور ظلم کی رات کو ختم کرنے کے لیے انقلابی اصلاحات نافذ کیں۔ مگر اصلاحات پر عملدرآمد کی ذمے داری اس طبقے کے سپرد کر دی جس کے خلاف اصلاحات نافذ کیں نتیجہ یہ ہوا کہ ان اصلاحات پر عمل نہ ہوا اور عوام کے دکھ دور نہ ہوئے اور ظلم کی رات ختم نہ ہو سکی۔'' میری بات سن کر بھٹو نے زور سے کہا ''ایسا کبھی نہیں ہوگا''۔

میں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا...... ''جناب والا آپ ایک قومی پارٹی کے چیئرمین تھے بعد میں آپ وزیراعظم بنے لہٰذا چیئرمین کو وزیراعظم پر حاوی رہنا چاہیے مگر بڑے دکھ کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ جب سے آپ وزیراعظم بنے ہیں آپ ایک بار بھی پارٹی آفس نہیں آئے۔ پارٹی کیسے مضبوط اور فعال ہوگی۔ اس موقع پر ملک معراج خالد نے کہا کہ چیئرمین پارٹی آفس آئے تھے۔ بھٹو نے مداخلت کرتے ہوئے کہا ''مسٹر نظامی ٹھیک کہہ رہا ہے''۔

میں نے تقریر میں ایک اور اہم بات یہ کہی۔ ''جناب والا آپ نے وزیراعظم کی حیثیت سے تین سو سے زیادہ افسروں کو سروس سے نکالا مگر پارٹی چیئرمین کی حیثیت سے پارٹی کے کسی ایک عہدیدار کے خلاف بھی کارروائی نہیں کی کیا ہم سب فرشتے ہیں پارٹی میں احتساب کا عمل جاری ہونا چاہیے'' بھٹو نے

دو ہفتے کے اندر پی پی پنجاب صوبائی سیکریٹریٹ ایجرٹن روڈ کا دورہ کیا۔ میری حقیقت گوئی اور تلخ نوائی کے بعد سیاسی مخالفین نے میرے نام کے آگے سرخ نشان لگوا دیا اور مجھے انتہا پسندوں اور باغیوں کی فہرست میں شامل کر لیا گیا۔

ہم دعا لکھتے رہے وہ دغا پڑھتے رہے
ایک ہی نکتے نے محرم سے مجرم کردیا

مارشل لاء کے نفاذ کے بعد بھٹو نے پی پی پی کی سینٹرل ایگزیکٹو کا اجلاس طلب کیا۔ ڈاکٹر غلام حسین پارٹی کے سیکریٹری جنرل تھے۔ انہوں نے بھٹو سے سوال کیا کہ اگر آپ گرفتار ہو گئے تو پارٹی کا قائم مقام چیئرمین کون ہوگا۔ بھٹو نے جواب دیا کہ وائس چیئرمین شیخ رشید پارٹی کے قائم مقام چیئرمین ہوں گے۔ غلام حسین نے دوبارہ سوال کیا کہ اگر شیخ رشید بھی گرفتار ہو گئے تو ان کے بعد قائم مقام چیئرمین کون ہوگا۔ بھٹو نے کہا ''ڈاکٹر تمہیں علم نہیں کہ تحریکوں میں کیا ہوتا ہے۔ شیخ رشید جس کو نامزد کریں گے وہی قائم مقام چیئرمین ہوگا'' غلام حسین کی قائم مقام چیئرمین بننے کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔

مارشل لاء کے خلاف تحریک کے دوران ڈاکٹر غلام حسین نے بہت قربانیاں دیں۔ جب ان کو دوبارہ گرفتاری دینے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔

''میں غلام حسین ہوں امام حسین نہیں ہوں''

جب بھٹو کے خلاف قتل کا مقدمہ دائر ہوگیا تو پارٹی کے اندر چند مرکزی راہنماؤں نے مارشل لاء انتظامیہ کی آشیر باد کے ساتھ پارٹی پر قبضہ کرنے کی سازش کی۔ اس سازش میں غلام مصطفیٰ جتوئی، مولانا کوثر نیازی اور عبدالحفیظ پیرزادہ شامل تھے۔ سازش کا مقصد یہ تھا کہ غلام مصطفیٰ جتوئی کو پی پی پی کا قائم مقام چیئرمین بنوایا جائے تا کہ پی پی پی بھٹو خاندان کو سیاست سے باہر کر سکے۔ شیخ رشید کو بروقت اس سازش کا علم ہوگیا۔ انہوں نے قائم مقام چیئرمین کی حیثیت سے فوری طور پر سینٹرل کمیٹی کا اجلاس طلب کیا اور اجلاس کے آغاز میں کہا ''بھٹو صاحب کی مہربانی ہے کہ انہوں نے مجھے قائم مقام چیئرمین نامزد کیا لیکن میں دیانت داری کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میرے لیے پارٹی کو متحد رکھنا بہت مشکل ہے لہٰذا میں بیگم نصرت بھٹو کو قائم مقام چیئرمین نامزد کرنے کی قرارداد پیش کرتا ہوں۔'' ان حالات میں کوئی شخص بیگم صاحبہ کی مخالفت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ سینٹرل کمیٹی نے قرارداد منظور کر لی۔ اس طرح پارٹی پر قبضے کی سازش ناکام ہوئی بھٹو نے سینٹرل کمیٹی کے فیصلے کی منظوری دے دی اور شیخ رشید کو پی پی پی کا سینئر وائس چیئرمین نامزد کر دیا۔

جنرل گل حسن نے بیان کیا: ایک روز میں نے وزیر اعظم سیکریٹریٹ میں بھٹو سے ملاقات کی۔ میرے بعد آرمی چیف جنرل ضیاء الحق نے بھٹو سے ملاقات کرنا تھی۔ میری ملاقات کا وقت ختم ہوگیا اور میں نے

http://www.apnaorg.com

اپنی پوری بات کر لی مگر بھٹو ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے جس کا مقصد جنرل ضیاء الحق کو انتظار کرانا تھا۔ میں نے سوچا کہ فوج کے کمانڈر ان چیف نے اپنے آپ کو کس حد تک گرا لیا ہے۔

سکندر مرزا کے صاحبزادے ہمایوں مرزا راوی ہیں: ''میں نے معاہدہ تاشقند کے بعد بھٹو سے ملاقات کی اور انہیں مستعفی ہونے کے لیے رضامند کیا۔ چند روز میں استعفیٰ متوقع تھا زیادہ روز گزر گئے تو میں نے سوچا بھٹو نے ارادہ بدل لیا ہے اس نے میرے فون کا جواب بھی نہ دیا جو ایک غیر معمولی رویہ تھا۔ میری تشویش اور بڑھی۔ مجھے اچانک اس کا فون آیا۔ اس نے 70 کلفٹن پر ملاقات کے لیے کہا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ گھر پر نظر بند تھا اور اس نے ایوب خان کو استعفیٰ پیش کر دیا تھا مگر جنرل ایوب خود اس کے گھر پر آیا اور کہا کہ اس کی وزارت سے کوئی وزیر استعفیٰ نہیں دے سکتا وزیر یا تو کام کرتا ہے یا برطرف کر دیا جاتا ہے۔ ایوب نے بھٹو کو کالا باغ کے حوالے کرنے کی دھمکی دی۔ بھٹو نے کہا کہ نواب کالا باغ ایوب خان کے سیاسی مخالفین کو اغوا کرادیتا ہے پھر ان کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ میرے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ زندہ رہوں اور سروس جاری رکھوں یا پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤں''

سابق ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے ایم اے کے چوہدری نے راقم کو بتایا: ''بھٹو صاحب کرپشن کے معاملے میں بہت سنجیدہ تھے۔ ان کو وفاقی وزارت اطلاعات میں کرپشن کی رپورٹ ملی تو انہوں نے مجھے انکوائری کے لیے کہا۔ مولانا کوثر نیازی رات بارہ بجے میرے گھر آ گئے اور بتایا کہ ان کے گھر میں تین عورتیں بیٹھی ہیں جو کہتی ہیں کہ ایف آئی اے والے ان عورتوں سے میری وزارت کے متعلق بیان لینا چاہتے ہیں۔ میں نے مولانا کو بتایا انکوائری ان کے خلاف نہیں بلکہ زاہد ملک جائنٹ سیکریٹری وزارت اطلاعات کے خلاف ہو رہی ہے۔ مولانا غصے میں آ گئے اور کہنے لگے کہ وزارت سے استعفیٰ دے دوں گا اور اسمبلی میں سوال اٹھاؤں گا۔ چند روز بعد بھٹو صاحب کا فون آیا انہوں نے کہا کہ مولانا ان کے پاس آئے تھے اور کہا ''میں آپ کا وفادار ہوں آپ جو کہیں مان لیتا ہوں آپ انکوائری روک دیں'' بھٹو نے مجھے کہا مولانا کو مل لینا۔ مولانا کا ٹیلی فون آ گیا انہوں نے کہا کہ ''وزیراعظم نے مجھے معاف کر دیا ہے آپ انکوائری روک دیں''

''مجھے ڈی جی ایف آئی اے کا چارج سنبھالے ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ وزیراعظم سیکریٹریٹ کی جانب سے ایئر مارشل اصغر خان اور خورشید حسن میر کے بارے میں ایک فائل موصول ہوئی جس میں مختلف نوعیت کے الزامات لگائے گئے تھے میں نے انکوائری کر کے رپورٹ بھیجی کہ دونوں کے بارے میں الزامات جھوٹے ہیں۔ سعید احمد خان نے رپورٹ روک لی اور مجھے کہا کہ نئی رپورٹ لکھ کر بھیجو ورنہ بستر باندھ لو۔ میں نے جواب دیا کہ میں نے ابھی بستر کھولا ہی نہیں۔ بھٹو صاحب نے مجھے اپنے دفتر بلایا اور کہا ''تم اپنا کام دیانت داری سے کر رہے ہو میں خوش ہوں۔ میری پوری سپورٹ تمہیں حاصل ہو گی۔''

http://www.apnaorg.com

''بھٹو صاحب کو رپورٹ ملی کہ ولی محمد جاموٹ رکن صوبائی اسمبلی سمگلنگ کرتا ہے اور حفیظ پیرزادہ اس کی سرپرستی کرتا ہے۔ بھٹو صاحب نے مجھے کہا کہ لانچ پکڑو میں نے جواب دیا کہ میرے پاس لانچ پکڑنے کا کوئی اختیار نہیں بھٹو صاحب نے جنرل ضیاء الحق سے کہا کہ ایم اے کے چوہدری کو جی ایچ کیو بلا لیں وہ ایک کیس کے بارے میں بریف کرے گا۔ میں نے جنرل ضیاء الحق کو پوری رپورٹ دے دی۔ ایک دن ایم آئی کے ڈائریکٹر کا فون آیا کہ فوراً آئیں میں اس کے دفتر میں گیا تو وہاں ستلج رینجرز کا کمانڈر بیٹھا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ولی محمد جاموٹ کو پکڑ لیا ہے کسی کیس میں گرفتار کر لیں میں نے کہا کہ جاموٹ رکن اسمبلی ہے سپیکر کی اجازت کے بغیر اسے گرفتار نہیں کر سکتا۔ میں گھر واپس آیا اور اپنی بیگم سے کہا سامان باندھ لو بھٹو صاحب کا فون آیا کہ فوری ملاقات کرو۔ میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں جنرل جیلانی ڈی جی آئی ایس آئی، سعید احمد خان اور افضل سعید بیٹھے تھے۔ بھٹو صاحب نے کہا کہ ایف آئی اے نے پریشان کر دیا ہے۔ صوبائی اسمبلی کے رکن کو پکڑ لیتے ہیں۔ حفیظ پیرزادہ نے ایئرپورٹ سے فون کیا ہے کہ جاموٹ کو ایف آئی اے نے گرفتار کر لیا ہے۔ میں نے بھٹو صاحب کو جی ایچ کیو کی سٹوری بتائی کہ گرفتار انہوں نے خود کیا ہے اور ذمے داری ایف آئی اے پر ڈال رہے ہیں۔ بھٹو صاحب نے کہا کہ سب مل کر جنرل ضیاء الحق کے پاس جائیں اور انہیں بتائیں کہ وزیراعظم ناراض ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ جاموٹ کو گرفتار کر ہی لیا ہے تو اس سے تفتیش کر لیں۔ ولی محمد جاموٹ نے بتایا کہ اس نے کراچی میں "Pleasure Home" ''نجی عشرت کدہ بنا رکھا ہے جہاں پر وزیر عیش و عشرت کرتے ہیں۔ وہاں پر فلم سٹار بابرہ شریف آتی ہے حفیظ پیرزادہ کا میرے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہے البتہ ہم ان کی ''خدمت تواضع'' کرتے ہیں۔''

''ایک دفعہ میں بھٹو صاحب کے ساتھ چین اور نارتھ کوریا کے دورے پر جا رہا تھا۔ جہاز میں انہوں نے مجھے ایک خط دیا جس میں لکھا تھا کہ سعدیہ پیرزادہ خاتون اول بننے کے خواب دیکھ رہی ہے وہ کہتی ہے کہ بیگم نصرت بھٹو کیا ہے میں اس سے زیادہ خوبصورت ہوں۔ میں نے خط پڑھ لیا تو بھٹو صاحب نے پوچھا کیا خیال ہے پیرزادہ کو کابینہ سے فارغ کر دوں میں نے کہا ایسا نہ کریں یہ الیکشن کا سال ہے پارٹی پر منفی اثر پڑے گا''

''ایک دن رات کو ایک بجے بھٹو صاحب کا فون آیا اور پوچھا کیا کر رہے ہو'' میں نے جواب دیا ''آپ کے فون کا انتظار کر رہا تھا'' بھٹو صاحب میرا جواب سن کر ہنس پڑے۔'' انہوں نے پوچھا کل کیا کر رہے ہو میں نے جواب دیا کہ کراچی جا رہا ہوں۔ بھٹو صاحب نے کہا میں بھی تمہیں کراچی بھیجنا چاہتا تھا'' ان دنوں کراچی میں احتجاجی جلوس نکل رہے تھے۔

''مارشل لاء کے بعد مجھے جنرل ضیاء الحق کے الیکشن سیل میں بلایا گیا اور مجھے کہا گیا کہ بھٹو صاحب کے خلاف کوئی مقدمہ بناؤ۔ میں نے کہا کہ بھٹو صاحب نے کبھی مجھے کوئی غلط کام نہیں کہا۔

http://www.apnaorg.com

مارشل لاء انتظامیہ مجھ سے ناراض ہوگئی اور میں نے ریٹائرمنٹ لے لی''۔

سردار شیر باز مزاری راوی ہیں:''1979ء میں گورنر جنرل پنجاب سوار خاں نے مجھے لنچ پر بلایا۔ میرے چند کلاس فیلوز بشمول جنرل احمد جمال اس موقع پر موجود تھے۔ گورنر نے مجھے بتایا کہ جنرل ضیاء الحق کی ہدایت ہے کہ مجھے شوگر ملز لگانے کے لئے منظوری اور مراعات مہیا کی جائیں۔ میں اس پیشکش پر حیران ہوا اور فوراً انکار کر دیا اور کہا کہ میرے لیے اپنی زمینوں کا نظم ونسق چلانا مشکل ہے مجھے شوگر مل چلانے کا نہ تو تجربہ ہے اور نہ ہی میرے پاس سرمایہ ہے۔ گورنر نے جواب دیا کہ حکومت مل چلانے کے لیے چنیوٹی تاجر اور قرضے کا انتظام کر دے گی۔ میں نے جب مزید زور سے انکار کیا تو گورنر نے مجھے بتایا کہ بلخ شیر مزاری، نصر اللہ دریشک اور بیگم عفیفہ ممدوٹ شوگر ملز کی اجازت لینے آئے تھے۔ میں نے کہا کہ ان میں سے کوئی بھی شوگر مل چلانے کا اہل نہیں ہے۔ ڈیرہ غازی خاں کے کاشتکاروں کے مفاد میں ضروری ہے کہ شوگر ملز کی اجازت اس شخص کو دی جائے جو ضلع کی معاشی ترقی کے لیے کردار ادا کر سکے اگرچہ شوگر ملز لگانے کی منظوری بلخ شیر مزاری اور ان کے ساتھیوں کو دے دی گئی مگر جنرل ضیاء الحق کی مجھ پر احسان کرنے کی کوشش جاری رہی......چند سال بعد مجھے پنجاب کے نئے گورنر جنرل جیلانی نے ملاقات کے لیے بلایا اور کہا کہ جنرل ضیاء الحق نے انہیں ہدایت کی ہے کہ شیر باز مزاری سے ہر طرح کا تعاون کیا جائے۔ میں نے کہا کہ جنرل صاحب اگر مجھ پر مہربانی کرنا چاہتے ہیں تو میرے علاقے سنمیانی کے لیے ایک سڑک ایک ہائی سکول ایک ہیلتھ سینٹر بجلی اور پبلک کال آفس کی منظوری دے دی جائے۔ جنرل جیلانی نے حیران ہو کر کہا آپ تو کراچی میں رہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ درست ہے کہ میں کراچی منتقل ہو چکا ہوں مگر میں اپنے علاقے کے لوگوں کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ جنرل جیلانی نے کہا کہ اگر بنیادی سہولتوں کے لیے زمین میں فراہم کرنے پر تیار ہو جاؤں تو حکومت ترقیاتی کام کرواسکتی ہے۔ میں نے بخوشی زمین فراہم کرنے کی شرط قبول کر لی اور جنرل جیلانی نے وعدے کے مطابق ترقیاتی کام مکمل کرادیئے اور سنمیانی کے لوگوں کو تمام سہولتیں حاصل ہو گئیں۔

''میں نے اپنے علاقے سنمیانی میں ایک سکول بنوایا جس میں پلے گراؤنڈ بھی تھا۔ بلوچ قبائل اپنے بچوں کو تعلیم دلوانے سے گریزاں تھے وہ قدیم روایات کے مطابق چاہتے تھے کہ ان کے بچے مویشی چرائیں۔ میں نے سکول میں ہوسٹل تعمیر کرایا۔ مفت کھانے، کتابیں اور کپڑوں کا انتظام کیا تاکہ غریب بچے آسانی سے تعلیم حاصل کر سکیں۔ یہ سکول تیس سال تک چلتا رہا اور آخر کار حکومت سے اس سکول کو ہائی سکول کا درجہ دلوایا۔ سردار کا فرض ہے کہ وہ عوام کی خدمت کرے اگر سردار ہی عوام کا خیال نہ کرے تو اور کون کرے گا''۔

نواب صادق قریشی سابق وزیراعلیٰ پنجاب راوی ہیں: میں نے بھٹو صاحب کو اپنے گھر وائٹ ہاؤس ملتان میں عشائیہ پر بلایا۔ جب وہ تشریف لائے اور میں ان کی ساتھ والی کرسی پر بیٹھا تو محسوس کیا کہ میرے کپڑے ان سے بہتر ہیں۔ میں گھر کے اندر گیا اور کپڑے تبدیل کر کے آیا۔ بھٹو صاحب نے پوچھا صادق کہاں گئے تھے میں نے جواب دیا کہ میرا جوتا پاؤں کو تنگ کر رہا تھا لہٰذا وہ تبدیل کرنے گیا تھا بھٹو صاحب نے کہا

I thought you have gone to change your underwear

''میرا خیال تھا کہ تم اپنا انڈر ویئر تبدیل کرنے گئے ہو''

ذوالفقار علی بھٹو نے ایک جلسہ عام میں یہ واقعہ سنایا: سندھ میں ایک بڑا زمیندار تھا۔ ایک غریب آدمی اس کے پاس گیا اور کہا ''سائیں میرے بچے بھوکے ہیں خدا کے لئے میری مدد کرو'' سائیں نے جواب دیا کہ میں اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہوں جتنے بال میرے ہاتھ میں آگئے اتنے روپے تمہیں دوں گا۔ یہ کہہ کر سائیں نے اپنی داڑھی پر بڑے آرام سے ہاتھ پھیرا اور ایک بال بھی اس کے ہاتھ میں نہ آیا۔ سائیں نے غریب آدمی سے کہا ''تمہارا مقدر ہی خراب ہے'' غریب آدمی بھوکے بچوں کی وجہ سے بہت پریشان تھا کہنے لگا ''سائیں داڑھی بھی آپ کی ہاتھ بھی آپ کا مقدر میرا کیسے خراب ہوگیا۔ داڑھی آپ کی ہو اور ہاتھ میرا ہو پھر پتہ چلے کہ مقدر آپ کا خراب ہے یا کہ میرا خراب ہے۔''

بھٹو ثابت یہ کرنا چاہتے تھے کہ انہوں نے مزدور اور ہاری کو زبان دی اور انہیں اپنے حقوق کا شعور دیا۔

آصف ہاشمی سابق مشیر وزیراعلیٰ پنجاب نے بتایا: ''ایک روز گورنر ہاؤس میں امن و امان کی میٹنگ ہو رہی تھی اس اجلاس میں ذوالفقار علی بھٹو اور نواب صادق قریشی موجود تھے۔ اپوزیشن نے ناصر باغ میں جلسہ عام کا اعلان کر رکھا تھا۔ بھٹو صاحب کی خواہش تھی کہ یہ جلسہ کامیاب نہ ہو میں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ یہ جلسہ نہیں ہوگا۔ بھٹو صاحب نے چونک کر پوچھا ''چھوٹے یہ کیا کہہ رہے ہو تم یہ جلسہ کیسے روکو گے'' بھٹو صاحب مجھے ''چھوٹے'' کہہ کر پکارتے تھے میں نے جواب دیا ''سر یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں'' جلسہ والے دن میں نے ایس پی سٹی کو فون کیا اور کہا کہ مجھے سو جیب کترے چاہئیں اس نے حیران ہو کر کہا کہ جناب یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے اسے کہا کہ میں درست کہہ رہا ہوں 2 بجے تک لاہور کے تھانوں میں بند ایک سو جیب کترے وزیراعلیٰ ہاؤس پہنچانے کا انتظام کرو۔ میں نے ڈیڑھ سو جیالوں کو بھی بلا لیا ان کو ہدایت کی کہ جب جلسہ شروع ہو تو ٹولیوں کی صورت میں جلسہ گاہ میں پھیل جائیں اور جیبیں کاٹنی شروع کر دیں اور ساتھ خود ہی شور مچانا شروع کر دیں کہ ہماری جیب کٹ گئی ہے۔ جیب کتروں نے ہدایات پر عمل کیا۔ جلسہ گاہ میں شور مچ گیا کہ اپوزیشن والے جلسے میں جیب

کتروں کو بلا کر عوام کی جیبیں بھی کٹواتے ہیں۔ شور شرابے سے جلسہ درہم برہم ہوگیا۔ میں نے جب بھٹو صاحب کو رپورٹ دی تو وہ بہت ہنسے اور پوچھا "چھوٹے تمہارے دماغ میں یہ ترکیب کیسے آئی"

آصف ہاشمی گورنر پنجاب مصطفیٰ کھر کے مشیر تھے پنجاب میں کھر اور شیخ رشید گروپ بندی عروج پر تھی۔ آصف نے شیخ رشید کو میرے خلاف بدظن کرنے کے لیے سازش کی۔ گورنر سے ملاقات کرنے والے رجسٹر میں میرا نام تحریر کرادیا اور شیخ رشید کو یہ جھوٹی اطلاع پہنچا دی کہ قیوم نظامی نے مصطفیٰ کھر سے خفیہ ملاقات کی ہے میں شیخ رشید کا قریبی اور قابل اعتماد ساتھی تھا۔ وہ مجھ سے ناراض ہوگئے اور میں ان کو بڑی مشکل سے یقین دلا سکا کہ یہ خبر درست نہیں۔

اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھا
آئینے کو لپکا ہے پریشاں نظری کا

پھر اس کے بعد آصف ہاشمی میرے بھائی بن گئے خلوص پر مبنی یہ رشتہ آج تک قائم ہے۔ پی پی پی آصف ہاشمی کے تجربے اور خداداد صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھا سکی۔

ملک معراج خالد نے بیان کیا: میں پنجاب پی پی پی کا صدر تھا۔ سیالکوٹ کے انور عزیز پی پی پی میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ ایک دن میں وزیراعظم سیکریٹریٹ گیا۔ بھٹو صاحب کے ملٹری سیکریٹری بریگیڈیئر امتیاز نے مجھے کہا کہ سب لوگ انور عزیز کو پارٹی میں شامل کرنے کے لئے راضی ہیں مگر آپ نہیں مان رہے ہیں میں نے کہا کہ میں اس کی مخالفت کرتا ہوں آپ اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بھٹو صاحب کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ میرے ذاتی مفاد نہیں بلکہ پارٹی مفاد کے خلاف ہے پندرہ منٹ کے بعد بھٹو صاحب کا بلاوا آگیا اپنے دفتر میں اکیلے بیٹھے تھے پہلی بار ان سے تلخ کلامی ہوئی۔ کہنے لگے فلاں نے مجھے انور عزیز کے بارے میں کہا اب تم میری اتھارٹی کو چیلنج کر رہے ہو۔ میں کیا کروں یہ فیصلہ تم نے کرنا ہے یا میں نے کرنا ہے۔ میں نے دل میں سوچا آج کے بعد بھٹو صاحب سے قطع تعلق ہوجائے گا۔ میں نے کہا آپ کو عوام سے محبوبیت ملی ہے آپ عوام کے مفاد کے خلاف کام نہ کریں آپ کا عوام اور خدا سے عہد ہے اسے نہ توڑیں۔ میری گفتگو کے دوران ان کے چہرے کے رنگ بدلتے رہے پھر آخر میں کہا معراج تم صحیح کہتے ہو۔ مجھے معاف کردو میں نے سخت الفاظ استعمال کئے۔ بھٹو بڑے گریٹ آدمی تھے۔

اصغر خان کے خلاف جلوس کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ جلوس کے بعد ڈیوس روڈ پر واقع اس گھر پر حملہ کیا جائے گا۔ جہاں پر اصغر خان ٹھہرے ہوئے تھے میں نے کھر سے بات کی کہ یہ کام نہ کریں اس نے کہا ہمیں اوپر سے حکم ہوا ہے لہٰذا اوپر بات کریں میں نے کبھی بھٹو صاحب کو فون نہیں کیا تھا مگر اس موقع پر کیا۔ میں نے کہا ستیاناس ہورہا ہے بہت بڑا گناہ ہوگا۔ بھٹو صاحب کہنے لگے کہ کھر

سے بات کرو میں نے ان کو بتایا کہ کھر نے آپ سے بات کرنے کے لئے کہا ہے بھٹو صاحب نے کہا دس منٹ انتظار کرو۔ دس منٹ کے بعد کھر کا فون آ گیا کہ اوپر سے حکم مل گیا ہے کسی کے گھر پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔

ایک دن مجھے چوہدری ظہور الٰہی کی بیٹی کا فون آیا اس نے کہا کیا انکل میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں۔ میں نے کہا آپ میری بیٹی ہو اس نے کہا میں ہوم اکنامکس کالج گئی ہوں پرنسپل نے کہا ہے کہ چوہدری ظہور الٰہی کی بیٹی کو داخلہ نہیں مل سکتا۔ میں نے ہوم اکنامکس کالج کی پرنسپل سے خود بات کر کے ظہور الٰہی کی بیٹی کو داخل کرایا۔ میں غیر ملکی دورے پر گیا بعد میں کھر نے میرے سیکریٹری قادر بخش کو معطل کرا دیا اور کہا کہ چوہدری ظہور الٰہی کی بیٹی کو داخلہ کیوں دلایا۔ معاملہ بھٹو تک پہنچا اور کھر کو میرے سیکریٹری سے معذرت کر کے اسے بحال کرنا پڑا۔

ملک معراج خالد پروٹوکول کے خلاف تھے ایک دن نگران وزیراعظم کی حیثیت سے کابینہ کی میٹنگ میں شرکت کے لیے ایوان صدر جا رہے تھے کہ اچانک پیچھے ہوٹر کی آواز آئی معراج خالد نے گاڑی سڑک کے ایک جانب کرالی پولیس گارد کے ساتھ گاڑیوں کا ایک کارواں آگے گزر گیا۔ ٹریفک پولیس نے بتایا کہ پنجاب کے گورنر ایوان صدر جا رہے ہیں۔ معراج خالد نے موبائل پر گورنر پنجاب طارق رحیم سے بات کی اور کہا کہ ابھی آپ کا کارواں بڑی شان و شوکت سے گزرا ہے مجھے علم ہوتا کہ صوبہ کے گورنر کے پاکستان کے وزیراعظم سے زیادہ ''ٹور'' ہیں تو میں پنجاب کا گورنر بن جاتا۔

معراج خالد بڑھاپے کے باوجود اپنی کار خود ڈرائیو کرتے تھے۔ نگران حکومت کے خاتمے کے بعد وہ رات کو مال روڈ پر جا رہے تھے کہ زرد لائٹ سے گزرتے ہوئے ریڈ لائٹ کراس کر گئے ٹریفک پولیس کے انسپکٹر نے انہیں روک لیا اور انہیں پہچان نہ سکا اس موقع پر معراج خالد اور ٹریفک انسپکٹر کے درمیان دلچسپ مکالمہ ہوا۔

انسپکٹر: بابا جی آپ نے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔
معراج خالد: لاشعوری طور پر غلطی ہوگئی۔
انسپکٹر: آپ کو پتہ ہے میں آپ کا چالان کر سکتا ہوں۔
معراج خالد: بالکل کر سکتے ہیں۔ غلطی ہوئی ہے چالان تو ہونا چاہئے۔
انسپکٹر: میں آپ کی گاڑی بھی بند کر سکتا ہوں۔
معراج خالد: ہاں یہ بھی آپ کے اختیار میں ہے۔
انسپکٹر: میں آپ کو بھی تھانے لے جا سکتا ہوں۔
معراج خالد: ٹھیک ہے تھانے چلتے ہیں۔

ٹریفک انسپکٹر نے جب دیکھا کہ بابا جی تھانے چلے جائیں گے مگر جیب میں ہاتھ نہیں ڈالیں گے

http://www.apnaorg.com

تو کہنے لگا ''بابا جی جاؤ میرا وقت ضائع نہ کرو'' ملک معراج خالد نے انسانی عظمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا تعارف بھی نہ کرایا۔

شیخ محمد رشید راوی ہیں: مصطفیٰ کھر نے جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد کو گرفتار کر لیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ جیل کے اندر میاں طفیل محمد کے ساتھ غیر انسانی اور غیر اخلاقی سلوک کرنے کا پلان بنایا جا رہا ہے میاں طفیل محمد 1970ء کے انتخابات میں میرے سیاسی حریف تھے اور میں نے ان کو شکست دی تھی۔ میں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ سیاسی حریفوں کے ساتھ غیر اخلاقی سلوک نہیں ہونا چاہئے یہ بڑا ظلم ہوگا۔ بھٹو صاحب نے کھر سے بات کرنے کا وعدہ کیا۔

نوائے وقت کے چیف ایڈیٹر مجید نظامی نے ون ٹو ون ملاقات میں بتایا: میاں نواز شریف کے دوسرے دور اقتدار میں آصف زرداری نے جیل سے انہیں خط لکھ کر ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ ان سے جیل کے علاوہ کسی اور مقام پر ملاقات کرنا پسند کریں گے۔ میں نے ملاقات کے لیے رضا مندی ظاہر کر دی۔ احتساب عدالت کے جج نے آصف زرداری کی درخواست پر اگلی پیشی پر اپنے چیمبر میں ملاقات کا تحریری حکم جاری کر دیا۔ میاں نواز شریف کو جب اس ملاقات کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے نادان مشیروں کے مشورے پر یہ ملاقات نہ ہونے دی اور اگلی پیشی پر آصف زرداری کو راولپنڈی کی عدالت میں پیش کرنے کی بجائے کراچی بھجوا دیا۔ مجید نظامی نے کہا کہ میاں نواز شریف کو مجھ پر اعتماد کرنا چاہئے تھا۔ اگر یہ ملاقات ہوجاتی تو حکومت کے لیے کوئی بہتری کی صورت پیدا ہوتی۔

کراچی میں نواز شریف سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے کہا آپ کو بھاری مینڈیٹ مل گیا ہے اب آپ کو اپوزیشن سے خوشگوار تعلقات استوار کرنے میں کیا نقصان ہے اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کی حکومت کو سیاسی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے تو آپ کو بے نظیر سے رابطہ کرنا چاہئے۔ انہوں نے مجھے بے نظیر سے رابطہ کرنے کے لیے کہا۔ میں نے عارف نظامی کے ذریعے بے نظیر سے رابطہ کیا اور کہا کہ حکومت سے خوشگوار تعلقات قائم کریں۔ بے نظیر نے کہا وہ محاذ آرائی نہیں چاہتیں ان کو تحریک چلانے اور جیل کی صعوبتیں برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے بے نظیر میاں نواز شریف سے ملاقات کرنے کے لیے تیار ہوگئیں۔ خارجہ امور کی کمیٹی کی چیئرپرسن بن گئیں اور نواز شریف نے بلاول ہاؤس کراچی میں ناشتے پر بے نظیر سے ملاقات کا فیصلہ کیا عین وقت پر اباجی نے نواز شریف سے کہا نواز تم وزیراعظم ہو ملاقات کے لیے کراچی کیوں جاتے ہو بے نظیر کو ملاقات کے لیے اسلام آباد آنا چاہئے اور اس طرح دونوں لیڈروں کی ملاقات نہ ہوسکی۔

بے نظیر کے دور حکومت میں صدر لغاری نے چند سینئر صحافیوں کو ایوان صدر بلایا۔ میں بھی اس

ملاقات میں موجود تھا۔ فاروق لغاری نے بے نظیر کے خلاف دل کا غبار نکالا۔ میں نے میاں نواز شریف کو کہا لوہا گرم ہے صدر سے رابطہ کرو۔ نواز شریف نے لغاری سے ملاقات کی اس ملاقات کے نتیجے میں بے نظیر حکومت کا خاتمہ ہوا اور میاں نواز شریف دوبارہ وزیراعظم بن گئے۔ وزیراعظم بننے کے بعد میاں نواز شریف اپنے محسن لغاری کے گھر چوٹی گئے اور ان سے کہا اپنی پگ اتار دو یعنی 58/2B کے صدارتی اختیارات واپس کر دو۔

افضل اقبال سابق سفیر سویڈن نے بتایا:''بھٹو غیر ملکی دوروں کے شوقین تھے۔ مجھ سے ناراض ہوگئے کہ انہیں سویڈن کی حکومت کی جانب سے دورے کا دعوت نامہ نہیں بھجوایا۔ میں نے سویڈن کی وزارت خارجہ سے بات کر کے دعوت نامہ بھجوایا سویڈن کی حکومت نے کہا دورے کے اخراجات پاکستان برداشت کرے گا۔ سویڈن کی یہ روایت ہے کہ استقبال چیف پروٹوکول آفیسر کرتا ہے۔ بھٹو سخت ناراض ہوئے رات کو دو بجے ان کا فون آیا اور میرے ساتھ سخت زبان استعمال کی اور کہا سویڈن کے وزیراعظم کو ایئرپورٹ پر استقبال کے لیے آنا چاہیے۔ میں بہت پریشان ہوا اور وزیراعظم سویڈن سے ملاقات کر کے منت سماجت کی اور وہ ایئرپورٹ پر وی آئی پی لاؤنج میں بھٹو کا استقبال کرنے پر راضی ہوگئے جبکہ جہاز کے باہر چیف پروٹوکول آفیسر نے ہی استقبال کیا۔ بھٹو 120 افراد پر مشتمل وفد لے کر سویڈن پہنچے۔ رہائش کا انتظام فائیو سٹار ہوٹل میں کیا گیا جبکہ ٹرانسپورٹ کے لیے مرسڈیز کاریں کرایے پر لی گئیں۔ مذاکرات کے دوران جب بھٹو نے اقتصادی امداد کی بات کی تو سویڈن کے وزیراعظم نے کہا کہ جس طرح پاکستان نے دورے کے لیے بھاری اخراجات برداشت کیے ہیں پاکستان کو سویڈن کی امداد کرنی چاہیے۔ سویڈن کے وزیراعظم نے پاکستان کے وفد کے اعزاز میں عشائیہ دیا بھٹو وقت پر پہنچ گئے مگر سویڈن کے وزیراعظم دس منٹ تاخیر سے پہنچے ان کا سانس پھولا ہوا تھا کہنے لگے ''مسٹر پرائم منسٹر تاخیر کے لیے معذرت وفد کی گاڑیوں نے پارکنگ کی ساری جگہ روکی ہوئی تھی مجھے اپنی کار ایک کلو میٹر دور کھڑی کر کے پیدل ہوٹل تک آنا پڑا'' بیگم بھٹو نے وزیراعظم کی بیگم کے اعزاز میں مہنگے ہوٹل میں ڈنر دیا جس پر پندرہ لاکھ روپے خرچ ہوئے وزیراعظم سویڈن کی بیگم نے بیگم بھٹو کو اپنے دو تین کمرے کے گھر میں دعوت دی وہ خود ہی کچن میں کھانا تیار کرتی رہیں۔ ان کو بار بار اٹھ کر کچن میں جانا پڑتا اور بار بار معذرت کرتیں۔ بیگم بھٹو اس رویہ سے ناراض ہوگئیں اور جلدی اٹھ کر آگئیں۔''

پاکستان کے ممتاز صحافی ارشاد حقانی بیان کرتے ہیں:4 نومبر 1994ء گورنر ہاؤس سے میرے دفتر فون آیا کہ آصف زرداری میرے گھر پر آکر مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے زرداری صاحب سے کہا کہ آپ چونکہ گورنر ہاؤس میں قیام پذیر ہیں لہذا میں گورنر ہاؤس میں ملاقات کے لیے حاضر ہو جاتا ہوں۔ زرداری صاحب نے کہا کہ وہ میرے گھر پر آنا چاہتے ہیں میں نے کہا میرا گھر تو

غریبانہ ہے انہوں نے اصرار کیا کہ وہ میرے گھر پر ہی ملاقات کریں گے۔ سیکیورٹی کی ایجنسی نے میرے گھر کے ڈرائینگ روم کی تلاشی لی الماریوں کے دراز بھی کھول کر دیکھے فوجی اسلحہ لے کر ہمسایوں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ آصف زرداری ڈرائینگ روم میں آئے تو انہیں جنرل ضیاء الحق کے ساتھ میری تصویر نظر آئی جس میں میر خلیل الرحمٰن میر شکیل الرحمٰن جاوید الرحمٰن شورش ملک وہاب صدیقی اور چند رپورٹر نمایاں تھے۔ زرداری صاحب تصویر دیکھتے ہی کہنے لگے ''حقانی صاحب میں یقین نہیں کرسکتا کہ آپ کے گھر پر ضیاء الحق کی تصویر آویزاں ہو'' میں نے جواب دیا کہ یہ تصویر 6 مارچ 1985ء کو ایک پینل انٹرویو کے موقع پر لی گئی تھی میری تمام حکمرانوں کے ساتھ تصویریں موجود ہیں جو تاریخ کا حصہ ہیں۔ میری وضاحت پر زرداری صاحب مطمئن ہوگئے اسی طرح جب بے نظیر بھٹو بھی میرے گھر پر تشریف لائیں تو انہوں نے بھی کہا ''حقانی صاحب آپ کی لغاری کے ساتھ بڑی تصویریں ہیں'' میں نے ان کو بتایا کہ یہ تصویر 23 مارچ 1994ء کی ہے جب مجھے ستارہ امتیاز دیا گیا آپ بھی بطور وزیراعظم ایوان صدر میں موجود تھیں میں نے آپ کے سرکاری فوٹو گرافر سے کہا تھا کہ میری تصویر لیتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ صدر اور وزیراعظم دونوں تصویر میں کور ہوں۔ فوٹو گرافر نے مجھے تصویر فراہم نہ کی پھر مجھے ایوان صدر کی جانب سے جو تصویر ملی وہی میں نے اپنے گھر میں لگا لی میری اس وضاحت پر بے نظیر بھی مطمئن ہوگئی تھیں۔ آصف زرداری نے مجھے کہا ''حقانی صاحب آپ کے پاس عزت شہرت اور دولت سب کچھ ہے حکومت آپ کی اور کیا خدمت کرسکتی ہے''۔ میں نے جواب دیا کہ عزت اور شہرت کا تو مجھے علم نہیں البتہ دولت میرے پاس نہیں ہے اور نہ ہی میں نے کبھی دولت کی خواہش کی ہے۔ میں نے دو گھنٹے کی اس ملاقات میں ملکی حالات پر اپنا تجزیہ پیش کیا اور بے نظیر حکومت کی غلطیوں کی نشاندہی کی۔ زرداری نے میرے تجزیے سے اختلاف نہ کیا اور کہا کہ وہ بے نظیر سے بات کریں گے۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ میرے ساتھ رابطہ نہ رکھ سکے اور یہ ان کا فرض تھا کہ وہ ایک بزرگ اور سینئر صحافی سے خود رابطہ رکھتے آئندہ وہ مسلسل رابطے میں رہیں گے۔ میں نے اپنی روایت کے مطابق بلاول کے لیے قلم اور زرداری کے لیے شیونگ کٹ کا تحفہ دیا۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد زرداری صاحب کا ڈرائیور دوبارہ آیا اور پھل کی ٹوکری دیتے ہوئے کہا کہ یہ ٹوکری کار میں پڑی رہی اور نکالنی یاد نہ رہی۔ میں سمجھ گیا کہ میری جانب سے گفٹ لینے کے بعد ان کو فروٹ کی ٹوکری بھجوانے کا خیال آیا۔

8 ستمبر 1996ء میاں نواز شریف نے اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے پارلیمینٹ میں دو گھنٹے دس منٹ تقریر کی۔ بے نظیر نوٹس لیتی رہیں اور بعد میں سوا گھنٹہ تقریر کر کے میاں نواز شریف کی باتوں کا موثر جواب دیا۔ اجلاس ختم ہوا تو میں پارلیمینٹ کی گیلری سے باہر نکلا۔ اتفاق سے محترمہ سے آمنا سامنا ہوگیا۔ مجھے دیکھ کر رک گئیں اور کہا ''حقانی صاحب آپ کیسے ہیں کافی عرصہ ہوا آپ سے ملاقات نہیں

ہوئی'' میں نے کہا کہ آپ نے کبھی یاد نہیں کیا ملاقات کے لیے بلائیں گی تو حاضر ہو جاؤں گا۔ چند دن بعد مجھے اسلام آباد سے فون آیا کہ وزیراعظم لاہور آرہی ہیں ان کی خواہش ہے کہ میں دوپہر کا لنچ گورنر ہاؤس میں ان کے ساتھ کروں میں نے دعوت قبول کر لی جب محترمہ لاہور پہنچ گئیں تو گورنر ہاؤس سے مجھے فون آیا کہ حامد ناصر چٹھہ چونکہ اسلام آباد سے وزیراعظم کے ساتھ لاہور آئے ہیں لہٰذا لنچ پر وہ بھی موجود ہوں گے۔ میں نے جواب دیا کہ حامد ناصر چٹھہ کے سامنے کھل کر اظہار خیال کرنا میرے لیے ممکن نہ ہوگا لہٰذا بہتر ہے کہ ملاقات کسی اور دن رکھ لیں۔ چار دن بعد اسلام آباد سے دوبارہ فون آیا کہ پارلیمنٹ ہاؤس اسلام آباد میں ملاقات کا وقت مقرر ہوا ہے۔ میں اسلام آباد پہنچ گیا۔ محترمہ نے سلام دعا کے بعد مجھے کہا ''حقانی صاحب اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو فرحت اللہ بابر میرے ساتھ بیٹھ جائیں'' میں نے کہا کہ فرحت اللہ بابر کی چونکہ ذمہ داری ہے کہ وہ وزیراعظم کے ساتھ رہیں اس لیے مجھے ان کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں۔ میں نے ملاقات کے دوران تفصیل کے ساتھ حکومتی غلطیوں کی نشاندہی کی اور مختلف امور پر اپنا تجزیہ پیش کیا۔ گفتگو کے دوران محترمہ واش روم گئیں تو فرحت اللہ بابر نے کہا ''حقانی صاحب آپ نے وزیراعظم سے جو باتیں کی ہیں وہ اور کوئی نہیں کرسکتا'' ملاقات کے دوران ناہید خان بار بار چٹ بھیجتی رہیں کہ ایم این اے ملاقات کے لیے انتظار کر رہے ہیں مگر محترمہ نے کہا ان سے کہو انتظار کریں کیونکہ وہ حقانی صاحب کے ساتھ اہم باتیں کر رہی ہیں۔ بے نظیر نے مجھ سے پوچھا کہ حالات کی اصلاح کے لیے کیا کروں۔ میں نے ان سے کہا کہ پی پی پی کے اساسی فلسفہ پر عمل کریں۔ کرپشن کے الزامات کا مؤثر جواب دیں۔ اپوزیشن سے تعلقات بہتر بنائیں۔ غریبوں کو ریلیف دیں تاکہ آپ کا ووٹ بینک مستحکم رہے۔

مرتضیٰ بھٹو کی شہادت کے تین روز بعد وزیراعظم ہاؤس اسلام آباد تعزیت کے لیے گیا۔ وہاں پر بہت رش تھا۔ لوگ جوق در جوق تعزیت کے لیے آتے رہے۔ محترمہ انتہائی غم زدہ اور سوگوار تھیں ان کے چہرے پر غم کے شدید اثرات نمایاں تھے اس قدر غم زدہ میں نے ان کو شاہنواز کی شہادت پر بھی نہ دیکھا تھا جب میں نے باربیکن لندن میں ان سے تعزیت کے لیے ملاقات کی تھی۔ جب میں وزیراعظم ہاؤس کے گیسٹ روم سے باہر آنے لگا تو محترمہ نے کہا کہ حقانی صاحب اور اعتزاز بیٹھے رہیں۔ جب رش کم ہوا تو محترمہ نے چائے منگوائی انہوں نے مجھے پوچھا ''حقانی صاحب یہ سب کچھ کیوں ہوا اور کیسے ہوا آپ کا تجزیہ کیا ہے'' میں نے اپنی دانست کے مطابق سیاسی صورتحال کا تجزیہ پیش کیا۔ دوسرے افراد نے بھی اپنی اپنی رائے دی۔ محترمہ نے کہا ''آپ کے بیٹھے رہنے سے مجھے حوصلہ ملا ہے''

13 نومبر 1993ء جب فاروق لغاری پاکستان کے صدر بنے تو انہوں نے سوچا کہ سیاست میں تلخیاں ختم ہونی چاہئیں تاکہ جمہوریت مستحکم ہو۔ انہوں نے اپوزیشن لیڈر میاں نواز شریف سے ملاقات

کا فیصلہ کیا تا کہ صدر سیاست سے بالاتر رہ کر ایک نئی روایت قائم کرے۔ فاروق لغاری نے مجھے کہا کہ میں میاں نواز شریف کو ان کا پیغام دوں کہ صدر لاہور آرہے ہیں اور میاں صاحب سے ملاقات کرنے کے خواہش مند ہیں۔ میاں صاحب اگر مناسب سمجھیں تو ملاقات کے لیے گورنر ہاؤس آجائیں بصورت دیگر صدر ان کی رہائش گاہ پر آ کر ملاقات کے لیے تیار ہیں میں لغاری صاحب کا پیغام لے کر ماڈل ٹاؤن میاں صاحب کے گھر پہنچا اور پیغام دیا تو وہ ایک دو منٹ خاموش رہے پھر کہنے لگے کہ "صدر صاحب میرے گھر آئیں تو یہ میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہوگی۔ حقانی صاحب مجھے ایک دو دن دیں تا کہ اپنے رفقاء سے مشورہ کر سکوں" میاں صاحب نے مجھے پرتکلف ناشتہ کرایا اور کہا کہ وہ خود میرے گھر پر آ کر ملاقات کے بارے میں بتائیں گے۔ دو دن گزرنے کے بعد جب میاں صاحب کی جانب سے کوئی اطلاع نہ ملی تو میں نے خود ان کو کئی فون کیے۔ بڑی مشکل سے ان سے رابطہ ہوا تو میاں صاحب نے کہا "حقانی صاحب میری طرف سے صدر صاحب کا شکریہ ادا کریں اور میری معذرت پہنچا دیں کہ فی الحال میری ان سے ملاقات مناسب نہیں ہے"

نگران حکومت کے دوران وزیراعظم ملک معراج خالد کا فون آیا انہوں نے کہا کہ صبح ناشتہ میرے ساتھ کریں۔ ناشتے پر انہوں نے بتایا کہ چیف جسٹس سجاد علی شاہ ان کے پاس آئے تھے ان کا کہنا ہے کہ برادر ججز بے نظیر کی حکومت کو بحال کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جسٹس نسیم حسن شاہ کے نواز حکومت کی بحالی کے فیصلے کے مطابق فاروق لغاری کا آرڈر بے نظیر حکومت کی معطلی کا مکمل جواز فراہم نہیں کرتا۔ میں نے صدر لغاری سے ملاقات کی اور انہیں عدلیہ کی رائے سے آگاہ کیا۔ فاروق لغاری نے کہا خطرہ ٹل گیا ہے۔ خواجہ طارق رحیم نے اپنی گورنری کے لیے منصوبہ بندی کی اور عدلیہ کو تاثر دیا کہ فوج بے نظیر حکومت کو بحال کرنا چاہتی ہے۔ فاروق لغاری نے خواجہ طارق رحیم سے کہا کہ میرے دوست ہو کر میرے خلاف منصوبہ بندی کر رہے ہو اگر بے نظیر کی حکومت بحال ہوگئی تو میں ایک منٹ بھی ایوان صدر میں نہیں ٹھہروں گا۔ پھر ایجنسیوں نے سپریم کورٹ کو باور کرا دیا کہ فوج بے نظیر کی حکومت بحال کرنے کی حامی نہیں ہے۔

محمد رفیق تارڑ سابق صدر پاکستان بیان کرتے ہیں: "میں مولانا امین احسن اصلاحی کے جنازے میں شرکت کے بعد اپنی بھتیجی کے گھر ڈیفنس لاہور چلا گیا وہاں پر میرے گھر سے میری بیگم کا فون آیا اس نے بتایا کہ اسلام آباد سے دو فون آچکے ہیں وزیراعظم نواز شریف مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے اسلام آباد ٹیلی فون کر کے میاں صاحب سے رابطہ کیا انہوں نے فرمایا کہ ضروری مشورہ کرنا ہے اس لیے جلدی اسلام آباد پہنچ جائیں میں اسی دن اسلام آباد کے لیے روانہ ہوگیا ساڑھے نو بجے رات وزیراعظم سیکریٹریٹ میں میاں صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میاں صاحب نے کہا "ہم نے

http://www.apnaorg.com

آپ کو مسلم لیگ کی جانب سے صدارتی اُمیدوار نامزد کرنے کا فیصلہ کیا ہے" میرے لیے یہ منصب انتہائی غیر متوقع تھا اس لیے میں نے سوچا کہ شاید میں میاں صاحب کی بات کو پوری طرح سمجھ نہیں پایا لہٰذا میں نے میاں صاحب سے استفسار کیا کہ کیا فرمایا میں آپ کی بات سمجھ نہیں پایا۔ انہوں نے دوبارہ فرمایا "آپ کو صدر کے انتخاب کے لیے اُمیدوار نامزد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔" میں نے میاں صاحب سے کہا کہ میں اپنے آپ کو اس منصب کے قابل نہیں سمجھتا مسلم لیگ میں کئی شخصیات ہیں جو مجھ سے زیادہ اہل ہیں آپ ان میں سے کسی کو چن لیں۔ میاں صاحب فرمانے لگے۔ "آپ سب سے بڑے صوبے کے چیف جسٹس رہے ہیں سپریم کورٹ کے جج رہے ہیں آپ صدارت کے منصب کے اہل ہیں" میں نے میاں صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں مشورہ دیا کہ پاکستان کا صدر چھوٹے صوبے سے لے لیں۔ میاں صاحب کہنے لگے "میں نے چھوٹے صوبوں کے مسلم لیگی لیڈروں سے مشورہ کیا ہے ہر جگہ گروپ بنے ہوئے ہیں وہ کسی ایک شخص پر متفق نہیں ہو رہے اور انہوں نے کہا ہے کہ صدارتی اُمیدوار پنجاب سے کسی شخص کو بنا دیں۔ ہم نے آپ کے حق میں فیصلہ کر لیا ہے میں نے صرف کابینہ کو مطلع کرنا ہے۔" میں نے میاں صاحب سے کہا کہ کابینہ اگر کوئی اور نام تجویز کرے تو اس پر غور کر لیں اور یہ خیال نہ کریں کہ آپ نے مجھے صدارتی اُمیدوار بنانے کا فیصلہ کیا ہے کابینہ کسی اور شخص پر متفق ہو جائے تو مجھے قطعی طور پر کوئی ملال نہ ہوگا۔ میاں صاحب نے جب کابینہ کے اجلاس میں صدارتی اُمیدوار کے لیے میرا نام پیش کیا تو وزرائے کرام جن کا تعلق بڑے سرمایہ دار اور جاگیردار گھرانوں سے تھا سکتے میں آ گئے۔ صرف یاسین وٹو مرحوم نے جو خود بھی متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس فیصلے کی تحسین کی اور کہا کہ آئیں سب مل کر دعا کریں کہ یہ انتخاب مسلم لیگ اور پاکستان کے لیے مبارک ثابت ہو۔ میں اسلام آباد فیڈرل لاج میں ٹھہرا ہوا تھا کہ رات گئے لاہور سے بیگم کا فون آیا وہ گھبرائی ہوئی تھی اور کہنے لگی کہ صحافیوں کے فون آ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں آپ یہ بن رہے ہیں وہ بن رہے ہیں۔ میری بیگم کی زبان پر صدارت جیسے منصب کا نام نہیں آ رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ صحافی کیا کہہ رہے کہ میں کیا بن رہا ہوں بیگم نے ہچکچاتے ہوئے کہا وہ کہتے ہیں آپ صدر بن رہے ہیں۔ میں نے اپنی بیگم کو بتانے سے گریز کیا اور کہا کہ صحافی بادشاہ لوگ ہیں۔ میں ریکارڈ ووٹ لے کر پاکستان کا صدر منتخب ہوا لیکن میرا تعلق چونکہ متوسط طبقے سے تھا اس لیے کسی مذہبی و سیاسی راہنما کسی بیوروکریٹ اور کسی بڑے زمیندار نے مجھے مبارکباد کا پیغام نہ بھیجا اور نہ ہی فون کر کے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ ہمارا معاشرہ کسی غریب اور متوسط طبقے کے فرد کو کسی اہم منصب پر قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت میں بطور جج میری پنشن روک دی گئی تھی میں نے صدر پاکستان سردار فاروق لغاری کو خط لکھ کر مطلع کیا کہ ریٹائرمینٹ کے بعد پنشن ہر جج کا آئینی حق ہے جس سے کسی جج کو محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ انہوں نے مجھے خط کا جواب دینا بھی مناسب نہ سمجھا اور خدا کی قدرت کہ

اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے فاروق لغاری کے بعد پاکستان کے صدر کا اعلیٰ ترین منصب عطا کردیا۔

12 اکتوبر 1999ء کی رات کراچی سے جنرل پرویز مشرف کا فون آیا کہ میں صدارت کے منصب کے سلسلے میں ان سے ملاقات تک اپنے متعلق کوئی فیصلہ نہ کروں۔ دوسرے روز جرنیل ایوان صدر آئے اور مجھے کہا کہ آپ پاکستان کے منتخب صدر ہیں پاکستان کے مفاد کا تقاضہ ہے کہ آپ منصب پر بدستور فائز رہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے میاں نواز شریف نے صدر بنایا تھا لہٰذا ان کی برطرفی کے بعد میرے لیے کوئی اخلاقی جواز باقی نہیں رہا کہ اس منصب پر فائز رہوں۔ جنرل مشرف نے کہا کہ ملک اس وقت سنگین بحران کا شکار ہے آپ کے مستعفی ہونے سے بحران مزید سنگین ہوجائے گا آپ کو یقین دہانی کراتے ہیں کہ آپ آئینی مدت پوری کریں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے دو دن سوچنے کے لیے دیں۔ میں نے خدا سے رجوع کیا اور میاں نواز شریف کی فیملی سے رابطہ کیا کہ میں صدارت سے مستعفی ہونا چاہتا ہوں۔ انہوں نے پیغام بھیجا کہ آپ اپنے منصب پر کام جاری رکھیں لہٰذا میں نے پاکستان کے وسیع تر مفاد میں صدارت کے منصب پر کام جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اگر خدانخواستہ فوجی مہم جُو میاں نواز شریف کو بھٹو شہید جیسے انجام سے دو چار کرنے کی راہ پر چل نکلیں تو میں اپنے محسن کو کسی ایسی صورتحال سے بچانے کے لیے اپنا کردار ادا کرسکوں۔

ہنری کسنجر کا شمار امریکہ کے ممتاز اور مدبر سیاست دانوں میں ہوتا ہے وہ امریکہ کے ایک کامیاب وزیر خارجہ تھے انہوں نے ایک انٹرویو میں ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں کہا۔

''سوال: آپ کے خیال میں تیسری دنیا کا کون سا ایسا سیاست دان ہے جو لیڈر بن سکتا ہے۔''

''جواب: بدقسمتی سے میں اس شخص کو پسند تو نہیں کرتا لیکن تیسری دنیا میں اس وقت بھٹو کے پائے کا کوئی لیڈر نہیں''۔

قابل اعتماد ذرائع کے مطابق ایک ریٹائرڈ جنرل کو چین میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا تو وہ سفارت کی مدت ختم ہونے پر ملازمت میں توسیع کے لیے درخواست وزیراعظم بھٹو کو بھیج دیتے جس میں مختلف دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے کہ ان کی ملازمت میں توسیع پاکستان کے مفاد میں ہے۔ حالانکہ ان کی عمر کافی ہوگئی تھی۔ جب جنرل نے تیسری بار درخواست بھیجی تو وزیراعظم بھٹو نے فائل پر یہ نوٹ لکھا۔

"Approved: Let the old bastard die in the chair"

http://www.apnaorg.com

ترجمہ: درخواست منظور کی جاتی ہے بوڑھے باسٹرڈ کو کرسی میں ہی مرنے دو۔

ایم ایم حسن ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل ایف ایس ایف لکھتے ہیں: "5 جولائی 1977ء کو رات کے وقت میں اپنے بنگلے میں بے خبر سو رہا تھا تقریباً بارہ بجے مسعود محمود ڈی جی ایف ایس ایف نے مجھے فون کیا۔ وہ اپنے لہجے سے نہایت پریشان اور گھبرائے ہوئے لگ رہے تھے کہنے لگے ایک میجر دس مسلح فوجی جوانوں کے ہمراہ وارد ہوا ہے اور کہتا ہے کہ ملک میں مارشل لاء لگ گیا ہے اور میں حراست میں ہوں۔ میں کافی دیر سے سیکریٹری داخلہ ایم اے کے چوہدری سے بات کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر ان کا فون مصروف ہے پھر جب میں نے اس سلسلے میں آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل جیلانی سے رابطہ کیا تو عجیب بات ہے وہ اس معاملے سے بالکل بے خبر نظر آتے تھے کیونکہ انہوں نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ تم اس شخص کو لات مار کر اپنے گھر سے باہر نکال دو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ماجرا ہے۔تم ایم اے کے چوہدری سے بات کرنے کی کوشش کرو اور مجھے بتاؤ کہ کیا گورکھ دھندا ہے۔ میں نے چوہدری صاحب کو فون کیا ان سے بات ہوگئی۔ انہوں نے بھی مارشل لاء کے نفاذ کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ اتنے میں میرے پاس ایف ایس ایف کی پانچ نمبر بٹالین کے کمانڈر غلام حسین بٹ کا ٹیلی فون آیا یہ بٹالین وزیراعظم کی حفاظت کے لئے ان کی قیام گاہ کے سامنے تعینات تھی بٹ کی آواز سے خوف اور گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے اس نے مجھے بتایا کہ ملک میں مارشل لا نافذ ہوگیا ہے اور ایک میجر ایک ٹینک اور فوج کی بھاری نفری کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ کسی کو بھی بیرک کے باہر قدم نہ رکھنے دیا جائے اور تمام ہتھیار جمع کرا لیے جائیں۔ جب میں نے مسعود محمود کو اطلاع دینے کے لیے فون کیا تو معلوم ہوا ان کی لائن کٹ چکی ہے۔ عجیب گومگو کا عالم تھا۔ اتنے میں ہیڈ کوارٹر سے یہ ہدایت موصول ہوئی کہ میں ٹھیک چھ بجے کور ہیڈ کوارٹر میں جنرل چشتی کے پاس پہنچ جاؤں چنانچہ میں وقت مقررہ پر کور ہیڈ کواٹر پہنچ گیا۔ وہاں پر عجیب منظر دیکھنے میں آیا۔ جنرل چشتی کی پشت پر کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہاں پر نو گرفتار وزراء سیاست دان اور چند اعلیٰ حکام سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ پیر صاحب پگارا حسب عادت خوب چہک رہے تھے۔ اگرچہ جولائی کا مہینہ تھا مگر کیبنٹ سیکریٹری وقار احمد کمبل اوڑھنے کے باوجود خوف سے کانپ رہے تھے۔ ان کی حالت زار دیکھ کر پیر صاحب نے کہا "اس بیچارے پر کوئی لحاف ڈال دو وگرنہ مرجائے گا" کمرے کے ایک کونے میں وزیر با تدبیر حفیظ پیرزادہ گہری سوچ میں مبتلا تھے۔ موصوف کا یہ حال تھا کہ سلیپنگ سوٹ پہنے ہوئے تھے اور پاؤں میں جوتے نہ تھے۔"

محمد حنیف رامے نے بتایا: ایک دن مولانا کوثر نیازی کا فون آیا اور شکایت کی کہ سب ان کو حج کی مبارکباد دینے آئے ہیں مگر ان کا بھائی محمد حنیف رامے مبارک دینے کے لیے نہیں آیا۔ میں نے مولانا

سے پوچھا کہ آپ کہاں ہیں انہوں نے بتایا کہ ریواز گارڈن والے گھر میں ہوں میں نے کہا کہ ابھی ان کو ملنے کے لیے آتا ہوں۔ مولانا نے کہا آجائیں۔ میں مولانا کے گھر گیا تو وہ مجھے خصوصی حجرے میں لے گئے۔ مولانا فرمانے لگے ''حنیف آپ بھٹو صاحب سے مل کر آجاتے ہیں جب کہ سیاست اس وقت شروع ہوتی ہے جب جام چھلکتے ہیں۔ آپ بھٹو صاحب کو بتاؤ کہ میں شراب پیتا ہوں تاکہ وہ مجھے خصوصی محفل میں بلائیں'' حنیف رامے نے بھٹو صاحب سے بات کی تو وہ کہنے لگے کہ پارٹی کے لیے بہتر یہ ہے کہ مولانا کی عوام میں عزت برقرار رہے حنیف مولانا کو سمجھاؤ۔ میں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ مولانا کو شراب کوکا کولا میں ڈال کر دے دی جائے اس طرح مولانا کی ضد بھی پوری ہو جائے گی اور ان کا بھرم بھی قائم رہے گا۔ بھٹو نے میری بات مان لی۔

بھٹو عوام کے حالات جاننے کے لیے کھلی کچہریاں لگایا کرتے تھے۔ گوجرانوالہ کی کھلی کچہری میں بانی رکن فاضل رشیدی نے اپنی تقریر میں کہا ''میرے قائد آپ انتخابات سے پہلے میرے گھر پر تشریف لائے تھے'' بھٹو صاحب نے فوراً جواب دیا'' ہاں مجھے یاد ہے تم نے مجھے ٹھنڈی چائے پلائی تھی'' بھٹو صاحب کا حافظہ کمال کا تھا۔

عوامی شاعر حبیب جالب راوی ہیں: حبیب جالب سے میرے آخری دم تک احترام اور عقیدت کے مراسم رہے ایک روز حبیب جالب نے مجھے بتایا کہ انہوں نے 70 کلفٹن کراچی میں ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کی ان کے پاس سندھ کے چند وڈیرے بھی بیٹھے تھے۔ بھٹو نے جالب سے کلام سنانے کی فرمائش کی جالب نے ترنم کے ساتھ یہ نظم سنا دی۔

کھیت وڈیروں سے لے لو
ملیں لٹیروں سے لے لو
ملک اندھیروں سے لے لو
رہے نہ کوئی عالی جاہ
پاکستان کا مطلب کیا
لا الہ الا اللہ.........

جب وڈیرے اٹھ کر چلے گئے تو بھٹو نے جالب سے گلہ کیا کہ ''تم نے وڈیروں کے سامنے یہ نظم سنا دی۔ جالب نے کہا ''بھٹو صاحب یہ میری نظم ہے آپ کی تقریر نہیں جو لیاقت باغ راولپنڈی میں کچھ ہو اور نشتر پارک کراچی میں کچھ ہو'' (ق ن)

جنرل فیض علی چشتی کہتے ہیں: ''میں جنرل ٹکا خاں کا ملٹری سیکریٹری تھا۔ ٹکا خاں نے مجھے بتایا کہ بھٹو نے انہیں ایک سال کی ایکسٹینشن دینے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ یہ

http://www.apnaorg.com

کام نہ کریں۔ ٹکا خان نے کہا کہ ان کی بیوی بھی توسیع کے خلاف ہے۔ جنرل ٹکا اور میں نے فوج کے ریکارڈ کے پیش نظر جنرل اکبر خان اور جنرل شریف کو آرمی چیف بنانے کی سفارش کی اپنے نوٹ میں یہ بھی لکھا کہ جنرل آفتاب جنرل اعوان اور جنرل جیلانی اس پوسٹ کے لیے فٹ نہیں ہیں اسی طرح جنرل مجید ملک اور ضیاء الحق ابھی نئے کور کمانڈر بنے ہیں ان پر بھی غور نہیں ہوسکتا ان سفارشات کے باوجود جنرل ضیاء الحق کو آرمی چیف بنا دیا گیا۔"

"جب جنرل ضیاء الحق چیف آف آرمی سٹاف بنے تو میں بطور ملٹری سیکریٹری فوجی سروس کا گاڈ فادر تھا میں ہر بات پر انہیں ٹوکتا رہا۔ میں انہیں کہتا آپ کو دونوں ہاتھوں سے ہاتھ نہیں ملانا چاہیے آپ کی ٹوپی مناسب نہیں ہوتی۔ آپ کو پیروں کو پیسے نہیں دینے چاہئیں۔ آپ کو جھک کر نہیں ملنا چاہیے فوج ان باتوں کو پسند نہیں کرتی ان کے اندر لاوا پکتا رہا۔ ایک اجلاس میں ان سے کہا کہ آپ کو الیکشن کرا دینے چاہئیں جنرل ضیاء الحق نے فائل زمین پر دے ماری اور غصے سے کہا کہ تم چیف بن جاؤ تم ہمیشہ ڈکٹیٹ کرتے رہتے ہو۔"

"ایک دن ضیاء الحق کے دفتر میں سیاست دان جمع تھے وہاں پر جسٹس انوار الحق اور مفتی محمود بھی تھے۔ مفتی محمود نے مجھ سے پوچھا کہ الیکشن کب کرا رہے ہو۔ میں نے کہا جسٹس انوار الحق نے نصرت بھٹو کیس میں چھ ماہ کا وقت دیا تھا وہ وقت گزر گیا ہے۔ میں نے انوار الحق کو کہا آپ توہین عدالت کے مقدمے میں آج ضیاء الحق کو جیل بھیج دیں ہم انتخابات کروا دیں گے۔"

"چوہدری ظہور الٰہی میرے دوست تھے ہمیشہ مجھے کہتے کہ جنرل ضیاء الحق کا ساتھ دو میں ان سے کہتا کہ ضیاء الحق کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ ایک دن ظہور الٰہی میرے گھر آئے ہوئے تھے۔ کہنے لگے تم ٹھیک کہتے ہو ضیاء الحق پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ظہور الٰہی نے بتایا کہ انہوں نے ضیاء الحق کو راہ راست پر آنے کے لیے کہا ہے اگر وہ نہیں آئیں گے تو ہم کچھ کریں گے۔ میں نے پوچھا آپ کیا کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ جو کریں گے آپ دیکھیں گے............دوسرے ہی دن ظہور الٰہی کے قتل کی خبر آ گئی۔

میاں نواز شریف کے دور میں غوث علی شاہ سندھ کے وزیراعلیٰ تھے ان کے پرائیویٹ سیکریٹری نے بتایا کہ شاہ صاحب مالیاتی امور کے بارے میں فائلیں واپس نہیں کرتے تھے میں نے ان سے پوچھا تو کہنے لگے "بابا اتنا پیسہ جا رہا ہے اور ہمیں کچھ پتہ نہیں ہے۔" اس کے بعد ان کی خواہش پر عمل ہوتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد ان کے ٹی اے ڈی اے مبلغ چھپالیس ہزار روپے کے سلسلے میں فائل ان کو بھیجی تو انہوں نے دستخط کیے بغیر واپس کر دی۔ فائل دوبارہ پیش کی تو انہوں نے دستخط کیے بغیر پھر واپس کر

دی۔ میں نے پوچھا تو کہنے لگے کہ" =/45000 روپے جا رہے ہیں اور ہمیں پتہ نہیں۔" میں نے کہا جناب =/45000 روپے جا نہیں رہے بلکہ آ رہے ہیں اور یہ آپ کا الاؤنس ہے جو آپ کے اکاؤنٹ میں جمع ہوگا۔"

اعتزاز احسن نے بتایا: میں اور فاروق لغاری ساہیوال جیل میں نظر بند تھے۔ مارشل لاء انتظامیہ ہر تین ماہ بعد نظر بندی میں اضافہ کر دیتی تھی۔ جمال لغاری نے بتایا کہ فاروق لغاری کی نظر بندی میں مزید توسیع نہیں ہوگی۔ نظر بندی کی مدت ختم ہونے سے ایک دن پہلے فاروق لغاری نے جیل سپرنٹنڈنٹ سے کہا کھانے کی اشیاء قیدیوں میں بانٹ دیں۔ چند چیزیں اعتزاز کے پاس رہیں گی۔ میں کل صبح رہا نہیں ہوں گا۔ بارہ بجے رہا ہوں گا اور پھر چوٹی جاؤں گا۔" دوسرے دن جیل کا سپرنٹنڈنٹ ہماری بیرک کی جانب آ رہا تھا چند ملازمین کرسیاں اور چائے بھی لا رہے تھے۔ فاروق لغاری نے ان کو دیکھ کر کہا اعزاز دیکھو سپرنٹنڈنٹ الوداعی ملاقات کے لیے آ رہا ہے۔ سپرنٹنڈنٹ بیرک میں آیا تو بیٹھنے کے بعد اس نے مجھے اشارہ کیا کہ فاروق لغاری رہا نہیں ہو رہے ان کو بتا دو۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا خود بتاؤ۔ سپرنٹنڈنٹ نے جب فاروق لغاری کو بتایا کہ وہ رہا نہیں ہو رہے تو وہ جوش میں آ گئے اور کہنے لگے۔"یہ سب نان سینس ہے۔ ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل سروپ نے میرے بیٹے جمال کو ملاقات میں کہا کہ میری نظر بندی میں توسیع نہیں ہو رہی۔ توسیع کے آرڈر کہاں ہیں مجھے آرڈر دکھاؤ" جیل سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ کرنل کا فون آیا تھا۔ فاروق لغاری نے کہا کہ مجھے تحریری آرڈر دکھاؤ اور سروپ سے بات کرو۔ تھوڑی دیر بعد سروپ کا فون آیا اس نے سپرنٹنڈنٹ کو گالیاں دیں اور کہا اگر لغاری کو رہا کیا تو تمہیں اس کی بیرک میں پنکھے سے لٹکا کر پنکھے کو چلا دوں گا۔ سپرنٹنڈنٹ نے فاروق لغاری کو یہ الفاظ بتائے تو وہ کہنے لگے کہ وقت آنے پر وہ سروپ کو فکس اَپ کر دیں گے۔ 1993 میں محترمہ بے نظیر بھٹو دوبارہ اقتدار میں آئیں تو انہوں نے مجھے گورنر پنجاب بنانے کا وعدہ کیا۔ فاروق لغاری پاکستان کے صدر تھے جن کے دستخط سے صوبوں کے گورنر نامزد ہوتے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ پنجاب کا گورنر بن جاؤں گا اور صوبے کی خدمت کا موقع ملے گا۔ میری حیرانی کی انتہا نہ رہی جب میں نے ٹیلی ویژن کے خبرنامہ میں یہ خبر سنی کی جنرل سروپ کو پنجاب کا گورنر نامزد کر دیا گیا ہے۔ مقصود لغاری کی بیٹی کی شادی پر میری فاروق لغاری سے ملاقات ہوئی میں نے ان کو الگ لے جا کر پوچھا آپ نے جنرل سروپ کو فکس اَپ کر دیا؟

15 اپریل 1999ء کو جسٹس ملک قیوم اور جسٹس نجم الحسن کاظمی پر مشتمل احتساب بنچ نے بے نظیر کو ایس جی ایس کوٹیکنا کیس میں سزا سنا دی۔ بے نظیر نے افتخار گیلانی لطیف کھوسہ اور مجھے دوبئی میں مشورے کے لیے بلا لیا میں نے بے نظیر کو مشورہ دیا کہ سپریم کورٹ ان کی ضمانت منظور کر لے گی اگر وہ

کہیں تو ہم ضمانت قبل از گرفتاری بھی حاصل کر لیں گے لہٰذا وہ پاکستان واپس آجائیں۔ میرے دلائل سن کر بے نظیر وطن واپسی کے لیے آمادہ ہوگئیں۔ ان کی اس موقع پر وطن واپسی خود ان کے اور پارٹی کے مفاد میں تھی۔ میرے بعد افتخار گیلانی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ بی بی میں اعتزاز کی نیت پر شک نہیں کرتا مگر میں یقین سے کہتا ہوں کہ حکومت آپ کو کبھی آزاد نہیں چھوڑے گی۔ افتخار گیلانی جذباتی ہوگئے ان کی آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں اور کہنے لگے کہ معصوم بلاول اور بختاور کا کیا بنے گا۔ بی بی آپ بچوں کا خیال کریں اور اس موقع پر پاکستان واپس نہ جائیں۔افتخار گیلانی کے آنسو دیکھ کر بینظیر نے ارادہ بدل لیا۔ افتخار گیلانی مسلم لیگ (ق) میں شامل ہوگئے۔ پی پی پی اور بی بی نے تاریخی موقع کھودیا۔''

فاروق لغاری نے بتایا: محترمہ بے نظیر سجاد علی شاہ سے ناراض ہوگئیں اور اسے چیف جسٹس کے عہدے سے فارغ کرنے کے لیے ضد کر بیٹھیں۔ ایک روز انہوں نے ایک خصوصی میٹنگ بلائی جس میں خواجہ طارق رحیم۔ احمد سعید اعوان اور فقیر حسین کھوکھر شریک تھے میں بھی اس میٹنگ میں موجود تھا۔ بے نظیر سجاد علی شاہ کے خلاف دلائل دیتی رہیں میں نے ان سے اختلاف کیا۔ آخر میں بے نظیر نے کہا کہ سجاد علی شاہ نے رشوت لی ہے۔ میں نے کہا اگر رشوت کا ثبوت موجود ہے تو پھر سجاد علی شاہ کو فارغ کیا جاسکتا ہے۔ بے نظیر نے کہا کہ سجاد علی شاہ نے اپنی بیٹی کی شادی پر خود ان سے گفٹ لیا ہے جو ضابطہ اخلاق کے منافی اقدام ہے۔ میں نے کہا بی بی مجھے علم ہے کہ آپ نے 3×4 فٹ کا ایک قالین گفٹ دیا اور اسی سائز کا کارپٹ میں نے بھی گفٹ دیا۔ اس طرح تو وزیراعظم اور صدر دونوں نے ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کی۔ یہ میٹنگ کسی نتیجہ پر پہنچے بغیر ختم ہوگئی۔

اسلم گورداسپوری نے بتایا: میں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ آپ سب کو پارٹی کے عہدے دے رہے ہیں میں بانی رکن ہوں مجھے بھی عہدہ دیں۔ بھٹو صاحب نے کہا ''اسلم میں قائد عوام ہوں تم شاعر عوام ہو اس سے بڑا عہدہ تمہارے لیے اور کیا ہوگا''

راؤ رشید سابق آئی جی پنجاب نے بتایا: بھٹو صدارتی نظام کے حامی تھے ان کی خواہش تھی کہ 1973ء کا آئین سٹرکچر کے لحاظ سے پارلیمانی ہو مگر پاور کے لحاظ سے صدارتی ہو۔ وہ پنجاب سے ایک کمزور وزیراعظم چاہتے تھے۔ بھٹو نے آئین کے بارے میں کھر سے مشورہ کیا کھر کمزور وزیراعظم کا رول ادا کرنے کے لیے رضا مند ہوگئے اور بھٹو نے کھر کو وزیراعظم بنانے کا وعدہ کر لیا۔ 1973ء کا آئین نافذ ہوا اور بھٹو خود وزیراعظم بن گئے تو کھر نے ان کو وعدہ یاد دلایا۔ بھٹو سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ وہ کھر کو پنجاب کا گورنر ہی رکھیں گے اور وزیراعلیٰ نہیں بنائیں گے۔ بھٹو صاحب نے ایک دن بتایا کہ گورنر بننے کے بعد کھر کا دماغ خراب ہوگیا ہے ایک استقبالیہ میں کھر نے فوج کے سینئر آفیسر

وزیراعظم کے ملٹری سیکریٹری کرنل ذوالفقار کو انگلی کے اشارے سے بلایا۔ بھٹو نے دیکھ لیا اور اس حرکت کو پسند نہ کیا۔ کھر امریکہ گیا اور امریکی صدر نکسن سے ملاقات کی اور بھٹو کو اعتماد میں نہ لیا امریکہ کھر کو وزیراعظم بنانا چاہتا تھا، کھر کے گورنر کے عہدے سے الگ ہونے کے بعد بھی بھٹو کی کھر سے دوستی قائم رہی بھٹو لاہور آتے تو کھر کے گھر پر ہی ٹھہرتے۔ ایک دن بھٹو کو خفیہ ایجنسیوں نے بتایا کہ کھر آج رات بھٹو کو قتل کرادے گا۔ بھٹو رات کے دو بجے کھر ہاؤس سے گورنر ہاؤس منتقل ہوگئے۔ جب حنیف رامے وزیراعلیٰ پنجاب بنے تو میری آئی جی پنجاب کی حیثیت سے بھٹو صاحب سے ون ٹو ون ملاقات ہوئی لاہور کے انتخابی حلقہ نمبر 6 سے مصطفیٰ کھر پی پی پی کے امیدوار شیر محمد بھٹی کے مقابلہ میں ضمنی انتخاب لڑ رہا تھا اپوزیشن کھر کو سپورٹ کررہی تھی۔ بھٹو صاحب نے کہا ''جس کو پنجاب میں وزیراعلیٰ لگاتا ہوں میرے خلاف ہوجاتا ہے۔ کھر کو کپڑے پہننے نہیں آتے تھے میں نے اسے سلیقہ سکھایا۔ وہ میرے کپڑے اور جوتے پہنتا تھا۔ ڈرائیور کے طور پر میرے ساتھ رہتا۔ اس کا دماغ خراب ہوگیا اور اس نے وزیراعظم بننے کے خواب دیکھنے شروع کردیئے۔ حنیف رامے کو وزیراعلیٰ لگایا تو اس کا دماغ خراب ہوگیا وہ سمجھنے لگا کہ ذہانت کے لحاظ سے وزیراعظم اس کو ہونا چاہیئے۔

عمر حیات سیال نے بھٹو کو جھنگ کے دورے کی دعوت دی بھٹو نے قبول کرلی پبلک جلسہ میں عوام نے شیر پنجاب کھر کے نعرے لگانے شروع کردیئے کھر نے لوگوں سے کہا کہ بھٹو کے نعرے لگائیں اس کے باوجود لوگ کھر کے نعرے لگاتے رہے۔ کھر نے یہ تاثر دیا کہ وہ لوگوں کو بھٹو کے نعرے لگانے کے لیے کہہ رہا ہے۔ اس کے باوجود لوگ کھر کے نعرے لگا رہے ہیں۔ جلسے میں ایک بابا فریاد کررہا تھا بھٹو نے ایس پی کو اشارہ کیا کہ بابے کو چپ کراؤ۔ ایس پی نے بابے کو دھکا دیا وہ زمین پر گر گیا۔ کھر نے جوش میں آکر ایس پی کو تھپڑ مار دیا بھٹو صاحب نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"Have you already taken over, ok take over, take over"

''کیا تم نے اقتدار اپنے کنٹرول میں لے لیا ہے اوکے تم اقتدار سنبھال لو۔ اقتدار سنبھال لو''

لغاری قبیلے کا ایک سردار جنرل سوار خان کو ملا اور کہا کہ آپ نے ہمارے قبیلے کے سردار کو گرفتار کررکھا ہے سوار خان نے کہا اس سے کہو سرداری کرے سیاست نہ کرے تو ہم اس کو رہا کردیں گے۔ اس کے بعد فاروق لغاری کو ساہیوال جیل سے لاہور گھر پر نظر بند کردیا گیا محمود ہارون نے ان سے ملاقات کی اور معاہدہ ہوگیا کہ ان کو رہا کردیا جائے تو وہ سیکریٹری جنرل کے عہدے سے استعفیٰ دے دیں گے۔ چنانچہ رہائی کے بعد لغاری مستعفی ہوگئے بے نظیر نے مجھے کہا کہ لغاری سے ملیں اور استعفیٰ کے بارے میں پتہ کریں۔ میں نے لغاری سے ملاقات کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنے قبیلے کے لیے کام کرنا چاہتے ہیں کیونکہ بلوچستان میں جو بغاوت ہوئی ہے اس کا اثر لغاری قبیلے پر بھی پڑ رہا ہے۔ لہٰذا ان کے پاس اب پارٹی کے لیے وقت نہیں ہے۔

بے نظیر اختلاف رائے کی بناء پر معراج خالد افضل سندھو میاں احسان الحق اور میرے خلاف ہوگئیں ہمیں چارکارٹولہ مشہور کر دیا۔ فاروق لغاری نے سازش کی اور بے نظیر کو مشورہ دیا کہ پنجاب کے سب اراکین سینٹرل ایگزیکٹو بی بی کو استعفے پیش کر دیں۔ پنجاب کے سب اراکین نے استعفے دے دیئے۔ بے نظیر نے ہم چاروں کے منظور کر لیے اور باقی اراکین کے منظور نہ کیے۔

بھٹو کے قریبی ذرائع کے مطابق: بھٹو نے جب مولانا کوثر نیازی کو مذہبی امور کا وفاقی وزیر بنایا تو سعودی عرب کے شاہ فیصل سخت ناراض ہوئے شاہ فیصل بھٹو کو اپنا بیٹا سمجھتے تھے انہوں نے وزیراعظم کے نام خط لکھ کر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ بھٹو نے مولانا کوثر نیازی کو بلایا اور شاہ فیصل کا خط دکھایا۔ مولانا نے کہا کہ اگر وہ تحریری معافی نامہ لے آئیں تو ان کی وزارت بچ جائے گی بھٹو نے کہا بالکل بچ جائے گی۔ مولانا نیازی سعودی عرب پہنچے اور شاہ فیصل سے ملاقات کے لئے منت سماجت کرتے رہے آخر پانچ دن کے بعد انہیں ملاقات کا موقع مل گیا۔ کوثر نیازی شاہ فیصل کو دیکھتے ہی ان کے قدموں پر گر گئے اور جب تک شاہ فیصل نے ان کو معاف نہ کر دیا وہ ان کے قدموں پر گرے رہے۔

رفیع رضا راوی ہیں: ڈاکٹر مبشر نے بھٹو سے ایک ملاقات میں کہا کہ ان کے عزیزوں اور نوکروں نے کرپشن کی ہے۔ بھٹو کی آنکھوں میں آنسو آگئے انہوں نے اس وقت سٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن کے چیئرمین سے فون پر بات کی اور پوچھا کیا کبھی انہوں نے کسی عزیز یا اپنے نوکر کی سفارش کی ہے بھٹو نے چیئرمین سٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن کی ڈاکٹر مبشر سے بات بھی کرائی۔

ڈاکٹر مبشر حسن نے بیان کیا: ناصر علی رضوی تعمیرات اور ہاؤسنگ کے وفاقی وزیر تھے انہوں نے ہیلی کاپٹر خریدنے کے لیے ٹینڈر طلب کیے۔ میں نے وزیراعظم بھٹو کو رپورٹ دی کہ آپ کی کابینہ کا وزیر ذاتی استعمال کے لیے ہیلی کاپٹر خرید رہا ہے اس رپورٹ پر بھٹو نے ناصر علی رضوی سے استعفیٰ لے لیا۔

ایک دن میں نے ایوان صدر میں بھٹو کا ذاتی فون چیک کرنے کی اجازت لی فون کے اندر ٹیپ کرنے کا آلہ لگا ہوا تھا۔ بھٹو نے کہا "یہ حرام زادے میرا ٹیلی فون بھی ٹیپ کرتے ہیں۔ بھٹو نے نصرت کو بلایا اور انہیں ٹیپ کرنے کا آلہ دکھایا۔ بیگم صاحبہ نے کہا اس قسم کا آلہ تو گھر کے تمام ٹیلی فونوں پر لگا ہوا ہے اور ان کا خیال تھا کہ شاید آپ نے خود یہ آلے لگوائے ہیں تاکہ بچے لڑکیوں سے باتیں نہ کریں۔

ایک دن چیف سیکریٹری پنجاب میرے گھر آیا اور مجھے بتایا کہ اسے فیڈرل گورنمنٹ سے ایک رپورٹ ملی ہے کہ کچھ لوگ مجھے اور حفیظ پیرزادہ کو قتل کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ لہٰذا میری حفاظت کے لئے میرے گھر پر پولیس کی گارڈ لگائی جا رہی ہے۔ میں سمجھ گیا اس اقدام کا مقصد پی پی کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا ہے۔

ایک دن میں بھٹو سے ملاقات کے لئے گیا وہ اچانک مجھے امریکی سفیر کے گھر لے گئے اور

امریکی سفیر کے سامنے مجھے پوچھنے لگے "ڈاکٹر آپ لوگ میرے خلاف کیوں ہیں" میں نے پریشان ہو کر پوچھا کہ آپ کن لوگوں کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ بھٹو نے قدرے توقف کے بعد کھر کا نام لیا۔

بھٹو نے اپنی آخری کتاب میں تحریر کیا: "مسٹر افضل سعید کی بیوی مولانا مودودی کی بھانجی ہے اس کی نشاندہی مجھے اس وقت کی گئی جب میں اپنے سیکریٹری کی حیثیت سے افضل سعید کی تقرری پر غور کررہا تھا۔ اس رشتے داری پر مبنی اعتراض کو میں نے اس لئے مسترد کر دیا کہ میرے پاس چھپانے کو کچھ نہیں تھا"

آفتاب شیر پاؤ نے بیان کیا: 1996ء میں جنرل نصیر اللہ بابر اور میں نے ایوان صدر میں فاروق لغاری سے ملاقات کی اور ان افواہوں کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا جن کے مطابق وہ بے نظیر بھٹو کی حکومت برطرف کرنے والے تھے۔ فاروق لغاری نے کہا۔ "اگر فوج میرے سر پر بندوق بھی رکھ دے تو میں حکومت برطرف نہیں کروں گا۔ میری ساری زندگی آٹھویں ترمیم کے خلاف لڑتے ہوئے گزری ہے تو پھر میں آٹھویں ترمیم کیسے استعمال کرسکتا ہوں۔ مجھے آٹھویں ترمیم کا سخت مخالف ہونے کی بناء پر صدر بنایا گیا تھا۔ میں بلوچ ہوں بے نظیر میری بہن ہے۔ میں اپنی بہن کے ساتھ بے وفائی کیسے کرسکتا ہوں"

سابق جج اور اٹارنی جنرل پاکستان فخر الدین جی ابراہیم بیان کرتے ہیں: جب جنرل ضیاء الحق نے 5 جولائی 1977ء کو مارشل لاء لگایا تو وہ بڑے پریشان تھے کہ عدلیہ کا کیا ردعمل ہوگا۔ اس وقت لاء سیکریٹری عبدالحیٔ قریشی تھے ان کو رات 3 بجے اٹھایا گیا اور ان سے رائے لی گئی جنرل ضیاء الحق نے کہا کہ وہ چیف جسٹس صاحبان کو صوبوں کے گورنر بنانا چاہتے ہیں اگر یہ لوگ گورنر بن جائیں تو حکومت کی آئینی اور قانونی ساکھ بحال ہوجائے گی۔ عبدالحیٔ قریشی نے رات پانچ بجے صدر کو اطلاع دی کہ سارے چیف جسٹس گورنر بننے پر رضامند ہیں۔ اس طرح عدلیہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔

ملک معراج خالد کی نگران حکومت میں سب سے پہلے تو لاء سیکریٹری پر اختلاف ہوا پھر میرے استعفیٰ تک یہ جگہ خالی رہی بعد ازاں احتساب کے قانون میں اختلاف ہوا کہ میرے مجوزہ قانون میں کسی بھی صنعت کار جس کے 20 فیصد کنٹرولنگ حصص ہوں اور اس کی کمپنی ڈیفالٹ ہو اسے الیکشن لڑنے کا حق نہیں ہونا چاہئے اس پر شاہد حامد نے مجھے کراچی فون کیا کہ یہ تو غلط ہے دوسرے دن کابینہ کی میٹنگ تھی وہاں پر میں نے حقائق پیش کئے کہ 20 فیصد حصص والے ہی اصل مالک ہوتے ہیں ساری کابینہ نے اتفاق کیا تو شاہد حامد نے کہا کہ کل ایوان صدر میں دوبارہ کابینہ کا اجلاس ہوگا دوسرے دن کابینہ کے اجلاس میں شاہد حامد نے میاں نواز شریف کا خط پڑھا جس میں کہا گیا تھا کہ انہیں یہ قانون منظور نہیں ہے اس پر شاہد حامد نے کہا کہ انتخابات کا بائیکاٹ ہوجائے گا اور ہماری ساکھ مشکوک

ہو جائے گی میں نے اس کی مخالفت کی میری اور صدر لغاری کی سخت لہجے میں بات بھی ہوئی مگر اس کے باوجود کابینہ کے 3 ارکان صاحبزادہ یعقوب، ارشاد حقانی اور نجم سیٹھی نے میری حمایت کی اس کے چند روز بعد مجھے ملک معراج خالد نے بلایا اور کہا کہ تعلیم کی وزارت اچھی ہے۔ میں سادہ آدمی ہوں میں نے کہا مجھے شاید اضافی وزارت دینے والے ہیں میں نے کہا کہ یہ میرا کام نہیں ہے میں باہر نکلا تو باقر میرا دوست ہے اس نے کہا بات اور ہے یہ وزارت قانون آپ سے لینا چاہتے ہیں صبح میں صدر لغاری کے پاس گیا تو انہوں نے بھی مجھ سے آنکھ ملائے بغیر کہنا شروع کر دیا کہ تعلیم بہت اہم ہے آپ اس کی وزارت لے لیں اس دوران میں فیصلہ کر چکا تھا میں نے اس بارے میں صرف الطاف گوہر سے مشورہ کیا انہوں نے بھی میرے ساتھ اتفاق کیا کہ مستعفی ہو جانا چاہئے چنانچہ میں اسی روز مستعفی ہو گیا۔

بھٹو نے اپنی آخری کتاب میں جے اے رحیم کے بارے میں لکھا: ''پس ماندہ لاڑکانہ کے غریبوں نے جے اے رحیم کا کیا نقصان کیا تھا۔ اس کی لاڑکانہ میں بادشاہوں کی طرح آؤ بھگت کی گئی۔ اگر میں رحیم کی جگہ ہوتا تو لاڑکانہ کی مہمان نوازی کو فراموش نہ کرتا رحیم کی ذاتی زندگی سوشل نہ تھی اس نے زندگی میں ہمیشہ بداعتمادی اور ناروا سلوک کا مظاہرہ کیا۔ میں نے اس کے ساتھ دوستی کا مظاہرہ کیا اور اسے سینئر وزیر اور پی پی کا سیکریٹری جنرل بنایا''

---

2 جولائی 1974ء وزیراعظم بھٹو نے اپنے اہم وزراء مشیروں معاونین اور رفقاء کو وزیراعظم ہاؤس میں ڈنر پر بلایا۔ میٹنگ کا وقت 8 بجے رات تھا۔ جے اے رحیم جانتے تھے کہ بھٹو جلدی ڈنر کرنے کے عادی نہ تھے۔ جے اے رحیم ڈنر سے پہلے شراب پینے کے عادی تھے لہٰذا وہ وقت پر پہنچ گئے۔ بھٹو اپنے کمرے میں سرکاری کاموں میں مصروف تھے۔ تمام مہمان پرسکون بیٹھے تھے وزیراعظم کا ڈنر ان کے لیے اعزاز تھا۔ جے اے رحیم نے شاید زیادہ پی لی تھی اور ان کا معدہ خالی تھا۔ نصف شب کے بعد وہ غصے سے اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے ''آپ احمق خوشامدی جب تک چاہیں ''راجہ آف لاڑکانہ'' کا انتظار کر سکتے ہیں میں تو گھر جا رہا ہوں'' ان کے الفاظ کا کوئی ردعمل تو پیدا نہ ہوا البتہ بے چین مہمان ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ سب کو علم تھا کہ جے اے رحیم نے جو مظاہرہ کیا ہے بھٹو جیسا شخص اسے برداشت نہیں کرے گا۔

جے اے رحیم نے ایک بیان میں کہا: ''گھر پہنچنے کے بعد میں سو گیا صبح دس بجے کے بعد مجھے ملازم نے جگایا اور بتایا کہ گھر کے سامنے بہت سے لوگ ہیں اور دروازہ کھولنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ میں نے پستول پکڑا۔ ایف ایس ایف کے کچھ اہلکار دیوار پھلانگ کر میرے بیڈ روم میں داخل

http://www.apnaorg.com

ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نیچے اتر کر دروازے کی جانب گیا۔ وزیراعظم کے چیف سکیورٹی آفیسر سعید احمد خان نے کہا وہ وزیراعظم کا پیغام لے کر آیا ہے۔ میں نے اپنے نوکر سے کہا دروازہ کھول دو۔ جب دروازہ کھلا تو سعید احمد خان اور ایف ایس ایف کے اہلکار دوڑ کر اندر آ گئے جو رائفلز اور مشین گن سے مسلح تھے۔ نہ تو مجھے کوئی خط دیا گیا اور نہ ہی زبانی پیغام دیا مجھے مکے اور بندوقوں کے بٹ مارے گئے۔ مجھے زمین پر گرا دیا گیا اور پیشاب والی جگہ پر مارا گیا۔ میرے بیٹے سکندر نے مجھے بچانے کی کوشش کی اس کو بھی زدوکوب کیا گیا۔ میں بے ہوش ہو گیا۔ سعید احمد خان نے ایف ایس ایف کو حکم دیا کہ میرے بیٹے کو پکڑ لو۔ وہ ہمیں باہر لے جانے لگے میں ہوش میں تو آ گیا لیکن میرے لیے چلنا ممکن نہ تھا۔ مجھے ٹانگوں سے پکڑ کر گھسیٹا گیا اور جیپ میں ڈالا گیا۔ میری ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ مجھے طبی امداد مہیا نہ کی گئی۔ چند گھنٹوں کے بعد رفیع رضا پولیس سٹیشن پہنچا۔ وہ مجھے 3 بجے گھر واپس لے کر آ گیا۔ 20 جولائی کو مجھے کراچی لے جایا گیا کسی کو مجھے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ اس کے بعد میں یورپ چلا گیا۔''

شوکت مزاری نے بتایا: ''بھٹو پارٹی تنظیموں کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ میں پی پی پی ڈسٹرکٹ ڈیرہ غازی خان کا صدر تھا۔ بھٹو پارٹی اور ضلعی امور کے بارے میں خط میرے نام لکھتے تھے اور کاپی بلخ شیر مزاری ایم این اے کے نام ارسال کرتے تھے تاکہ پارٹی تنظیمیں مضبوط ہوں۔ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دوران محترمہ بے نظیر نے مجھے بتایا کہ بھٹو نے موت کی کوٹھڑی میں کہا ''شوکت مزاری ان چند لوگوں میں شامل ہیں جن پر محترمہ زندگی بھر اعتماد کر سکتی ہیں''

بیگم ہمایوں مرزا نے بتایا: بیگم نصرت بھٹو پی پی پی شعبہ خواتین کی انچارج تھیں انہوں نے 1976ء میں شعبہ خواتین کے انتخابات کرائے۔ فخر زمان نے بیگم بھٹو کی معاونت کی۔ بیگم ہمایوں مرزا لاہور سٹی کی صدر منتخب ہو گئیں۔ ضلع لاہور کی صدر عزیز بیگم منتخب ہوئیں لاہور میں خواتین کے 450 دفاتر قائم تھے۔ متحرک اور فعال خواتین میں بیگم نادرہ خاکوانی، شمیم نیازی، زبیدہ، نجمہ چوہان، بیگم نذر علی شاہ، آئمہ حسن، بیگم منصور ملک، طلعت یعقوب، ریحانہ سرور، افسر قزلباش، بیگم نسیم جہاں، بیگم آباد احمد، ریحانہ مشہدی، نرگس اعوان، کنیز فاطمہ، پارس جان، حشمت بی بی، صغیرہ اسلام، سمعیہ عثمان، نفیسہ خالد، مسز حسین علی، مسز عرفان، رقیہ سومرو، منیرہ شاکر، نصرت رشید شامل تھیں۔

مجھے محترمہ بے نظیر بھٹو کے ہمراہ سپین کے دورے پر جانے کا موقع ملا۔ محترمہ نے سپین اور گرد و نواح کے ملکوں میں تعینات پاکستان کے سفیروں کا اجلاس بلا رکھا تھا کینیا میں پاکستان کے سفیر میرے

کمرے میں ملاقات کے لیے آئے اور کہنے لگے کہ وہ میرے کالم روزنامہ جنگ میں پڑھتے رہتے ہیں اور مجھ سے بہت متاثر ہیں۔ انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''بھٹو سچ سنتے تھے مگر بے نظیر سچ سننے سے گریز کرتی ہیں'' میں نے انہیں کہا کہ میرا مشاہدہ یہ ہے کہ بے نظیر کے سامنے سچائی بیان کی جائے تو وہ سنتی ہیں۔ سفیر نے مجھ سے اتفاق نہ کیا اور انہوں نے یہی بات سفیروں کے اجلاس میں محترمہ کے سامنے بھی کہہ دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی کینیا واپسی سے پہلے ان کے پاکستان تبادلے کے آرڈر ان کی میز پر پہنچ چکے تھے۔ وہ سچ کہہ کر سفارت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔(ق ن)

محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی پہلی حکومت کے خاتمے کے بعد کراچی اور لاہور میں پارٹی کے پالیسی پلاننگ گروپ تشکیل دیئے کراچی میں گروپ کے انچارج کمال اظفر تھے جبکہ لاہور کا گروپ میری نگرانی میں کام کر رہا تھا۔ پالیسی پلاننگ گروپ لاہور میں حنیف رامے، شہناز وزیر علی، پرویز صالح، شاہد حسن، ایم اے کے چوہدری، افتخار الحق، ڈاکٹر رشید احمد خان، افضل ملک ،رانا اکرام ربانی، ڈاکٹر احمد سعید شامل تھے۔ گروپ نے اہم قومی مسائل پر ریسرچ پیپر تیار کئے۔ جنہیں سینٹرل ایگزیکٹو میں بھی پیش کیا گیا۔ پی پی پالیسی پلاننگ گروپ لاہور نے 1993ء کے انتخابات کے لیے پارٹی منشور بھی تیار کیا افتخار الحق نے اس منشور کی تیاری کے لیے دن رات کام کیا۔ جب محترمہ بے نظیر بھٹو دوبارہ اقتدار میں آئیں تو انہوں نے پی پی پالیسی پلاننگ گروپ کو نظر انداز کر دیا۔1993 میں جب محترمہ بے نظیر بھٹو دوبارہ برسر اقتدار آئیں تو پالیسی پلاننگ گروپ کے ایک وفد نے ایل ڈی اے کے ڈی جی اے یوسلیم سے ملاقات کی۔ اس وفد میں میرے علاوہ افتخار الحق، ایم اے کے چوہدری۔ پرویز صالح اور افضل ملک شامل تھے۔ ہم نے لاہور کے ترقیاتی کاموں کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ اے یوسلیم نے خواہش ظاہر کی کہ وزیراعظم لاہور کے بارے میں ان سے بریفنگ لیں۔ ہم نے شہناز وزیر علی کے ذریعے بے نظیر سے سفارش کی کہ وہ لاہور کے بارے میں بریفنگ لیں تاکہ لاہور میں ترقیاتی کام کرائے جاسکیں۔ بے نظیر نے جواب دیا کہ ترقیاتی کاموں کا فائدہ منظور وٹو کو پہنچے گا جو پنجاب کے وزیراعلیٰ تھے۔ بے نظیر نے ناہید خان کو بریفنگ لینے کے لیے لاہور بھیج دیا اور اے یوسلیم نے خود بریفنگ دینے کی بجائے کسی اور افسر کو بھیج دیا۔ پی پی لاہور میں اپنے ووٹ بینک میں اضافہ نہ کر سکی۔(ق ن)

میں 1993ء کے انتخابات کے پارلیمانی بورڈ کا ممبر تھا۔ پارٹی ٹکٹوں کے لیے مشورہ دیتا رہا میں نے لاہور کے انتخابی حلقہ 98 سے قومی اسمبلی کے ٹکٹ کے لیے درخواست دے رکھی تھی میں پارٹی کا سینئر رکن تھا اور سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کا ممبر تھا۔ میری حیرانگی کی انتہا نہ رہی جب میرے مقابلے میں میاں خالد سعید کو پارٹی ٹکٹ دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ میں نے بطور احتجاج جذباتی انداز میں واک آؤٹ

http://www.apnaorg.com

کیا فاروق لغاری مجھے اجلاس میں واپس لے آئے۔ میں نے محترمہ سے کہا کہ اگر ٹکٹوں کے فیصلے میرٹ پر نہ کئے گئے تو پارٹی لاہور سے ساری نشستیں ہار جائے گی۔ غلط فیصلوں کی وجہ سے پی پی پی لاہور میں قومی اسمبلی کی ایک نشست بھی نہ جیت سکی۔ میں ہر لحاظ سے قومی اسمبلی کے ٹکٹ کا حقدار تھا۔ میرے ساتھ یہ ناانصافی کی انتہا تھی۔ 1993ء کے انتخابات میں قاسم ضیاء (موجودہ صدر پی پی پی پنجاب) نے صوبائی اسمبلی کے لیے پارٹی ٹکٹ کی درخواست دے رکھی تھی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو چوہدری جعفر کو پارٹی ٹکٹ دینا چاہتی تھیں۔ اعتزاز احسن نے اصرار کیا کہ وہ جس حلقے میں قومی اسمبلی کے اُمیدوار ہیں اس کے ایک صوبائی حلقے میں قاسم ضیاء کو ٹکٹ دیا جائے۔ بے نظیر بھٹو نے کہا ''اعتزاز آپ نے میرے مقدمات عدالتوں میں لڑے کیا آپ ان کا معاوضہ قاسم ضیاء کی ٹکٹ کی صورت میں وصول کرنا چاہتے ہیں'' اعتزاز احسن نے جواب دیا ''بی بی آپ یہی سمجھ لیں'' اس طرح قاسم ضیاء کو صوبائی اسمبلی کا ٹکٹ مل گیا۔ (ق ن)

میں نے پی پی پی سینٹرل سیکریٹریٹ لاہور کا دفتر نہایت کم اخراجات میں چلا کر مثال قائم کی۔ سابق سیکریٹری داخلہ ایم اے کے چوہدری بھی مرکزی کوآرڈی نیٹر کی حیثیت سے اسی سیکریٹریٹ میں بیٹھ کر فرائض انجام دیتے تھے۔ ہم نے گیارہ لاکھ روپے پارٹی فنڈ فکس ڈیپازٹ میں جمع کرا رکھا تھا جس کے ماہانہ منافع سے دفتر کے اخراجات پورے کرتے تھے۔ بینک اکاؤنٹ میرے اور ایم اے کے چوہدری کے نام تھا۔ بعد میں چوہدری صاحب نے بوجوہ بنک کے ریکارڈ سے اپنا نام واپس لے کر افتخار الحق کو دستخط کرنے کا اختیار دے دیا۔ دفتر کے لیے دو کمرے سینیٹر گلزار خان نے دے رکھے تھے جبکہ ہم تنخواہ کے بغیر کام کرتے تھے۔ 1996ء میں جب فاروق لغاری نے محترمہ کی حکومت برطرف کی اس وقت میں متروکہ اوقاف کا چیئرمین تھا میں اس پوزیشن پر کام کرتا رہا اور پی پی پی کی عملی سیاست سے علیحدہ ہوگیا۔ محترمہ نے پارٹی فنڈ کی واپسی کا تقاضا نہ کیا وہ شاید بھول چکی تھیں میں نے اپنی بیگم کو محترمہ سے ملاقات کے لیے بھیجا تاکہ ان سے پارٹی فنڈ کی واپسی کے بارے میں پوچھ سکوں۔ میری بیگم کی محترمہ سے ملاقات نہ ہوسکی میں نے شکیلہ رشید سے رابطہ کیا اور ان سے گزارش کی کہ محترمہ سے پوچھ کر بتائیں کہ ان کی امانت کس کے حوالے کروں۔ محترمہ نے فرمایا کہ پارٹی فنڈ فیڈرل کونسل کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیا جائے۔ میں نے بارہ لاکھ روپے کا بینک ڈرافٹ بنوا کر ناہید خان کو روانہ کر دیا۔ سیاسی تاریخ کی یہ منفرد مثال تھی کہ قیادت کے مطالبے کے بغیر بارہ لاکھ روپے کا پارٹی فنڈ رضا کارانہ طور پر واپس کیا گیا۔ (ق ن)

1977ء کے مارشل لاء کے بعد جب محترمہ عملی سیاست میں شریک ہوئیں تو انہیں پارٹی سیاست کا تجربہ نہیں تھا لہٰذا پارٹی کے اندر گروپ مختلف انداز سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے۔ شیخ رشید گروپ کے خلاف ایک حربہ یہ استعمال کیا گیا کہ ورکرز میٹنگ کی جعلی تصویریں بنائی گئیں جن میں شیخ

رشید کی تصویر صدارت کی کرسی پر رکھی جاتی اور بے نظیر بھٹو کو تصویریں پیش کر کے یہ تاثر دیا جاتا کہ شیخ رشید کے حامی بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو کی بجائے شیخ رشید کی تصویر کی صدارت میں اجلاس کرتے ہیں۔(ق ن)

محترمہ بے نظیر بھٹو کو پنجاب کے ایسے لیڈر کی ضرورت تھی جو ان کے ساتھ 70 کلفٹن کراچی میں کام کرے اور پنجاب کے کارکنوں اور راہنماؤں کی شناخت کر کے محترمہ سے ان کی ملاقاتیں کرا سکے۔ محترمہ نے خواہش ظاہر کی کہ جہانگیر بدر یا قیوم نظامی میں سے ایک کراچی پہنچ جائے میں سیاست کے ساتھ پبلشنگ کے کاروبار میں اپنے والد کی معاونت کرتا تھا لہٰذا میں نے معذرت کر لی اور جہانگیر بدر کراچی چلے گئے اس طرح انہیں محترمہ کے قریب آنے کا موقع مل گیا۔(ق ن)

1990ء کے انتخابات کے سلسلے میں بلاول ہاؤس کراچی میں پارٹی کا ایک اجلاس ہوا جس میں پارٹی ٹکٹوں کا فیصلہ کیا گیا۔ رانا شوکت محمود نے لاہور سے شیخ رشید کے مقابلے میں پارٹی ٹکٹ کے لیے درخواست دے رکھی تھی۔ رانا شوکت نے شیخ رشید کے خلاف تقریر کی اور کہا کہ وہ لاہور کے اس انتخابی حلقے سے انتخاب نہیں جیت سکتے۔ لہٰذا ٹکٹ انہیں دیا جائے۔ بے نظیر بھٹو کا جھکاؤ رانا شوکت کی جانب تھا جبکہ شیخ رشید پارٹی کے سینئر وائس چیئرمین تھے انہوں نے احتجاج کے طور پر واک آؤٹ کر دیا۔ محترمہ نے ناہید خان کو شیخ رشید کو واپس لانے کے لیے بھیجا اس طرح انہیں پارٹی ٹکٹ مل گیا۔(ق ن)

1995ء کے آخر میں محترمہ بے نظیر بھٹو نے پی پی پی سینٹرل ایگزیکٹو سے بیگم عابدہ ملک، غیاث الدین جانباز اور مجھے نکال دیا۔ یہ اتفاق تھا کہ ہم تینوں اختلاف رائے کی جرأت کرتے رہتے تھے۔ عابدہ ملک نے اس غم کو دل سے لگا لیا اور فوت ہو گئیں۔ غیاث الدین جانباز مولانا اکرم اعوان کی مذہبی تنظیم میں چلے گئے جبکہ میں فاروق لغاری کی ملت پارٹی میں کچھ عرصہ گزار کر پی پی پی میں واپس آ گیا۔(ق ن)

1990ء کے انتخابات میں محترمہ جمعیت العلمائے پاکستان کے جنرل انصاری کو شاہدرہ لاہور سے پارٹی ٹکٹ دینا چاہتی تھیں جبکہ اس حلقے سے پارٹی کے سیکریٹری جنرل شیخ رفیق احمد انتخاب لڑتے تھے پارٹی کے اجلاس میں جب شیخ رفیق کو علم ہوا کہ وہ پارٹی ٹکٹ سے محروم ہو رہے ہیں تو وہ جذباتی ہو گئے اور اونچی آواز میں بولنا شروع کر دیا۔ محترمہ نے بڑی مشکل سے صورت حال کو سنبھالا۔

1977ء میں شیخ رشید نے مجھے بتایا کہ بھٹو صاحب نے مجھے لاہور پی پی پی کا صدر بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ نوٹیفکیشن سے پہلے بھٹو صاحب نے ملک معراج خالد سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھٹو صاحب کو بتایا کہ قیوم نظامی پی پی پی پنجاب کے سیکریٹری اطلاعات ہیں لہٰذا میاں احسان الحق کو لاہور کا صدر نامزد کر دیا جائے۔ بھٹو صاحب نے شیخ رشید کو فیصلہ کی تبدیلی کے بارے فون پر مطلع کر دیا۔

1978ء میں جب ایک سال قید کاٹنے کے بعد پہلی بار بے نظیر بھٹو سے اسلام آباد میں ملا تو

محترمہ نے یاسمین نیازی کی موجودگی میں مجھے بتایا کہ پاپا کہتے ہیں کہ میں پنجاب قیوم نظامی کے حوالے کروں گا۔ یہ خبر پارٹی حلقوں میں پہنچی تو سردار فاروق لغاری، پیر صفی الدین مکھڈ، میاں احسان الحق اور دوسرے راہنما میرے گھر پہنچ گئے۔(ق ن)

1989ء میں کراچی اور حیدر آباد میں دہشت گردی عروج پر تھی واپڈا کا ایک ایکسین میرے گھر آیا اور کہنے لگا کہ اس کا تبادلہ حیدر آباد ہوگیا ہے پوری فیملی ذہنی اذیت کا شکار ہے کیونکہ حیدر آباد میں امن و امان کی صورت حال انتہائی کشیدہ ہے۔ ایکسین نے کہا کہ اگر میں اس کا تبادلہ رکوا دوں تو وہ مجھے دو لاکھ روپے دینے کے لیے تیار ہے میں نے اسے جواب دیا کہ آپ غلط گھر پر آگئے ہیں یہاں پر ایسے کام نہیں ہوتے۔ اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد ایک بوڑھی عورت میرے گھر پر آئی اور کہنے لگی کہ اس نے لوگوں کے برتن صاف کر کے اپنے بیٹے کو میٹرک کرایا ہے۔ اس کی تین بیٹیاں بھی ہیں وہ اب بوڑھی ہوچکی ہے محنت کرنے کی سکت نہیں رہی۔ خدا کے لیے میرے بیٹے کو نوکر کرا دو۔ میں نے اس کے بیٹے کی درخواست اپنے ہاتھ سے لکھی اور اس کے بیٹے کی ملازمت کا لیٹر بذریعہ ڈاک اس کے گھر بھجوا دیا۔(ق ن)

پی پی پی شیخوپورہ کا ایک جیالا کارکن رانا وارث مجھے پنجاب اسمبلی کے باہر ملا اور کہنے لگا کہ وہ ڈرائیونگ جانتا ہے مگر اسے کوئی نوکری دینے کے لیے تیار نہیں ہے میں نے اسے اپنے ساتھ ڈرائیور رکھ لیا اور بعد میں اسے الائیڈ بینک میں ملازم کرادیا اسی طرح ایک اور غریب نوجوان محمد اشرف کو پاکستان بیت المال میں ڈرائیور بھرتی کرادیا۔(ق ن)

بیگم عابدہ ملک کی وفات کے بعد محترمہ بے نظیر بھٹو نے عابدہ کی جگہ مجھے پاکستان بیت المال کا ممبر پنجاب نامزد کیا۔ بیت المال کے چیئرمین ایم اے کے چوہدری نے بھی میری سفارش کی تھی عابدہ ملک کے بھانجے اور بشریٰ ملک کے بیٹے مرزا نوید نے پی آر او کے لیے درخواست دے رکھی تھی عابدہ کی وفات کے بعد بیت المال کے ایم ڈی کسی اور شخص کو یہ ملازمت دینا چاہتے تھے۔ بشریٰ ملک میرے گھر آئیں اور مجھے صورت حال سے آگاہ کیا۔ نوید کا تعلیمی قابلیت کے لحاظ سے میرٹ پر اس پوزیشن کے لیے استحقاق بنتا تھا۔ میں نے چیئرمین اور ایم ڈی سے کہا کہ اگر نوید کو جاب نہ دی گئی تو میں استعفیٰ دے دوں گا۔ میرے دباؤ پر نوید کو اس کا حق مل گیا۔ میں نے پاکستان بیت المال ممبر پنجاب کی حیثیت سے ایک کروڑ روپے کے بجٹ کو بڑی احتیاط اور ایمانداری کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کیا۔ جب میں نے یہ منصب چھوڑا تو پنجاب کے اکاؤنٹ میں پچاس لاکھ روپے سے زیادہ موجود تھے۔ جبکہ دوسرے صوبوں کے ممبران نے پورا بجٹ خرچ کر دیا تھا۔ میجر باقر پنجاب کے ڈائریکٹر تھے اور میری سفارش پر چیک جاری کیا کرتے تھے۔(ق ن)

حنیف رامے پنجاب کے وزیراعلیٰ تھے۔ جب ان کی حکومت کے خاتمے کی خبریں گردش کرنے

لگیں تو انہوں نے بھٹو کو اپنے گھر عشائیہ پر بلایا۔ بھٹو کو خوش کرنے کے لیے پٹھانے خان کا پروگرام رکھا۔ پٹھانے خان نے بڑے سوز کے ساتھ یہ گیت گایا۔

میری جند وی تو میری جان وی توں
میڈھا عشق وی توں میڈھا ایمان وی توں

میں اتفاق سے بھٹو صاحب کی پچھلی نشست پر بیٹھا تھا۔ بھٹو صاحب نے یہ شام بہت انجوائے کی مگر رامے کی وزارت نہ بچ سکی۔

پارٹی کے ایک ورکرز کنونشن میں جس کی صدارت بھٹو کر رہے تھے۔ مولانا کوثر نیازی اور حنیف رامے کے درمیان خطابت کا مقابلہ ہوگیا جوش خطابت میں دونوں نے بھٹو کی اس قدر تعریف کی کہ بھٹو نے شیخ رشید کو کہا ''آج تو میں خود شرمندہ ہو رہا تھا''

1995ء میں بیرسٹر شہزاد جہانگیر ٹی وی او (ٹرسٹ فار والنٹیرز آرگنائزیشن) کے چیئرمین تھے جبکہ پرویز صالح وائس چیئرمین تھے اور بیگم ڈاکٹر اشرف عباسی، بیگم آفتاب شیر پاؤ، بیرسٹر افتخار غضنفر ہدایت اللہ بیگم ،ظفر نیازی ،بیگم ثریا اللہ دین اور قیوم نظامی بورڈ کے ڈائریکٹر تھے۔ جعفر اقبال ایم ڈی تھے۔ یہ ادارہ این جی اوکو فنڈز مہیا کرتا ہے۔ اس ٹرسٹ کے لیے سرمایہ بیرونی ممالک مہیا کرتے ہیں۔ بورڈ کی ایک میٹنگ میں بیگم شہزاد جہانگیر کی این جی او کا ایک منصوبہ منظوری کے لیے پیش ہوا۔ جس میں سکول کے ایک پراجیکٹ کے لیے 75 لاکھ روپے کی گرانٹ طلب کی گئی تھی۔ شہزاد جہانگیر صدارت کر رہے تھے۔ میں نے رائے دی کہ ڈائریکٹرز کے عزیزوں کے منصوبے ٹرسٹ میں زیر غور نہیں آنے چاہئیں۔ میری اس رائے کو مسترد کر دیا گیا۔ میں نے شہزاد جہانگیر سے گزارش کی کہ ان کی بیگم کا منصوبہ زیر غور ہے لہذا وہ اجلاس کی صدارت نہ کریں۔ وہ اجلاس سے باہر چلے گئے اور صدارت کے فرائض پرویز صالح نے سنبھال لیے بورڈ نے اس منصوبے کے لیے 75 لاکھ روپے کی گرانٹ منظور کر لی۔ بورڈ کے اگلے اجلاس میں بیگم فرح پرویز صالح کی این جی او کا منصوبہ پیش ہوا۔ پرویز صالح اجلاس سے باہر چلے گئے اور بورڈ نے اس منصوبے (کوٹ لکھپت کے علاقے میں سیوریج بچھانا) کے لیے بھی 75 لاکھ روپے کی گرانٹ منظور کر لی۔ (ق ن)

1977ء میں پی این اے کی تحریک کے دوران میں صوبائی اسمبلی کا رکن تھا۔ خوف وہراس کے عالم میں سمن آباد سے پیدل جلوس لے کر مال روڈ پر کچی آبادیوں کے جلوس میں شامل ہوا۔ پی این اے کی مقامی قیادت نے مجھے ٹارگٹ کر لیا۔ میں اپنی کار میں وزیراعلیٰ ہاؤس جارہا تھا کہ شادمان چوک کے قریب موٹر سائیکل پر سوار دو نوجوانوں نے میری کار کے اندر ہینڈ گرنیڈ پھینکا۔ اگلی نشست پر پارٹی کا جیالا کارکن منظور فاطمی بیٹھا تھا۔ میں نے ڈرائیور کو کار روکنے کے لیے کہا اور کار سے باہر نکل آیا۔ منظور

فاطمی کی جانب منہ کر کے اسے باہر نکلنے کے لیے کہا۔ اتنے میں بم پھٹ گیا میری آنکھ کے قریب اور بازوؤں پر زخم آئے جبکہ منظور فاطمی زیادہ زخمی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر ہمیں بچا لیا اگر میں کار سے فوری باہر نہ نکلتا تو بم میری ٹانگوں کے نیچے پھٹتا۔ گاڑی کو کافی نقصان پہنچا۔ ہم دونوں دو ہفتے گنگا رام ہسپتال میں زیر علاج رہے نظام مصطفیٰ کا نعرہ لگانے والوں نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کرایا (ق ن)

بے نظیر بھٹو نے مجھے کہا کہ بھٹو صاحب نے اپنی آخری کتاب مکمل کر لی ہے وہ خفیہ طور پر اپنے نظامی پریس میں شائع کرا دوں۔ میں نے انہیں بتایا کہ ہمارے پریس کے ملازمین نے مولانا مودودی کی تصویر لگا رکھی ہے۔ لہٰذا ہمارے پریس میں کتاب کی طباعت خفیہ نہیں رہ سکے گی۔ (ق ن)

بھٹو کے دور میں ملک معراج خالد وفاقی وزیر بھی تھے اور پنجاب پی پی کے صدر بھی تھے۔ میں پنجاب کا سیکریٹری اطلاعات تھا۔ صوبائی دفتر ریس کورس پر ہوتا تھا۔ میں نے معراج خالد کو بتایا کہ پنجاب بھر سے آئے ہوئے خطوط کی دو بوریاں دفتر میں پڑی ہیں خطوط کو کھولا بھی نہیں گیا۔ نیز پارٹی ٹکٹوں کے لیے جو ڈرافٹ آتے ہیں سٹاف انہیں پارٹی کے اکاؤنٹ میں جمع کرانے کی بجائے پرائیویٹ اکاؤنٹ میں جمع کرا دیتا ہے۔ معراج خالد نے انکوائری کا حکم دے دیا۔ حکومت کے دوران جب پارٹی عہدیدار وزیر بنتے ہیں تو پارٹی کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ پارٹی کے مفاد میں سرکاری اور تنظیمی عہدے الگ الگ ہونے چاہئیں۔ (ق ن)

اسلم گورداسپوری نے ایک ورکرز کونشن میں جوش خطابت میں بے نظیر کو پیغمبر کہہ دیا شاید وہ بھٹو کی پیغام بر کہنا چاہتے تھے۔ بے نظیر نے اپنی تقریر میں کہا کہ اسلم گورداسپوری شاعر ہیں انہوں نے میرے بارے میں ایسے الفاظ کہے ہیں جو درست نہیں ہیں میں تو پیغمبروں کی خادم اور مقلد ہوں۔

1988ء کی انتخابی مہم کے دوران میں جلاوطنی ختم کر کے پاکستان واپس آیا اور پہلی بار بے نظیر سے بشیر گجر کے گھر مرید کے میں ملا۔ بے نظیر نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ ”نظامی صاحب آپ سوچ نہیں سکتے کہ مجھے آپ کو دیکھ کر کتنی خوشی ہو رہی ہے“ محترمہ کا چہرہ خوشی سے کھل رہا تھا۔ ان کی قیادت میں جلوس جب مینار پاکستان پر پہنچا تو مجھے محترمہ نے کہا ”نظامی صاحب آپ جنگ کے دفتر جائیں اور ان سے کہیں کہ جلوس کی کوریج صحیح دیں ورنہ جلوس جنگ کے دفتر پہنچ جائے گا۔ شام کو ریلوے سٹیڈیم کے جلسہ میں خطاب کے دوران بے نظیر نے کہا ”اگر نواز شریف کے لاہور میں بھائی ہیں تو میرے بھی دو بھائی ہیں ایک جہانگیر بدر اور دوسرا قیوم نظامی“

1980ء کی عید میں نے لاڑکانہ میں گزاری۔ منور انجم بھی میرے ہمراہ تھے ہم بذریعہ ریل طویل سفر کے بعد لاڑکانہ پہنچے۔ بیگم بھٹو اور بے نظیر ہمیں نوڈیرو لے گئیں۔ بیگم بھٹو نے ملازمین کو سو سو روپے کی عیدی دی منور انجم نے بیگم صاحبہ کو کہا میں بھی آپ کا بیٹا ہوں مجھے بھی عیدی دیں۔ بیگم صاحبہ نے

انجم کو سو روپے کا نوٹ دیا بے نظیر نے مجھے سندھ کا دورہ کرنے اور کراچی میں وکلاء کنونشن کی تیاری کرنے کی ہدایت کی۔ میں نے سندھ پی پی پی کے عہدیداروں سے ملاقاتیں کیں اور کنونشن کی تیاری کے لیے تبادلہ خیال کیا۔(ق ن)

وزیراعظم بے نظیر بھٹو سے میری ملاقات سیالکوٹ میں ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ لاہور کراچی اور پنجاب کے پارٹی صدور کا معاملہ زیر التواء ہے جس سے پی پی پی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ محترمہ نے میرے ساتھ صلاح مشورہ کیا تو میں نے کراچی کے لیے راشد ربانی لاہور کے لیے اسلم گل اور پنجاب کے لیے فخر زماں کے نام تجویز کیے۔ محترمہ نے اتفاق کر لیا اور کہا کہ تینوں کو اطلاع کر دو اور فخر زماں کو تاکید کرو کہ وہ گروپ بندی سے گریز کرے اور سب کو ساتھ لے کر چلے میں نے فخر زماں کو اپنے گھر سمن آباد بلایا اور ان سے محترمہ کی ہدایات کے مطابق یقین دہانی حاصل کی۔ جب فخر زماں پی پی پی پنجاب کے صدر بن گئے ان کا رویہ بدل گیا۔ ایک شاعر اور مفکر سے مجھے بے رخی کی ہرگز امید نہ تھی۔(ق ن)

ذوالفقار علی بھٹو کے مقدمہ قتل کے دوران پی پی پی کے ایک جیالے نے مجھے ایک سرکاری دستاویز کی فوٹو کاپی دی جس میں درج تھا کہ ایف ایس ایف کے جن اہل کاروں نے بھٹو کے قتل کے مقدمہ میں حکومت سے تعاون کیا انہیں پروموشن دی جائے۔ میں نے یہ دستاویز اپنے لیٹر کے ساتھ منسلک کر کے بے نظیر بھٹو کو دے دی۔ بے نظیر اسے جیل میں بھٹو کے پاس لے گئیں۔ بھٹو نے میرے لیٹر کو اسی وقت جلا دیا اور بے نظیر سے کہا ''مسٹر نظامی کو سمجھاؤ احتیاط کرے ذاتی لیٹر پیڈ استعمال نہ کرے فوجیوں کو پتہ چل گیا تو اسے نہیں چھوڑیں گے'' جب یحیٰی بختیار نے یہ دستاویز عدالت میں پیش کی تو جج اور سرکاری وکیل حیران رہ گئے۔ ایک جج نے یحیٰی بختیار سے استفسار کیا کہ انہیں یہ سرکاری دستاویز کہاں سے ملی تو انہوں نے جواب دیا کہ کسی نے ان کو ڈاک کے ذریعے بھیجی ہے۔(ق ن)

1997ء کے انتخابات میں جب میاں نواز شریف ہیوی مینڈیٹ لے کر برسراقتدار آئے اس وقت میں متروکہ وقف املاک بورڈ کا چیئرمین تھا۔ میاں نواز شریف نے وزیراعظم کا حلف اٹھانے کے بعد ٹیلی ویژن پر ایک پرجوش، پرامید اور انقلابی تقریر کی۔ اور ''قرض اتارو ملک سنوارو'' کا نعرہ دیا یہ تقریر ممتاز صحافی نذیر ناجی نے لکھی تھی اپنے پر اثر خطاب کے بعد میاں نواز شریف نے عوام سے قومی امور پر رائے طلب کی اور ٹیلی فون پر خود عوام کی تجاویز سننے لگے۔ میں اپنے کالموں میں قومی مسائل پر تجاویز دیتا رہا ہوں لہٰذا میں نے میاں نواز شریف کو فون ملایا جو اتفاق سے مل گیا۔ جب میں نے ان کو اپنا تعارف کرایا تو انہوں نے پرجوش انداز میں کہا ''پی پی پی والے قیوم نظامی'' میں نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے وزیراعظم کو قومی امور کے بارے میں تجاویز دیں اور دعا کی کہ وہ اپنے خطاب میں کیے گئے وعدوں پر عمل کر سکیں۔ میں حیران رہ گیا جب اسی رات پی ٹی وی کے خبرنامہ میں میری گفتگو کو

http://www.apnaorg.com

مین خبر کے طو پر نشر کیا گیا۔ یہ خبر پورے پاکستان میں سنی گئی پی پی پی کے حامیوں نے میرے اس اقدام کو پسند نہ کیا کیونکہ مسلم لیگ (ن) اور پی پی پی کے تعلقات سخت کشیدہ تھے۔ میں ہمیشہ سیاست میں رواداری، افہام و تفہیم اور مثبت سوچ کا قائل رہا ہوں۔ میاں نواز شریف سے آج تک میری ملاقات نہیں ہوئی البتہ پاکستان کے دوسرے تمام سیاسی اور مذہبی راہنماؤں سے میری ملاقاتیں رہی ہیں۔ یہ امر باعث اطمینان ہے کہ اب سیاست میں مثبت تبدیلی آنے لگی ہے میاں نواز شریف اور محترمہ بےنظیر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سیاست میں محاذ آرائی اور کشیدگی جمہوریت کے استحکام کے لیے نقصان دہ ہے۔ بہرحال میں نے ٹیلی فون پر میاں نواز شریف سے جو گفتگو کی انہوں نے اسے اپنے سیاسی فائدے کے لیے استعمال کر لیا۔ میرا ضمیر اور نیت صاف تھی لہٰذا میری گفتگو قومی مسائل تک محدود رہی اور بعد میں بھی میں نے اس گفتگو کو ذاتی مفاد کے لیے استعمال نہ کیا اور میاں صاحب کے دور میں صرف دو ماہ متروکہ اوقاف کا چیئرمین رہا۔ (ق ن)

میں نے ایک دن فاروق لغاری سے پوچھا کہ آپ نے مارشل لاء کے دوران سیکریٹری جنرل کے عہدے سے استعفیٰ کیوں دیا۔ کہنے لگے کہ محترمہ نے صدر پنجاب رانا شوکت محمود کو کہا ''لغاری کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں'' اس کے بعد میرے لیے سیکریٹری جنرل کے منصب پر فائز رہنا ممکن نہ تھا۔

کراچی میں پی پی پی سینٹرل ایگزیکٹو کا ایک اجلاس ہوا جس میں پنجاب کے صدر رانا شوکت محمود نے پنجاب تنظیم کو چلانے کے لیے پارٹی فنڈ کا مطالبہ کیا۔ بےنظیر بھٹو نے کہا کہ جب جہانگیر بدر پنجاب کے صدر تھے وہ صوبے کو بھی چلاتے تھے اور پارٹی فنڈ مرکز کو بھی دیتے تھے۔ (ق ن)

جہانگیر بدر کے ساتھ ڈرامائی سفر: ستمبر 1978ء میں محترمہ لاہور آئیں اور بتایا کہ انہوں نے پنجاب کے ڈویژنل ہیڈکوارٹرز کا دورہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے اور کہا کہ دورہ مکمل کرنے کے بعد پشاور میں سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس ہوگا۔ سب سے پہلے سرگودھا جانے کا فیصلہ ہوا۔ بےنظیر بھٹو کے ہمراہ فاروق لغاری، قیوم نظامی، جہانگیر بدر، بیگم نادرہ خاکوانی بھی تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میاں احسان الحق نے جہانگیر بدر سے کہا کہ وہ حال ہی میں جیل سے رہا ہوئے ہیں لہٰذا ان کا سرگودھا جانا مناسب نہیں ہے اور ویسے بھی حالات عوامی سیاست کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ جہانگیر بدر محترمہ کی گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے ہم جب سرگودھا پہنچے تو سرگودھا سے دس کلومیٹر پہلے پی پی پی کے سینکڑوں کارکنوں نے محترمہ کا استقبال کیا استقبال کرنے والوں میں حاجی ممتاز کاہلوں، سردار صغیر احمد، نسیم آہیر، میاں جمیل اختر ایڈووکیٹ، محمود بھٹی اور احسان قادر ایڈووکیٹ شامل تھے۔ اس وقت چار دیواری کے اندر سیاسی سرگرمیوں کی اجازت تھی۔ مہر خدا داد لک کے گھر پر پبلک میٹنگ کا انتظام کیا گیا تھا۔ جب ہم لک ہاؤس پہنچے تو گھر کا وسیع لان عوام سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ پارٹی کارکنوں نے محترمہ کی جیپ کو بازوؤں پر اٹھا لیا اور جیوے بھٹو کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ خواتین کی کثیر تعداد جلسہ گاہ میں

موجود تھی۔ جلسہ کے بعد پولیس کی فورس نے لک ہاؤس کا محاصرہ کر لیا۔ محترمہ نے اس خدشہ کے تحت کہ پارٹی راہنما گرفتار نہ ہو جائیں لاہور سے آنے والے پارٹی لیڈروں کو واپس جانے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے مجھے اور جہانگیر بدر کو تاکید کی کہ جب تک بھٹو صاحب کے مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوتا گرفتاری نہ دیں۔ جہانگیر بدر اور میں ایک ہی کار میں لاہور واپس روانہ ہوگئے سی آئی ڈی کی ایک گاڑی ہمارے پیچھے لگ گئی جہانگیر بدر نے سی آئی ڈی کی گاڑی کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ راوی پل پر پولیس نے ہماری گرفتاری کے لیے ناکہ لگایا ہوا تھا ہماری خوش قسمتی کہ پولیس کی جیپ کا رخ شاہدرہ کی جانب تھا۔ قبل اس کے کہ پولیس اپنی جیپ کا رخ تبدیل کرتی۔ جہانگیر بدر نے پھرتی سے راوی پل کراس کیا اور کار چھوٹی سڑکوں پر ڈال دی اور پولیس کو جل دینے میں کامیاب ہوگئے ہم جہانگیر بدر کے بڑے بھائی حاجی محمد یعقوب کے گھر پہنچ گئے۔ پولیس نے اسی رات ہماری گرفتاری کے لیے ہمارے گھروں اور دیگر کئی مقامات پر چھاپے مارے مگر ہم گرفتاری سے بچ گئے۔ اگلے دن ہمیں ایک دوست مرید کے میں چوہدری منظور حسین سابق ایم این اے کے گھر پر چھوڑ گیا۔ چوہدری منظور نے ہمیں اظہر حسن ڈار کے گھر گوجرانوالہ پہنچا دیا اظہر حسن نے ہمیں راولپنڈی پہنچا دیا وہاں سے ہم ایک ویگن پر سوار ہو کر پشاور کے لیے روانہ ہوئے راستے میں کسٹم حکام نے ویگن روکنے کی کوشش کی مگر ڈرائیور نے گاڑی نہ روکی۔ جہانگیر بدر اور میں سب سے پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے کسٹم کے اہل کاروں نے بندوق سے فائر کیا گولیاں ویگن کے پیچھے لٹکے ہوئے سپیئر ویل پر لگیں اور ہم معجزانہ طور بچ گئے۔ کسٹم والوں نے سواریوں کو ویگن سے نیچے اتار دیا اور ڈرائیور کو بہت مارا۔ ہم خاموشی سے کھسک گئے اور دوسری بس میں سوار ہوگئے جس نے ہمیں نوشہرہ اتار دیا۔ ہم سڑک پر پشاور کی بس کا انتظار کر رہے تھے کہ ایک ویگن ہمارے قریب آ کر رک گئی۔ یہ وہی ویگن تھی جو ہم پیچھے چھوڑ کر آ گئے تھے۔ ڈرائیور کہنے لگا آپ کہاں چلے گئے تھے وہ ہمیں ویگن پر بٹھا کر پشاور اپنے مالکوں کے پاس لے آیا اور کسٹم اہل کاروں کی زیادتی کا واقعہ بیان کرنے لگا۔ ہم نے مالکان کو بتایا کہ ہم مساوات اخبار کے رپورٹر ہیں وہ کہنے لگے کہ آپ کی گواہی بڑی ضروری ہے ہم نے سوچا کہ پولیس آئے گی اور ہماری شناخت ہوگئی تو گرفتار ہو جائیں گے جہانگیر بدر نے ایک رکشے کو روکا اور ہم پھرتی سے اس میں سوار ہو کر ارباب نور کے گھر پہنچ گئے جہاں پر سینٹرل ایگزیکٹو کا اجلاس ہو رہا تھا جب ہم رکشہ سے نیچے اتر رہے تھے تو پولیس ارباب نور کے گھر سے باہر نکل رہی تھی رکشہ پر آنے کی وجہ سے پولیس نے ہمیں نظر انداز کر دیا۔ جب ہم نے ارباب نور کو اپنا تعارف کرایا تو وہ پریشان ہوگیا اور کہنے لگا کہ پولیس ہمیں تلاش کر رہی ہے۔ اس نے ہمیں گاڑی پر بٹھا کر قمر عباس کے گھر پہنچا دیا ہم رات قمر کے گھر پر رہے اگلے روز محترمہ کا پیغام آیا کہ ہم اجلاس میں نہ آئیں محترمہ کی ہدایت پر ہم پھر لاہور آ گئے لاہور میں کسی دوست کی مخبری پر جہانگیر بدر کو پولیس نے گرفتار کر لیا جبکہ میں کافی عرصہ روپوش رہ کر پارٹی کا کام کرتا رہا۔ (ق ن)

http://www.apnaorg.com

میں محترمہ بے نظیر بھٹو کے پہلے دور میں پی آئی اے کی فلائٹ سے اسلام آباد سے لاہور آرہا تھا کہ اتفاق سے آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل اسد درانی میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے تھے تعارف کے بعد وہ مجھے کہنے لگے کہ بے نظیر جس طرح حکومت چلا رہی ہیں ان کے لئے زیادہ دیر اقتدار میں رہنا مشکل ہوگا۔ ڈی جی آئی ایس آئی کی صاف اور کھری باتیں میرے لیے تشویش کا باعث تھیں ایک اہم ترین عہدے پر فائز شخص کے بے نظیر کی حکومت کے بارے میں خیالات حیران کن تھے میں نے محترمہ کو جنرل اسد درانی کے خیالات سے آگاہ کیا تو وہ بھی قدرتی طور پر حیرانی میں مبتلا ہوگئیں۔

بھٹو نے جام صادق علی کو سندھ کابینہ میں وزیر بلدیات اور ہاؤسنگ نامزد کیا تو انہوں نے بڑی فراخ دلی سے اپنے عزیزوں دوستوں پارٹی کارکنوں کو زمینیں اور پلاٹ الاٹ کرنے شروع کر دیئے بھٹو کو رپورٹ ملی تو انہوں نے جام صادق سے کہا کہ ان کی رہائش گاہ 70 کلفٹن اور مزار قائداعظم کسی کو آلاٹ نہ کر دینا۔(ق ن)

ایک سیاسی لطیفہ: میاں نواز شریف کے دور میں ایک سیاسی لطیفہ بہت مشہور ہوا۔ ایک ٹرین جنگل میں خراب ہوگئی اور رک گئی موسم گرم تھا۔ لوگ پریشان پھر رہے تھے کہ ان کی نظر ذوالفقار علی بھٹو پر پڑی تو انہوں نے بھٹو سے کہا آپ قائد عوام ہیں گاڑی رکی ہوئی ہے اس کو چلانے کا بندوبست کریں بھٹو نے کہا ''یہ عوام کی گاڑی ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ عوام کی طاقت سے چلے گی'' گاڑی نہ چلی ایک اور ڈبے میں جنرل ضیاء الحق نظر آئے لوگوں نے ان سے شکایت کی کہ گاڑی رکی ہوئی ہے جنرل ضیاء الحق نے کہا ''ڈرائیور کو دس کوڑے لگائیں گاڑی چل پڑے گی'' گاڑی پھر بھی نہ چلی۔ لوگوں کو اسی گاڑی میں میاں نواز شریف نظر آئے۔ مسافروں نے میاں صاحب سے کہا کہ گاڑی کافی دیر سے رکی ہوئی ہے بچے اور خواتین پریشان ہیں آپ گاڑی چلانے کا انتظام کریں۔ میاں نواز شریف نے ایک ہزار روپے کا نوٹ جیب سے نکالا اور اسے گارڈ کو دینے کے لیے کہا تاکہ گاڑی چل پڑے۔ گاڑی نہ چلی اور مایوسی و ناامیدی کے مرحلے پر مسافروں کو محترمہ بے نظیر بھٹو نظر آئیں۔ مسافر بہت خوش ہوئے اور انہیں امید کی کرن نظر آئی۔ انہوں نے محترمہ سے شکایت کی کہ گاڑی کافی دیر سے رکی ہوئی ہے اور مسافر پریشان ہیں۔ محترمہ نے کہا ''کون کہتا ہے کہ گاڑی رکی ہوئی ہے گاڑی تو چل رہی ہے''

سینئر صحافی ارشاد احمد عارف راوی ہیں:1977ء میں جب انتخابی مہم عروج پر تھی۔ پی پی پی اور پی این اے کے کارکن جوش و خروش سے انتخابی مہم میں حصہ لے رہے تھے اور کئی شہروں میں ان کے درمیان پر تشدد جھگڑے بھی ہوئے تھے۔ میں ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور میں مولانا مودودی کی محفل میں شریک تھا ایک شخص نے مولانا سے سوال کیا اگر حکومت نے انتخابات میں دھاندلی کی تو انتخابات کا کیا نتیجہ نکلے گا مولانا نے جواب دیا کہ حکومت کے لیے دھاندلی کرنا مشکل ہوگا۔ ایک اور شخص نے سوال کیا

http://www.apnaorg.com

کہ پی پی پی کی حکومت کے دوران سب ضمنی انتخابات میں دھاندلی کی گئی لہٰذا عام انتخابات میں بھی دھاندلی ہوگی۔ مولانا مودودی نے جواب دیا کہ ضمنی انتخابات میں دھاندلی کرنا آسان ہوتا ہے مگر عام انتخابات میں چونکہ سیاسی جماعتیں اور عزیز اقارب پوری طرح متحرک ہوتے ہیں اور پورے ملک میں انتخابات کی فضا بنی ہوتی ہے۔ عالمی اور ملکی تنظیمیں اور پریس انتخابی عمل کا بغور جائزہ لے رہے ہوتے ہیں اس لیے عام انتخابات میں دھاندلی کے امکانات نہیں ہوتے میرا خیال ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو انتخابات میں دھاندلی نہیں کرائیں گے اور اگر وہ دھاندلی کے مرتکب ہوں گے تو ان کا اقتدار اور ان کی ذات دونوں خطرے میں پڑ جائیں گے۔

عطاء الحق قاسمی بیان کرتے ہیں: میاں صاحب نے مجھے بتایا کہ میاں نواز شریف پہلی بار وزیراعظم بنے تو ایران نے ان پر ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کرنے کے لیے بڑا دباؤ ڈالا اور ٹیکنالوجی کے بدلے انہیں منہ مانگی قیمت وصول کرنے کے لیے بلینک چیک بھی آفر کیا مگر میاں نواز شریف نے انکار کر دیا۔

میاں نواز شریف نے اپنے دوسرے دور اقتدار میں بھارتی دھماکے کے بعد ایٹم بم کا دھماکہ کرنے کا فیصلہ کیا تو خفیہ ایجنسیوں نے ان کو رپورٹ دی کہ دھماکے کی صورت میں اسرائیل نے کہوٹہ پلانٹ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے یہ خفیہ رپورٹیں آخری وقت تک وزیراعظم کو ملتی رہیں کہ اسرائیل کے جہاز پاکستان پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑے ہیں میاں صاحب نے قومی مفاد میں ایٹمی دھماکے کا فیصلہ کیا اور اس فیصلے پر ڈٹے رہے خفیہ ایجنسیوں کا مقصد وزیراعظم کو دھماکے سے روکنا تھا۔ مگر میاں صاحب کے اپنے دیگر ذرائع بھی تھے جن سے ان کو علم ہوا کہ اسرائیلی حملے کے سلسلے میں خفیہ ایجنسیوں کی جو رپورٹیں ان کو مسلسل پہنچائی جارہی ہیں ان میں کوئی صداقت نہیں ہے لہٰذا انہوں نے بلاخوف و خطر ایٹمی دھماکہ کر دیا۔

عطاء الحق قاسمی ایک تقریب میں احمد ندیم قاسمی کا خاکہ پیش کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ''میں بھی پیرزادہ ہوں قاسمی صاحب بھی پیرزادہ ہیں۔ میں بھی قاسمی ہوں اور احمد ندیم صاحب بھی قاسمی ہیں۔ میرا تعلق بھی علماء کے خاندان سے ہے اور قاسمی صاحب بھی علماء کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں بھی خوبصورت چیزوں کا شیدائی ہوں اور قاسمی صاحب بھی خوبصورت چیزوں کے قدردان ہیں مگر میرا اور قاسمی صاحب کا فرق یہ ہے کہ قاسمی صاحب کسی خوبصورت چیز کو دیکھ کر فقط ''سبحان اللہ'' کہتے ہیں جبکہ میں ''انشاء اللہ'' بھی کہتا ہوں۔

بھٹو کا دلچسپ واقعہ الطاف قریشی کے قلم سے: غریبوں اور بے بس لوگوں سے بھٹو کی محبت کا ایک واقعہ میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ یہ 1975ء کے موسم سرما کا ذکر ہے۔ میں وفاقی حکومت کے

http://www.apnaorg.com

ایک افسر کی حیثیت سے دورے پر ڈیرہ اسماعیل خاں گیا۔ جس بنگلے میں مجھے ٹھہرایا گیا اس کے ساتھ والا بنگلہ کمشنر ہاؤس تھا۔ میں روزانہ صبح سویرے مختلف علاقوں کے دورے پر نکل جاتا۔ ایک شام کو ڈیرہ واپس آیا۔ میرے ساتھ میرے محکمے کا ایک جونیئر افسر بھی تھا۔ ہم رات کا کھانا کھا کر اپنے کمرے سے بنگلے کے گیٹ تک چہل قدمی کر رہے تھے۔ رات نو بجے کا وقت تھا جب میں نے ہوٹر کی آواز سنی چوکیدار سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وزیراعظم بھٹو دورے پر آج ہی آئے ہیں اور وہ کمشنر ہاؤس میں قیام پذیر ہیں اور اس وقت وہ کسی سرکاری عشائیے سے واپس آرہے تھے۔ ہم دونوں گیٹ پر کھڑے ہوگئے۔ چند لمحوں میں وزیراعظم کی گاڑی پہنچی۔ چونکہ گاڑی کو ساتھ والے گیٹ کے اندر جانا تھا اس لئے اس کی رفتار بہت کم تھی۔ گاڑی جب میرے قریب سے گزری تو میں نے ویسے ہی ہاتھ ہلایا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اندھیرا ہے، بھلا وزیراعظم اس پر کہاں توجہ دیں گے لیکن مجھے حیرت ہوئی جب ان کی گاڑی گیٹ پر ہی رک گئی اور ان کا ملٹری سیکریٹری گاڑی سے اتر کر میری طرف قدم اٹھانے لگا۔ میرے جونیئر افسر یہ دیکھ کر خوفزدہ ہوگئے اور بھاگ کر اندر چلے گئے۔

ملٹری سیکریٹری میرے پاس آئے اور پوچھا ''آپ الطاف قریشی ہیں؟'' میرے اقرار پر کہنے لگے۔ ''آپ کو وزیراعظم بلا رہے ہیں''۔ میں ان کے ساتھ گاڑی کے پاس گیا تو ڈرائیور نے نیچے اتر کر پچھلا دروازہ کھولا۔ ''آؤ بیٹھو'' مجھے بھٹو صاحب کی آواز آئی۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ گاڑی کمشنر ہاؤس میں داخل ہوگئی۔ وہ نیچے اترے اور مجھے ساتھ لے کر کمرے میں چلے گئے۔ بیٹھتے ہی پوچھا ''یہاں کیسے؟'' میں نے بتایا تو پوچھا ''کیا دیکھا؟'' میں نے جواباً عرض کیا ''غربت۔ افلاس اور انتظامیہ کی بے حسی'' کچھ لمحے وہ مجھے گھورتے رہے اور پھر سب کو کمرے سے باہر نکال کر مجھے کہنے لگے ''صبح پونے آٹھ بجے آجاؤ۔ آٹھ بجے یہاں سے نکلیں گے اور تم جہاں چاہو مجھے لے جا کر یہ سب کچھ دکھاؤ۔ لیکن کسی سے بات نہ کرنا۔ کسی کو اس پروگرام کا علم نہیں ہونا چاہئے'' میں نے اثبات میں سر ہلایا تو پوچھا'' کھانا کھا چکے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے پوچھا ''اندھیرے میں آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا جبکہ ہمیں ملے ہوئے دو سال ہو چکے ہیں؟'' کہنے لگے ''اوئے! تو تو مجھے جانتا ہے۔ میں ساتھیوں کو اپنے دوستوں کو قبر کے اندھیرے میں بھی پہچان سکتا ہوں۔ چل اب اور صبح آجانا۔ کسی کو علم نہیں ہو چاہئے''۔ میں بھٹو صاحب سے ہاتھ ملا کر باہر آگیا۔ انہوں نے ملٹری سیکریٹری سے کہہ دیا کہ ''یہ الطاف صبح پونے آٹھ بجے آئیگا''۔ ہم ناشتہ اکٹھے کریں گے''

میں باہر نکلا تو مجھے احساس ہوا کہ میں انتہائی اہم آدمی ہو چکا ہوں۔ ہر کوئی مجھ سے پوچھنے لگا کہ کیا باتیں ہوئیں۔ نصر اللہ خٹک وزیراعلیٰ بہر حد تھے۔ مجھے ایک طرف لے گئے اور پوچھنے لگے میں نے کہا کہ بس یونہی میری اور میرے بال بچوں کی خیر خیریت پوچھ رہے تھے۔ وہ مطمئن نہ ہوئے۔ بہر حال میں جان چھڑا کر ساتھ والی کوٹھی میں آگیا جہاں میرا قیام تھا۔ وہاں تو میرے ساتھی افسر انتہائی پریشانی

کے عالم میں پائے گئے خیر انہیں تسلی دی۔ بیچارے وراثتاً سرکاری ملازم تھے۔ میرے ساتھ وزیراعظم کی گرمجوشی سے وہ بے حد متاثر ہوئے اور جب کبھی ملتے، اس واقعہ کا ذکر کرتے۔

اگلے دن ہم دونوں پونے آٹھ بجے کمشنر ہاؤس پہنچ گئے۔ بھٹو صاحب نے اندر بلوایا میں نے اپنے ساتھی کاظمی کا تعارف کروایا۔ وزیراعلیٰ، کمشنر، ڈپٹی کمشنر اور دوسرے تمام بڑے بڑے انتظامی افسر موجود تھے۔ ہم دونوں کو ساتھ بٹھا کر بھٹو صاحب نے ناشتہ کیا جوس کا ایک گلاس آدھا انڈا اور ایک سلائس اور کپ چائے۔ یہ تھا ان کا ناشتہ۔ سوا آٹھ بجے اٹھے۔ نیلے رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس وہ ہمیں لے کر باہر نکلے اور ایک بڑی جیپ میں پیچھے بیٹھ گئے۔ مجھے ڈرائیور کے ساتھ بٹھایا۔ ان کے ساتھ ملٹری سیکریٹری بیٹھ گئے۔ میرے ساتھی کارواں میں موجود ایک گاڑی میں بیٹھ گئے۔ بھٹو صاحب نے ڈرائیور کو ہدایت کی کہ وہ صرف اور صرف میری ہدایت پر عمل کرے اور اسی طرف جائے جس طرف میں جانے کو کہوں اور سکواڈ کو بھول جاؤں۔ ہم ٹانک کی طرف روانہ ہوئے۔ اب تو مجھے معلوم نہیں لیکن 1975 میں ڈیرہ اسماعیل خان سے پانچ سات میل دور ہی سڑک کے دونوں طرف ایسے ریتلے میدان تھے جیسے صحرا ہو۔

شہر سے تقریباً پندرہ میل دور داہنے ہاتھ، ریتلے میدان میں ایک جھونپڑی نظر آئی میں نے گاڑی رکوائی۔ ہم سب نیچے اترے اور ریت میں چلتے ہوئے اس جھونپڑی کی طرف چل دیئے۔ آگے آگے بھٹو صاحب ان سے دو قدم پیچھے میں اور پھر باقی لوگ۔ ہم جھونپڑی کے باہر پہنچے تو وہاں ریت پر لکڑیاں جلائے اوپر ٹین کا بڑا سا توا رکھے ایک بوڑھی خاتون روٹیاں پکا رہی تھی۔ وہ اتنے لوگوں کو دیکھ کر پریشان ہو کر چلانے لگی۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے بتایا ''اماں وزیراعظم صاحب آئے ہیں''۔ اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ کون آیا ہے۔ میں نے پھر کہا ''اماں بادشاہ بھٹو آئے ہیں'' اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ کون آیا ہے۔ میں نے پھر کہا ''اماں بادشاہ بھٹو آئے ہیں'' وہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔ بھٹو صاحب آگے بڑھے اور اس میلی کچیلی ماں کے گلے لگ گئے۔ میں نے بھٹو صاحب کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ ''آ مینڈا بادشاہ آ تیں کوں رب اپنی امان وچ رکھے''۔ اس نے ڈیری زبان میں کہا جو سرائیکی کے قریب تر بولی ہے۔ بھٹو صاحب نے آس پاس دیکھا اور اماں سے سرائیکی زبان میں کہا ''ماں بھک لگی اے۔ روٹی ڈے سیں'' ہاں مینڈا سائیں۔ مینڈے پت'' اماں رونے لگی۔ بھاگ کر اندر گئی اور ایک میلی سی چٹائی لائی اور ریت پر بچھا کر بھٹو صاحب کو بیٹھنے کو کہا۔ اماں پھر اندر گئی اور ایک کالی سلور کی دیگچی اٹھا لائی اور اسے چولہے پر رکھ دیا۔ پھر سلور ہی کی ایک پیالی میں ساگ نما چیز ڈالی اور چنگیر میں پڑی روٹی رکھ کر بھٹو کے آگے رکھ دی۔ ''مینڈے کول ایہی کجھ اے سائیں'' بھٹو نے اماں سے پوچھا کہ اس کے ساتھ کون رہتا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس کے ساتھ اس کا بیٹا اور بہو اور بارہ سالہ پوتا رہتا ہے۔ بیٹا مزدوری کرنے ڈیرے گیا ہوا تھا، بہو پانی لینے چار کوس دور گئی ہوئی تھی اور پوتا ایندھن کے لئے لکڑیاں چننے

http://www.apnaorg.com

نکل گیا تھا۔

بھٹو صاحب نے نوالہ منہ میں ڈالا تو ان کے آنسو نکل آئے۔ سرکاری فوٹو گرافر تصویر لینے لگا تو بھٹو صاحب نے اسے کہا "اگر اس روٹی میں ملی ہوئی ریت کی تصویر آسکتی ہے تو میری تصویر کھینچو"۔ انہوں نے چار پانچ نوالے لئے۔ پھر گھور کر نصر اللہ خٹک اور دوسرے وزراء اور سرکاری افسروں کو انتہائی درشتی سے کہا "آؤ ذرا کھا کر دکھاؤ یہ روٹی میرے لوگوں کو روٹی نہیں ملتی اور ملتی ہے تو ریت والی شرم کرو۔ خدا کا خوف کرو۔ آگے جا کر کیا جواب دو گے۔ ظالمو! کچھ تو حیا کرو۔ جو آتا ہے خود کھا جاتے ہو۔ ارے کھاؤ لیکن کچھ تو ان کو بھی دو۔ بدبخت ہیں وہ لوگ جن کے اپنے پیٹ بھرے ہوں اور عام لوگوں کے پیٹ خالی ہوں" بھٹو صاحب نے اماں کو پھر گلے لگایا، جیب میں جو کچھ تھا، نکال کر اسے یہ کہہ کر دیا کہ اپنے پوتے کو میری طرف سے دینا۔ اسے سکول بھیجو۔ پڑھاؤ اُسے وہ بہت بڑا آدمی بنے گا۔" یہ کہہ کر وزیراعلیٰ کو کچھ ہدایات دیں اور ہم لوگ وہاں سے واپس چل دیئے۔

سابق وزیر خارجہ سردار آصف احمد علی نے بتایا: جب بوسنیا میں سرب مسلمانوں کا قتل عام کر رہے تھے تو وزیراعظم بے نظیر نے مجھ سے پوچھا کہ کیا کسی اسلامی ملک یا غیر اسلامی ملک کے سربراہ نے بوسنیا کا دورہ کیا ہے میں نے جواب دیا کہ کسی سربراہ نے نہیں کیا۔ بے نظیر نے بوسنیا کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ دنیا کی توجہ بوسنیا میں مسلمانوں کے قتل عام کی جانب مبذول کرائی جاسکے۔ بے نظیر کو بریفنگ کے دوران بتایا گیا کہ سرب کمانڈروں نے دھمکی دی ہے کہ وہ بے نظیر کے طیارے کو ٹارگٹ کریں گے۔ بے نظیر نے جواب دیا کہ "میں مسلمان ہوں اور مسلمان کا ایمان ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے" ہم خطرات عبور کر کے بوسنیا پہنچے وہاں پر گولیاں ہماری گاڑیوں کو لگتی رہیں خوف وہراس کے باوجود بے نظیر نے بچوں کے ہسپتال کا دورہ کیا اور ننھے بچوں کو زخمی دیکھ کر جذباتی ہوگئیں۔ بے نظیر نے مجھ سے پوچھا کہ میرے پاس ٹافیاں اور چاکلیٹ ہیں جو بچوں کو دے سکوں میں نے کہا ہم ٹافیاں لے کر نہیں آئے مگر بعد میں بھجوا دیں گے۔

ساؤتھ افریقہ کانفرنس کے دورے کے دوران بے نظیر نے نیلسن منڈیلا سے ملاقات کی۔ نیلسن منڈیلا نے بے نظیر کو سب سے زیادہ وقت دیا اور انہوں نے بے نظیر کو بتایا کہ طویل قید کے دوران انہوں نے بے نظیر کی کتاب "ڈاٹر آف دی ایسٹ" کا مطالعہ کیا جس سے ان کو بڑا حوصلہ ملا۔

بیگم کشور قیوم کی چار ماہ کے بیٹے سمیت گرفتاری

بیگم کشور قیوم نے بیان کیا کہ ضیاء دور میں ہزاروں کارکنوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر بعض پر تو ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد یہ پہلا دور تھا جب عورتوں کو جیل میں ڈال کر طرح طرح کے ظلم کئے گئے۔ جن کا جرم یہ تھا کہ وہ جمہوریت کی بحالی اور بین

الاقوامی شہرت یافتہ اور مسلم ممالک کے لیڈر ذوالفقار علی بھٹو کی رہائی کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ مگر حکومت کے مظالم ان کے لیڈر سے محبت کسی طرح کم نہ کر سکے۔ خواتین روزانہ کسی نہ کسی مقام پر اکٹھے ہو کر ذوالفقار علی بھٹو کی رہائی اور جمہوریت کی بحالی کیلئے مطالبہ کرتیں۔ جس کی پاداش میں انہیں قید کر کے تھانوں کی بیرکوں میں بند کر دیا جاتا اور بازوؤں پر جلتے ہوئے سگریٹ لگانا اور مارنا پیٹنا معمول تھا۔ بھٹو کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ چل رہا تھا۔ مارچ 1978ء میں جب فیصلہ سنانے کا وقت قریب تھا تو چیدہ چیدہ خواتین کو گرفتار کر کے رات کے اندھیرے میں جیل میں ڈال دیا گیا۔ میں بھی ان خواتین میں شامل تھی دوسری خواتین میں اس وقت کی پنجاب کی صدر بیگم نادرہ خاکوانی، بیگم ریحانہ سرور، نصرت پروین، عزیزہ بیگم، بیگم اشتیاق بخاری شامل تھیں۔ میری گود میں 4 ماہ کا بیٹا قذافی تھا۔ جس کو بھٹو صاحب نے ''تاریخ کا ننھا سیاسی قیدی'' کا خطاب دیا جو کہ اس وقت میرے ساتھ جیل گیا۔ اس کے علاوہ دو بچے بیٹی عاطفہ اور بیٹا عرفات تھے جو گھر میں تھے۔ اگرچہ ان کی عمریں بھی چھوٹی تھیں اور ان کو بھی والدہ کی ضرورت تھی۔ رات کو ایک بجے۔ ایس ایس پی اپنی ٹیم اور زنانہ پولیس کے ہمراہ ہمارے گھر پہنچ گئے اور کہا کہ ہم بیگم قیوم نظامی کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔ اس موقع پر نظامی صاحب کے والد نے کہا کہ بچہ بہت چھوٹا ہے آپ اسے نہ لے کر جائیں مگر ان کا جواب تھا کہ ہمیں اوپر سے بہت سخت آرڈر ہیں لہٰذا ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ والد صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے وہ آپ کی گاڑی میں نہیں جائے گی ہم خود ہی چھوڑ کر آئیں گے۔ اس طرح ایک پولیس کی گاڑی آگے اور دو پیچھے قافلے کی صورت میں روانہ ہوئیں۔ جیل پہنچ کر اندر لے جایا گیا۔ پہلا گیٹ گزرنے کے بعد جیل سپرنٹنڈنٹ اور دوسرے آفیسرز کے آفس ہیں اور چونکہ میرے شوہر بھی وہاں 5 ماہ سے قید تھے لہٰذا اُن سے ملاقات کے سلسلے میں جیل جانا رہتا تھا لہٰذا جیل کا یہ حصہ مانوس تھا۔ جیل سپرنٹنڈنٹ کے کمرے میں لے جایا گیا۔ وہاں ممنوعہ اشیاء لے لی گئیں اور لیڈی جیل دراڈن کو بلایا گیا اور اس کے ساتھ خواتین کی بیرک جو کہ جیل کے اندر ہی ہے روانہ کر دیا گیا۔ اگلے گیٹ سے اندر داخل ہوئے تو ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ صرف پہریداروں کے چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس وقت یکدم خوف طاری ہوا اور یہ خیال آیا کہ ہمارے ذہنوں میں تو ہے کہ جو کوئی جرم کرتا ہے اسے جیل کی ہوا کھانی پڑتی ہے مگر میں نے کیا جرم کیا ہے۔ انہی خیالوں میں گم دراڈن کیساتھ چلی جا رہی تھی کہ زنانہ جیل کے دروازے پر پہنچ گئے۔ وارڈن نے دروازہ کھولا تو ہم اندر داخل ہوئے۔ جیسے ہی آگے بڑھے پہلے مجھے بیگم اشتیاق بخاری دکھائی دیں۔ ان کا منہ دوسری طرف تھا اور وہ کمبل میں اپنے آپ کو اچھی طرح لپیٹے بیٹھی تھیں پہلے تو میں یکدم ڈر گئی مگر ساتھ ہی بیگم ریحانہ سرور اور عزیزہ بیگم کے نعروں کی آواز آئی تو جان میں جان آئی۔ تالہ کھول کر مجھے بھی اندر کر دیا گیا۔ یکے بعد دیگرے باقی خواتین بھی آ گئیں۔ بیرک چھوٹی تھی اور اس میں بمشکل چھ بستر لگ سکتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آج کل کے مقابلے میں سردی زیادہ پڑتی تھی اور مارچ چونکہ

http://www.apnaorg.com

شروع تھا لہٰذا اچھی خاصی ٹھنڈ تھی۔ میرا بچہ چونکہ چھوٹا تھا اور وہاں پر دودھ گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ دوسروں کے مشورے پر میں نے فیڈر کو رضائی میں رکھا مگر کوئی خاص فائدہ نہ ہوا اور ٹھنڈا دودھ پینے سے قذافی کو سردی لگ گئی۔ دوسرے دن اخباروں میں اداریے لکھے گئے کہ ان خواتین کو اگر گرفتار نہ کیا جاتا تو کون سی قیامت آجاتی خاص کر بچے کے حوالے سے بہت تنقید کی گئی۔ جیل سپرنٹنڈنٹ آئے تو ان سے باتھ روم کے متعلق کہا کیونکہ وہ کمرے کے اندر ہی چھوٹی سی دیوار کر کے بنایا گیا تھا جو کہ پہلے ہی بہت چھوٹا تھا تو انہوں نے بتایا کہ یہاں پر ہمارے پاس خواتین کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ عورتوں کی ایک ہی بیرک ہے جس میں چند جرائم پیشہ اور 72 بہاری خواتین قید ہیں۔ ہم نے حکومت کو بتا دیا تھا مگر انہوں نے کہا کہ کچھ بھی کریں یہ بہت ضروری ہے لہٰذا یہ ہمارا سٹور تھا جس کو ہم نے خالی کر کے جگہ بنائی ہے پھر انہوں نے ہمارے پر زور مطالبہ پر کمرے کے باہر لیٹرین بنوائی صبح یہ خبر ساری جیل میں پھیل چکی تھی کہ کچھ معزز خواتین کو جیل میں لایا گیا ہے۔ نظامی صاحب چونکہ اسی جیل میں تھے لہٰذا ان کو بھی خبر مل گئی۔ مگر انہوں نے یقین نہ کیا تو ان کا مشقتی آ کر قذافی کو لے گیا تو پھر انہیں یقین آیا۔

بھٹو صاحب ان دنوں اسی جیل میں تھے۔ ان کو خبر پہنچی تو انہوں نے پھل کی ٹوکری ان الفاظ کے ساتھ بھجوائی کہ ''میں خوش ہوں کہ میری بہنیں میری محبت میں جیل تک آ پہنچی ہیں۔'' اگلے دن بھٹو صاحب کی تاریخ تھی اور مقدمے کی سماعت جیل میں ہی ہو رہی تھی۔ ہمیں یہ پتہ چلا کہ بھٹو صاحب ہماری جیل کے دروازے کے سامنے سے گزر کر جائیں گے۔ تو ہم وارڈن کی منت سماجت کرنے لگیں کہ ہمیں اپنے لیڈر کو دیکھنے کا موقع دیا جائے ہم کوئی آواز نہیں نکالیں گے وہ بڑی مشکل سے راضی ہوئی اور کہا کہ وہ دو تین انچ سے زیادہ دروازہ نہیں کھولے گی۔ ہم نے منظور کر لیا۔ لہٰذا وہ پہلا اور آخری موقع تھا جب میں نے بھٹو صاحب کا دیدار کیا اور ان کی شخصیت کا جادو آج بھی میرے ذہن پر ہے۔ ان کی چال نہایت ہی پروقار تھی۔

میری بچے سمیت گرفتاری پر نوائے وقت نے کافی سخت اداریہ لکھا۔ دوسرے دونوں بچوں کی تصاویر جو روتے ہوئے دادا کی گود میں بیٹھے تھے سب اخباروں نے شائع کیں۔ اخبارات کے دباؤ کی بناء پر مجھے ایک ہفتہ کے بعد گھر میں نظر بند کر دیا گیا اور یوں میں بچے سمیت گھر آ گئی اور گھر میں دو ماہ تک نظر بند رہی۔ جس دوران گھر آنے والوں پر نظر رکھی جاتی اور میرے باہر جانے پر پابندی تھی قریبی رشتہ داروں کے سوا دوسرے لوگوں کے گھر آنے پر پابندی تھی۔

دوسری مرتبہ پھر جب سپریم کورٹ سے سزا سنائی جاتی تھی دوبارہ جیل میں ڈال دیا گیا مگر چند دن بعد پھر بچوں کی وجہ سے گھر پر نظر بند کر دیا گیا۔ اس بار نظر بندی ڈھائی ماہ پر محیط تھی۔ جنرل ضیاء

الحق نے خواتین کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا اس کی مثال برصغیر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ درجنوں گھریلو خواتین کو شاہی قلعہ میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

شیخ محمد رشید مرحوم نے وفاقی وزیر صحت کی حیثیت سے پاکستان میں دوائیوں کی جنرک سکیم نافذ کرنے کے لیے ایک پالیسی تشکیل دی۔ اس سکیم کا مقصد یہ تھا کہ میڈیسن کی ملٹی نیشنل کمپنیاں دوائیوں کو ان کے اصل ناموں کی بجائے ٹریڈ ناموں سے فروخت کر کے جو لوٹ مار کر رہی ہیں اس کا خاتمہ کیا جائے اور عوام کو جنرک سکیم کے تحت سستی دوائیاں مہیا کی جائیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے شیخ محمد رشید کو پچاس لاکھ روپے کی رشوت پیش کی تا کہ وہ جنرک سکیم کے سلسلے میں اپنا ارادہ تبدیل کر لیں۔ شیخ رشید نے یہ پیش کش مسترد کر دی۔ جب یہ سکیم وفاقی کابینہ میں منظوری کے لیے پیش ہوئی تو جو وزراء دوا ساز کمپنیوں کے زیر اثر آ چکے تھے۔ انہوں نے اس سکیم کی سخت مخالفت کی۔ شیخ رشید نے سکیم کی پر جوش حمایت کرتے ہوئے کہا۔ ”وزیراعظم اگر یہ سکیم ناکام ہو جائے تو آپ مجھے گولی مار دیں“ بھٹو نے کہا۔ "What a tempting offer" کس قدر دلکش پیشکش ہے۔“(ق ن)

سابق وزیراعلیٰ پنجاب میاں افضل حیات نے بتایا: بھٹو نے مصطفیٰ کھر، معراج خالد اور حنیف رامے کے بعد نواب صادق قریشی کو پنجاب کا وزیراعلیٰ لگا کر پی پی پی پنجاب کی سیاسی حیثیت کو کمزور کر دیا بھٹو، کھر اور رامے کی سیاسی مقبولیت سے خوش نہ تھے انہوں نے صادق قریشی کو کہا۔

"I do not want to see crowd around you"

”میں تمہارے اردگرد سیاسی مجمع نہیں دیکھنا چاہتا“

جب اراکین اسمبلی بھٹو سے شکایت کرتے کہ وزیراعلیٰ ان کو ملاقات کا وقت نہیں دیتے تو بھٹو بہت خوش ہوتے۔ اس رویے سے پنجاب میں پی پی پی کو سیاسی طور پر نقصان پہنچا۔

بھٹو نے ایک دن اپنے سیاسی مشیر محمد حیات ٹمن سے کہا کہ پارٹی کے عہدیدار ان کو بڑا تنگ کرتے ہیں ٹمن نے کہا کہ تنظیمیں توڑ دیں۔ بھٹو نے پوچھا کہ اگر پھر بھی پارٹی ٹھیک نہ ہوئی تو کیا کروں۔ ٹمن نے کہا کچھ عرصہ بعد دوبارہ تنظیم توڑ دیں اور نئی تنظیم بنائیں۔

بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور میں جب سپریم کورٹ کے فل بنچ نے چیف جسٹس کی سربراہی میں ججز کیس میں فیصلہ سنایا تو بے نظیر کو یہ فیصلہ پسند نہ آیا کیونکہ ان کے خیال میں سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ 1973 کے آئین سے انحراف تھا۔ بے نظیر نے اس فیصلہ پر غور کرنے کے لیے وفاقی کابینہ کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا۔ اس اجلاس میں چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ اور قانون کے صوبائی وزیر بھی شریک ہوئے۔ اجلاس میں گرما گرم بحث کے دوران دلچسپ تجاویز پیش کی گئیں۔ بے نظیر نے کہا

http://www.apnaorg.com

" I do not agree with people like Aitazaz who
says we have to live with it."

''میں اعتزاز احسن جیسے لوگوں سے اتفاق نہیں کرتی جو کہتے ہیں کہ ہمیں
اس فیصلہ کو تسلیم کرنا پڑے گا''

ڈاکٹر شیر افگن قانون اور پارلیمانی امور کے وزیر تھے انہوں نے چیف جسٹس کے لیے سخت اور غیر پارلیمانی الفاظ استعمال کیے۔ ایک وزیر نے آئین کی خلاف ورزی کے جرم میں چیف جسٹس کو گرفتار کرنے کی تجویز پیش کی اور کہا کہ یہ کام وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر سرانجام دیں۔ نصیر اللہ بابر نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تو وزیراعلیٰ سردار تگئی نے کہا ''وزیراعظم یہ کام آپ پنجاب پر چھوڑیں'' ایک وزیر نے چیف جسٹس کے خلاف جلوس نکالنے کی تجویز پیش کی تو مصطفیٰ کھر نے کہا کہ اگر حکومت پانچ ہزار افراد کا جلوس نکالے گی تو اس کے مخالف پچاس ہزار افراد کا جلوس نکالنے میں کامیاب ہوجائیں گے رضا ربانی نے رائے دی کہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کو تسلیم کرلیا جائے۔

بلخ شیر مزاری ذوالفقار علی بھٹو کے پرانے دوست تھے۔ بھٹو جب وزیراعظم تھے تو بلخ شیر نے ان کو گلبرگ لاہور اپنی رہائش گاہ پر ڈنر دیا اور بھٹو کو ایک قدیم نادر پستول تحفے کے طور پر بھی دیا۔ گفتگو کے دوران بلخ شیر نے بھٹو کو وزیراعظم کی بجائے زلفی کہہ دیا۔ بھٹو کو یہ بے تکلفی پسند نہ آئی اور انہوں نے وزیراعلیٰ پنجاب صادق قریشی کو ہدایت کی وہ بلخ شیر کو اپنے قریب نہ آنے دے۔

ملت پارٹی میں شمولیت کے دوران میں ایک دن لاہور ہائی کورٹ بار روم میں فاروق لغاری کی تعریف کر رہا تھا کہ لغاری شریف آدمی ہیں پڑھے لکھے ہیں نمازی اور تہجد گزار ہیں۔ تعریف سن کر ایک وکیل نے کہا۔ ''نظامی صاحب آپ نے فاروق لغاری کی جو خوبیاں گنوائی ہیں یہ بادشاہی مسجد کے خطیب کے لیے تو موزوں ہیں مگر وزیراعظم پاکستان کے لیے تو بصیرت اور اہلیت کی ضرورت ہوتی ہے(ق ن)

لاہور کے کچھ سیاست دان بے نظیر سے ملاقات کے لیے دوبئی گئے بے نظیر نے ملاقات کے دوران ان کو بتایا کہ ''میں نے خواب دیکھا کہ فاروق لغاری مجھ سے معافی مانگ رہے ہیں'' ایک ملاقاتی نے کہا کہ بی بی آپ صاف کہیں کہ آپ فاروق لغاری کو معاف کرنے کے لیے تیار ہیں۔

بھٹو نے اپنے وزیروں اور مشیروں کے نام ایک نوٹ لکھا

''ہم بحران سے گزر رہے ہیں۔ میرے صبر اور رفقاء کے احترام کے باوجود ایک وقت آتا ہے کہ

http://www.apnaorg.com

صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ وزیر مملکت نے پبلک تقریر میں مرکزی حکومت کے ایک مشیر کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا اور ڈسپلن کی خلاف ورزی کی میں نے اندرونی تنقید کی کبھی حوصلہ شکنی نہیں کی میں تمام گورنروں، وزیروں، مشیروں اور خصوصی معاونین کو آخری انتباہ کرتا ہوں کہ ڈسپلن کی خلاف ورزی سے باز رہیں۔ میں نے نوجوان وزیر کی سیاسی تربیت کی۔ ایک وقت پر میں نے اسے اپنا جانشین قرار دیا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ توقعات پر پورا نہیں اترا۔ میں دھمکی نہیں دے رہا حکومت کے مفاد میں انتباہ کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آئندہ ایسی افسوسناک صورت حال پیدا نہیں ہوگی"۔

نوٹ: (بھٹو نے اپنے نوٹ میں جس وزیر مملکت کا ذکر کیا ہے وہ معراج محمد خان تھے)

سینئر صحافی پرویز حمید بیان کرتے ہیں: لاہور ہائی کورٹ میں بھٹو کے خلاف قتل کا مقدمہ چل رہا تھا۔ میں سرور سکھیرا کے ساتھ عدالت میں گیا اور بھٹو صاحب کو ان کا پسندیدہ سگار پیش کیا جو انہوں نے پینا شروع کر دیا۔ ہم نے بھی اپنے سگریٹ سلگا لیے۔ مگر خوف زدہ تھے کہ کورٹ روم میں سگریٹ پینے سے توہین عدالت کے مرتکب ہو جائیں گے۔ بھٹو صاحب نے کہا۔

"Court is over so this is a room and not court room"

"جج اس وقت کمرے میں موجود نہیں ہیں لہٰذا یہ صرف روم ہے اور کورٹ روم نہیں ہے"

بھٹو صاحب نے ایک دن پوچھا کیا لوگ واقعی میرے خلاف ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ لوگ تو آپ کے خلاف نہیں ہیں مگر آپ نے اپنے قاتل اپنے گرد خود ہی اکٹھے کئے حیات ٹمن، سعید احمد خان، مسعود محمود آپ کے خلاف گواہ ہیں مگر حنیف رامے اور معراج محمد خان نے آپ کے خلاف گواہی نہیں دی۔ بھٹو صاحب نے کہا۔

"You are right I was mistaken:

"تم ٹھیک کہتے ہو یہ میری غلطی تھی"

بھٹو صاحب کا معمول تھا کہ سردی ہو یا گرمی رات کو ایک بجے لان میں ٹہلتے اور اپنے سٹاف کو ڈکٹیشن بھی دیتے جاتے۔ ٹہلتے ٹہلتے رفقاء سے باتیں بھی کرتے رہتے کسی نے پوچھا سر آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں بھٹو صاحب نے کہا میں ہر وقت کمرے میں بند رہتا ہوں میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے ملک کے موسموں اور آب و ہوا سے اپنا تعلق قائم رکھوں۔

جب جسٹس صمدانی نے بھٹو کو ضمانت پر رہا کیا تو میں اور سرور سکھیرا نواب صادق قریشی کی رہائش گاہ شادماں لاہور پر بھٹو صاحب سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ وہاں پر کافی گہما گہمی تھی۔

http://www.apnaorg.com

بھٹو صاحب ماہنامہ دھنک کے حوالے سے ہمیں جانتے تھے۔ ہم نے اپنا کارڈ بھٹو صاحب کے پاس بھیجا تو انہوں نے کچھ دیر کے بعد ہمیں ملاقات کے لیے بلا لیا ہم نے ان سے گزارش کی کہ ہم ایک ضروری بات کرنے کے لیے آئے ہیں لہٰذا ہمیں چند منٹ علیحدگی میں بات کرنے کا موقع دیں۔ ہم نے کچھ دیر اور انتظار کیا اور بھٹو صاحب نے دوسرے لوگوں کو فارغ کر دیا اور پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم آپ کے دوست ہیں اور مقدمہ قتل کے سلسلے میں آپ کی پوری مدد کرنا چاہتے ہیں آپ سے گزارش ہے آپ ہمیں نواب محمد احمد خاں کے قتل کے بارے میں اصل حقائق سے آگاہ کر دیں۔ آپ کا اس قتل سے تعلق ہو یا نہ ہو ہم ہر صورت میں آپ سے تعاون کریں گے۔ بھٹو صاحب نے اپنے ذاتی ملازم نورا مغل سے بریف کیس لانے کو کہا۔ بریف کیس سے قرآن پاک نکالا اور ہم سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

''میں اللہ کے فضل سے مسلمان ہوں۔ یہ کتاب مقدس میرے لیے دونوں جہانوں میں ذریعہ نجات ہے۔ میں اللہ کی اس مقدس کتاب کے حوالے سے بیان کرتا ہوں کہ قصوری کے قتل سے یا اس کی سازش سے یا کسی منصوبہ سے میرا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی میرے علم میں ہے۔ اس سلسلے میں جو کہانی بنائی گئی وہ من گھڑت ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔ ہم نے بھٹو صاحب کی باتیں سن کر کہا جناب ہمیں پہلے بھی یقین تھا مگر اب ہم زیادہ اعتماد کے ساتھ آپ کا عوامی سطح پر دفاع کریں گے۔

مصطفیٰ کھر نے ماہنامہ دھنک کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا۔ الزام یہ تھا کہ دھنک میں وزیراعظم بھٹو کے کارٹون شائع ہوئے ہیں۔ سرور سکھیرا اور میں وزیراعظم ہاؤس راولپنڈی بیگم نصرت بھٹو سے ملاقات کے لیے پہنچ گئے۔ اتفاق سے بھٹو صاحب بھی بیگم صاحبہ کے آفس میں آ گئے اور مجھے دیکھ کر کہنے لگے پرویز کیسے آئے ہو۔ میں نے ان کو دھنک کا شمارہ دکھایا وہ اپنے کارٹون دیکھ کر بڑے محظوظ ہوئے اور پوچھنے لگے کہ یہ کارٹون کس نے بنائے ہیں میں نے بتایا کہ جاوید اقبال نے بنائے ہیں کہنے لگے وہ ایک اچھا کارٹونسٹ ہے۔ میں نے کہا جناب آپ تو تعریف کر رہے ہیں مگر مصطفیٰ کھر نے دھنک بند کر دیا ہے۔ بھٹو صاحب نے کہا۔

"He has no sense of humour"

''اسے مزاح کی سینس نہیں ہے''

بھٹو صاحب نے ہمارے سامنے کھر کو فون کیا اور اسے کہا۔

"Mustafa you have no sense of humour"

''تم نے دھنک کی اشاعت روک دی ہے اس پر پابندی ختم کر دو''

ممتاز کالم نویس نذیر ناجی بیان کرتے ہیں: بھٹو صاحب نجی محفلوں میں اکثر موت کے موضوع پر

http://www.apnaorg.com

گفتگو کرتے تھے، 1970ء میں جب ٹکٹوں کی تقسیم جاری تھی، وہ لاہور میں میاں محمود علی قصوری کی رہائش گاہ پر قیام پذیر تھے، دن بھر کے کام سے فارغ ہونے کے بعد، وہ چند احباب کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے کافی پی رہے تھے، میں بھی اس محفل میں حاضر تھا، اچانک کسی بات پر بھٹو صاحب نے اپنے خاندان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ”میرے والد اور بھائی دونوں ہی تھوڑی عمر میں فوت ہوئے، ایسا لگتا ہے کہ میں بھی 50 سال کی عمر کے لگ بھگ ہی زندہ رہوں گا“۔ حاضرین میں سے اکثر نے انہیں اس طرح کی سوچوں سے روکنے کی کوشش کی مگر وہ حتمی انداز میں بولے کہ یہ میرے خاندان کا معاملہ ہے اور مجھے معلوم ہے کہ ”ہمارے ہاں مردوں کی عمریں 50 برس سے ایک دو سال ہی اوپر نیچے ہوتی ہیں“۔ وہ بے خوابی کے مرض کا شکار تھے، جس کی وجہ سے عموماً اکیس بائیس گھنٹے کام کیا کرتے اور جو تین ساڑھے تین گھنٹے وہ آرام کی خاطر نکالتے، اس میں بھی پوری نیند سے لطف اندوز نہیں ہوسکتے تھے لیکن اس بے خوابی سے انہوں نے دوسروں کو کبھی تنگ نہیں کیا، بارہ بجے کے بعد کسی سے کوئی کام نہیں کہتے تھے اور صبح آٹھ بجے سے پہلے کوئی بیرونی رابطہ نہیں کرتے تھے، ماسوا ہنگامی اور اشد ضرورت کے، ان کے بعد اسی مرض میں مبتلا ایک صوبائی سیاستدان کو اقتدار ملا تو وہ آدھی رات کو سرکاری افسروں کی نیندیں خراب کرتا اور اپنے حوالے سے یہ خبریں چھپواتا کہ اس نے رات کو دو بجے افسروں کی دوڑیں لگوا دیں لیکن بھٹو صاحب نے اپنے اس مرض کا بطور وزیر، صدر اور وزیراعظم کبھی انتظامی عملے کو پتہ نہیں چلنے دیا، چونکہ وہ عام آدمی کے مقابلے میں دوگنا کام کرتے تھے، لہٰذا کبھی کبھی کہا کرتے کہ

"I have lived longer than anybody else"

بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ بھٹو صاحب اپنے خاندان کی عمروں کے بارے میں کیوں سوچا کرتے تھے؟ ان کے والد اور بھائی کے بعد، خود وہ بھی 50 برس سے ذرا اوپر ہو کر غیر متوقع اور المناک موت کا شکار ہوئے اور ان کے دونوں بیٹے 50 سال کی عمر کو بھی نہ پہنچ سکے۔

اس کے باوجود موت کا خوف ان کے اندر بالکل نہیں تھا، یہاں میں دو ذاتی مشاہدوں کو یکجا کروں گا، نواز شریف میرے انتہائی محترم دوست اور ملک کے ممتاز قومی رہنما ہیں، 12 اکتوبر کو جب وہ چیف آف آرمی سٹاف کی برطرفی کا اعلان کرنے والے تھے تو محض چند گھنٹے پہلے میں نے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ فوج سے تصادم کی راہ پر نہ چلیں اور مثال کے لیے عرض کیا تھا کہ ”1971ء میں ذوالفقار علی بھٹو کو جو عوامی مقبولیت حاصل تھی، وہ شاید ہی کسی دوسرے کو حاصل ہوسکے اور پاکستان کی فوجی قیادت ناپسندیدگی اور عدم مقبولیت کے جس درجے پر تھی، آئندہ شاید ہی کبھی اس درجے پر آئے لیکن اس وقت بھی جب ٹی وی پر فوجی جرنیلوں کی بے حرمتی کے منظر دکھائے گئے تو فوج نے اسے ناپسند کیا اور بھٹو صاحب پر دباؤ ڈالا کہ اس کی بے عزتی کے مناظر عوام کو نہ دکھائے جائیں، فوج کی کمزوری کے بدترین اور اپنی طاقت کے بہترین لمحات میں بھی بھٹو صاحب نے فوج سے تصادم کی راہ

http://www.apnaorg.com

اختیار کرنے کی بجائے، اس کی بات کو مان لینا مناسب سمجھا، آپ نہ اتنے طاقتور ہیں اور نہ ہی فوج اس دور کی طرح کمزور ہے، مناسب ہوگا کہ آپ تصادم کا راستہ اختیار نہ کریں'' اس پر نواز شریف کا جواب تھا کہ ''بھٹو بزدل تھا۔''

اور ''بزدل بھٹو'' کا واقعہ یوں ہے کہ جب لاہور ہائی کورٹ سے ضمانت کے بعد وہ کراچی گئے تو میں ان سے ملاقات کے لیے وہاں پہنچ گیا، لاہور اور اسلام آباد میں ان کے متعلق بہت سی بری خبریں سن رکھی تھی، میں انہیں قوم کا قیمتی اثاثہ تصور کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح اپنے جذبات کو ان تک پہنچاؤں مجھے قریباً سہ پہر تین بجے ملاقات کا وقت ملا، جب میں وہاں پہنچا تو گھر کے لاؤنج میں کراچی کے ایک صحافی بیٹھے تھے، میں بھی اندر جا کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا، بھٹو صاحب تشریف لائے تو حسب روایت ہم دونوں نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا، ان کے دونوں پالتو کتے دُم ہلاتے ہوئے، ان کی ٹانگوں کے اردگرد گھوم رہے تھے، ان کتوں کے قد چھوٹے تھے اور گرے رنگ کے بال زیادہ لمبے نہیں تھے، بھٹو صاحب نے کھڑے کھڑے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا تو میں نے درخواست کی کہ میں علیحدگی میں ان سے کچھ کہنا چاہتا ہوں، انہوں نے مہمان صحافی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مجھے ساتھ لے کر ایک خالی بیڈ روم میں آگئے، جو شاید مہمانوں کے لیے مخصوص تھا اور کھڑے کھڑے ہی مجھ سے پوچھا کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟ میں نے کھڑے کھڑے ان افواہوں کا تذکرہ کیا، جو میں نے اسلام آباد اور لاہور میں ان کے حوالے سے سنی تھیں اور اپنا اندازہ بتایا کہ ضیاء الحق اور اس کا ٹولہ ان کی جان لینے پر تلا ہے، مناسب یہ ہوگا کہ فی الوقت وہ اپنی جان بچالیں، زندگی رہی تو قوم پھر ان کی خدمات کا فائدہ اٹھا سکے گی، بھٹو صاحب نے میری پوری گفتگو بڑے غور اور توجہ سے سنی اور آخر میں کہا ''تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' میرا جواب تھا ''سر! یہاں سے صرف 12 میل دور جا کر آپ فوجی حکمرانوں کی دسترس سے نکل سکتے ہیں'' ہم 70 کلفٹن میں کھڑے تھے، میرا اشارہ سمندر کی طرف تھا، جہاں صرف 12 میل آگے جا کر سمندر کی ملکی حدود ختم ہوجاتی ہیں، بھٹو صاحب نے میرا مشورہ سنا، تھوڑا سا مسکرائے اور دریافت کیا کہ ''کچھ اور کہنا ہے؟'' میں نے نفی میں جواب دیا تو بولے ''بس یہی کہنا تھا؟ آؤ چلتے ہیں'' اور ہم کمرے سے باہر نکل آئے، یہ تھا اپنی موت کے امکان پر ''بزدل بھٹو'' کا ردعمل، جس نے بدترین حالات میں مثالی حوصلہ اور جرأت کے ساتھ قید بھی کاٹی اور موت کو گلے بھی لگایا۔

نواب زادہ نصراللہ خان نے بتایا: اکتوبر 2002 کے انتخابات کے بعد ہم متحدہ اپوزیشن کی مخلوط حکومت تشکیل دینے کے لیے تیاری مکمل کر چکے تھے اور جنرل پرویز مشرف نئی صورت حال سے سخت پریشان تھے مگر محترمہ بے نظیر بھٹو نے جنرل مشرف کے بارے میں نرم رویہ اختیار کرتے ہوئے مخلوط حکومت کی منظوری نہ دی اور اس طرح جنرل مشرف مشکل صورتِ حال سے نکل گئے۔ میں نے محترمہ کو مشورہ دیا کہ جنرل پرویز مشرف نے جتنی سہولتیں امریکہ کو دے رکھی ہیں وہ ایک جمہوری لیڈر کبھی نہیں

دے سکتا لہٰذا آپ امریکہ کے حق میں بیانات دے کر اپنے ووٹ بینک کو متاثر نہ کریں۔ محترمہ نے میرے مشورے کو سنجیدگی سے لیا۔ (ق ن)

انقلابی کالم نگار حسن نثار بیان کرتے ہیں: محترمہ بے نظیر بھٹو کی وزارت عظمیٰ کا پہلا راؤنڈ تھا۔ راؤ رشید اسٹیبلشمنٹ کے وزیر تھے اور چوہدری اعتزاز احسن کے پاس وزارت داخلہ کا قلمدان تھا۔ طاہر القادری نئے نئے سیاسی ہو رہے تھے اور پیپلز پارٹی کے ان اہم قائدین سے ملنے کے شدید خواہش مند بھی۔ نذیر غازی ایڈووکیٹ (جو ان دنوں اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل تھے) اور خواجہ سعید الظفر کے ذریعہ میری قادری صاحب کے ساتھ ملاقات تھی اور غالباً انہی دوستوں کے ذریعہ طاہر القادری کو معلوم ہوا کہ میرے راؤ رشید اور اعتزاز احسن کے ساتھ قریبی تعلقات ہیں تو وہ میرے گرد ہو گئے کہ ان دونوں صاحبان سے ملائیں تاکہ پیپلز پارٹی کے ساتھ تعلقات کے امکانات پر غور کیا جا سکے۔ میں نے پہلے راؤ رشید اور پھر چوہدری اعتزاز احسن کے ساتھ طاہر القادری صاحب کی ''خفیہ میٹنگ'' کا انتظام کرا دیا لیکن علامہ طاہر القادری کی تمام تر خواہش کے باوجود بات نہ بن سکی۔

عمران خان اور میں کسی تقریب میں اکٹھے تھے۔ محمد علی درانی (حال سینیٹر محمد علی درانی) کے عمران کے ساتھ گہرے تعلقات تھے اور میرے ساتھ بھی بہت دوستی تھی جو آج بھی ہے تقریب میں میری تقریر سننے کے بعد عمران خان نے درانی سے کہا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے محمد علی درانی کے گھر کھانے پر ملاقات ہوئی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب عمران آئے روز سیاست میں اپنی آمد کی تردید کر رہا تھا لیکن اندر ہی اندر سیاست میں آمد کے لئے پرتول رہا تھا۔ اس پہلی ملاقات میں ہی میں نے دوٹوک انداز میں پوچھ لیا کہ اگر سیاست میں آنا ہے تو بتاؤ تاکہ کوئی سنجیدہ بات ہو سکے نہیں تو ہلکی پھلکی گپ شپ کر کے اپنے اپنے گھر...... عمران کھل گیا اور اس کے بعد ہم کھلتے ہی چلے گئے۔ تحریک انصاف کا میں پہلا میڈیا ایڈوائزر اور سیکریٹری انفارمیشن تھا میرا عمران سے ساتھ چند ماہ سے زیادہ نہ چل سکا کیونکہ عمران کے گرد این جی او قسم کے لوگوں اور غیر سیاسی قسم کے جوکروں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا...... میرے جھگڑے شروع ہو گئے اور نوبت علیحدگی تک جا پہنچی۔ دلچسپ ترین بات یہ ہوئی کہ خود محمد علی درانی نے عمران خان کو جوائن نہیں کیا۔ میں ان دنوں ''خبریں'' میں کالم لکھتا تھا۔ میں نے تحریک انصاف کے ان جوکروں کی دھجیاں اڑانی شروع کر دیں۔ پہلی پیشین گوئی یہ کہ ان کو ایک سیٹ بھی نہیں ملے گی۔ دوسری یہ کہ یہ سارے جوکر الیکشن کے بعد عمران خان کو چھوڑ جائیں گے۔ دونوں پیشین گوئیاں حرف بحرف درست ثابت ہوئیں۔ عمران کو غلطی کا احساس ہوا تو یہ اس کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ الیکشن کے کچھ عرصہ بعد اس کا پیغام آیا کہ ملنا چاہتا ہے۔ ہمارے تعلقات پھر سے بحال ہو گئے جو آج تک اتنے ہی عمدہ ہیں جیسے آغاز میں تھے۔ الیکشن کے دوران ایک مرحلہ پر مجھے اندازہ ہوا کہ عمران شاید بائیکاٹ کر دے۔ ایسی صورت میں عمران کا 'ہوا' بدستور قائم رہتا یعنی اس کی فتح کا خنجر دھاگے سے بندھا اہل

سیاست کے سروں پر لٹکا رہتا کہ اگر الیکشن لڑ لیتا تو جانے کتنی سیٹیں لے جاتا۔ میں چاہتا تھا کہ عمران ہر قیمت پر انتخابی میدان میں اترے تاکہ جوکروں کا جم غفیر جلد از جلد اپنے منطقی انجام کو پہنچے۔ ملک معراج خالد مرحوم و مغفور نگران وزیراعظم مجھ پر بہت مہربان تھے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ آپ عمران خان کو الیکشن پر پکا رہنے دیں، اسے بائیکاٹ نہ کرنے دیں۔ ملک صاحب نے مسکراتے ہوئے وجہ پوچھی تو میں نے عرض کیا کہ الیکشن کے بعد بتاؤں گا......آپ فی الحال اتنی مہربانی کریں کہ عمران اور اس کے لوگوں کو تھاپڑا دے کر الیکشن میں اتار دیں......پھر جو کچھ ہوا وہ تو سب کو معلوم ہی ہے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو ''مساوات'' کے بارے میں بہت حساس تھیں۔ اسی سلسلے میں مجھے یاد کیا اور ''مساوات'' میں جان ڈالنے کی بات کی تو میں نے بلاتکلف عرض کیا کہ اگر آپ اسے ''پارٹی بلیٹن'' ہی رکھنا چاہتی ہیں تو پھر یہ اخبار کبھی نہیں بن سکے گا اور اگر آپ نے اسے پھر سے اخبار کا مقام دلانا ہے تو اس میں ہر قسم کی مداخلت بند کرنا ہوگی، پروفیشنل ہینڈلنگ کی ضرورت ہوگی اور اگر میں نے یہ ذمہ داری اٹھائی تو مجھے فری ہینڈ چاہئے ہوگا۔ محترمہ مکمل طور پر متفق تھیں لیکن جب معاملہ مالیات پر آیا تو میں نے واضح کر دیا کہ میں ایک پروفیشنل آدمی تو ضرور ہوں لیکن جادوگری نہیں جانتا۔ کم از کم اتنا پیسہ انجیکٹ کئے بغیر گزارہ نہیں ہوگا۔ اس پر ''فنڈ ریزنگ'' کے نام پر مختلف میٹنگز ہوئیں تو میں یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ کوئی ''لیڈر'' کچھ بھی کمٹ کرنے پر راضی نہیں۔ سوائے ایک احمد سعید کے باقی سب آئیں بائیں شائیں میں وقت ضائع کر رہے تھے۔ محترمہ نے چاہا کہ جو کچھ میسر ہے اسی سے کام کا آغاز کر دیا جائے لیکن میں رسک لینے اور پھنسنے پر تیار نہ تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ جو آج پلا نہیں پکڑا رہے، کل بھی کچھ نہیں کریں گے۔ اسی دوران ایک میٹنگ میں ایک ناخواندہ سا آدمی جو ٹھیک سے پنجابی بھی نہ بول سکتا تھا، کھڑا ہو کر ایک فضول اور جذباتی سی تقریر جھاڑنے لگا کہ ''مساوات'' جیسے ''عظیم اخبار'' کو بغیر فنڈز کے بھی کثیر الاشاعت بنایا جاسکتا ہے اس کلاس کی واردات ہی اور تھی۔ انہیں اخبار کی کامیابی اور مقبولیت سے کہیں زیادہ دلچسپی کچھ اور معاملات میں تھی جبکہ میری ترجیحات صرف اور صرف ایک مؤثر اخبار تک محدود تھیں۔ میں نے بی بی سے کہا، ''اسے ہی چلانے دیں، یہ معجزہ میرے بس کی بات نہیں کیونکہ میں تو خالی ہاتھ اس مردے میں جان نہیں ڈال سکتا۔''

دوسرے فیز میں ''مساوات'' بطور ایڈیٹر میں نے اس وقت ٹیک اوور کیا جب سلمان تاثیر اور بیرسٹر شہزاد جہانگیر نے اس میں کچھ پیسہ انویسٹ کیا اور مجھے اس کی ادارت سنبھالنے پر مجبور کیا۔ شہزاد جہانگیر صاحب کے ساتھ میرا تعلق کچھ ایسا تھا کہ انکار نہ کر سکا اور اخبار جوائن کر لیا لیکن پیپلز پارٹی کا کلچر ہی ایسا تھا کہ یہ اخبار پھر بھی نہ بن سکا۔ ''پارٹی بلیٹن'' ہی رہا۔ میں نے اسے اخبار بنانا چاہا تو شوشہ چھوڑا گیا کہ ''یہ نواز شریف سے مل گیا ہے'' لیکن ایک فائدہ یہ ضرور ہوا کہ اس بہانے میں نے اپنے اندر چھپے کالم نگار کو دریافت کر لیا۔ اخبار کی مالی حالت پتلی تھی اس لئے میں بطور ایڈیٹر کوئی اچھا

http://www.apnaorg.com

کالم نگار افورڈ نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے مجبوراً محض ''خانہ پری'' کے لئے میں نے خود ''چوراہا'' کے عنوان سے کالم لکھنا شروع کردیا جسے غیر متوقع طور پر بہت پذیرائی ملی اور یوں میری زندگی ایک نئے فیز (Phase) میں داخل ہوگئی جس کے لئے میں محترمہ اور ''مساوات'' کا ممنون ہوں اس ''مساوات'' کا جو خود تو اخبار نہ بن سکا مگر مجھے کالم نگار بنا گیا۔

ڈاکٹر اجمل نیازی نے بیان کیا: میں 1969ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں زیر تعلیم تھا۔ بھٹو صاحب لاہور آئے تو ہم چند طلبہ ان سے ملاقات کے لئے انٹرکانٹی نینٹل موجودہ پرل کانٹی نینٹل پہنچ گئے۔ بھٹو صاحب کسی سے ملاقات نہیں کررہے تھے۔ جب ہم نے چٹ بھیجی اور بھٹو صاحب کو علم ہوا کہ گورنمنٹ کالج کے طلبہ ملاقات کے لئے آئے ہیں تو انہوں نے ہمیں بلا لیا۔ یہ میری بھٹو صاحب سے پہلی ملاقات تھی۔ بھٹو صاحب بڑی شفقت سے ملے ان کی پروقار شخصیت اور دلکش انقلابی گفتگو میرے دل میں اتر گئی۔ بھٹو صاحب کی کرشماتی شخصیت آج تک میرے وجود کا حصہ ہے۔

1990ء میں جب محترمہ بے نظیر بھٹو کی پہلی حکومت برطرف کی گئی میں اسلام آباد سے لاہور آرہا تھا۔ وی آئی پی لاؤنج میں کم وبیش پچاس افراد موجود تھے جن میں سیاست دان، بیوروکریٹس اور بزنس مین شامل تھے۔ اچانک محترمہ بے نظیر بھٹو اپنے بچوں اور ناہید خان کے ہمراہ لاؤنج میں داخل ہوئیں میں ان کے احترام میں کھڑا ہوگیا۔ جب محترمہ نے دیکھا کہ ان کی آمد پر لاؤنج میں صرف ایک شخص کھڑا ہے تو انہوں نے بچوں کو ناہید خان کے سپرد کیا اور چل کر خود میرے پاس آگئیں۔ انہوں نے میری خیریت دریافت کی اور میرا شکریہ ادا کیا کہ میں نے ان کی عزت کی۔ میں نے کہا آپ پاکستان کی پہلی خاتون وزیراعظم بنیں آپ کی عزت اور احترام ہمارا فرض ہے۔ آپ کا احترام کرنا دراصل ان لاکھوں خواتین اور مردوں کو خراج تحسین پیش کرنا ہے جنہوں نے آپ کو لیڈر منتخب کیا۔

بھٹو کے ابتدائی دور حکومت میں لاہور کے کارکنوں نے ایک محاسبہ کمیٹی تشکیل دی جس کا مقصد یہ تھا کہ ان مفاد پرستوں اور موقع پرستوں کا محاسبہ کیا جائے جو پی پی پی کے انقلابی منشور پر عمل درآمد میں رکاوٹیں کھڑی کرنا چاہتے تھے۔ محاسبہ کمیٹی پاکستان پیپلز پارٹی لاہور کی جانب سے ایک پوسٹر بھی شائع کیا گیا۔ میں اور خالد سیف اللہ انصاری نے 31 مارچ 1973ء کو گورنر ہاؤس لاہور میں بھٹو سے ملاقات کی اور انہیں محاسبہ کمیٹی کا پوسٹر دکھایا۔ انہوں نے ہمارا آئیڈیا پسند کیا اور پوسٹر کی پشت پر گورنر پنجاب کے نام یہ نوٹ لکھا۔

"Please meet these two youngmen from the

http://www.apnaorg.com

party and discuss after that"

"پارٹی کے ان دونوجوانوں سے ملاقات کریں اور بعد میں مجھ سے ڈسکس کریں"

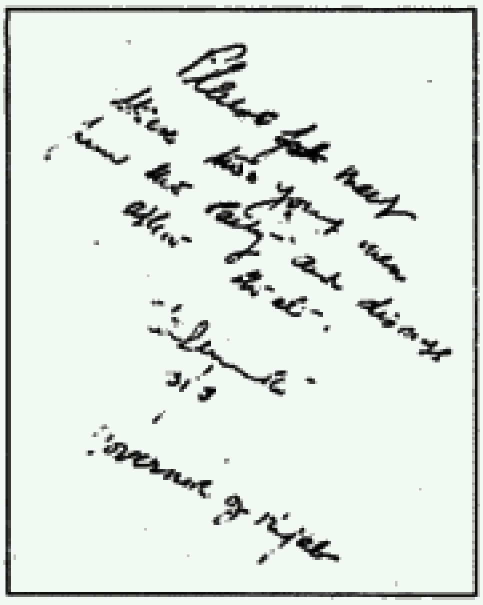

گورنر پنجاب مصطفیٰ کھر نے بھٹو کی ہدایت کے باوجود ہمیں ملاقات کا وقت نہ دیا۔محاسبہ کمیٹی کے اراکین میں قیوم نظامی، عشرت بخاری، انوار الحق غازی،اشتیاق احمد خان، چوہدری محمد فیاض، افضال بیلا، مقبول احمد خان، نذر محمد ذکی، جاوید سید، ڈاکٹر نسیم، آزادعلی آزاد، میاں عبدالماجد، سعید ٹیپو، کامریڈ عبدالمجید، سراج دین، محمد شریف ہوچی منہ، روزی خان، اشتیاق بخاری، اعزاز احمد آذر، خواجہ صادق وائیں، شیخ عرفان حمید، خالد سیف اللہ انصاری، محمد ارشد خان، خاقان بابر، حافظ محمد دین، ملک سراج منیر اور محمد یونس بھالیہ شامل تھے۔(ق ن)

سینئر ایڈووکیٹ ظہیر الحسن راوی ہیں: پاکستان کے سابق وزیراعظم حسین شہید سہروردی ممتاز قانون دان تھے۔ سہروردی ایک دفعہ کسی اور عدالت میں بحث کررہے تھے کہ ان کے مخالف وکیل چوہدری نذیر احمد نے جج سے کہا۔

"می لارڈ مسٹر سہروردی عدالت میں ایسی باتیں بھی کہہ دیتے جن کے بارے میں ان کوعلم ہوتا ہے کہ وہ درست نہیں ہیں"

سہروردی نے کہا "می لارڈ میں چوہدری نذیر احمد سے اتفاق کرتا ہوں"

جسٹس نے پوچھا "سہروردی آپ کیا کہہ رہے ہیں"

سہروردی: می لارڈ میں ہمیشہ عدالت میں چوہدری نذیر احمد کو "Mr learned friend" "میرا فاضل دوست" کہتا ہوں جبکہ مجھے علم ہے۔ "He is neither Learned nor Friend" "وہ نہ ہی فاضل ہے اور نہ دوست ہے"

بے نظیر کے مشیر اقبال اخوند بیان کرتے ہیں: وفاقی کابینہ کے اجلاس میں خواتین کے حقوق

زیر بحث تھے۔ بے نظیر نے کہا "جب تک خواتین معاشی طور پر مستحکم نہ ہوں وہ سماج میں اپنے حقوق حاصل نہیں کر سکتیں اور نہ ہی معزز مقام حاصل کر سکتی ہیں اگر میں خود معاشی طور پر آزاد نہ ہوتی تو جنرل ضیاء الحق کے خلاف جدوجہد کرنا میرے بس میں نہ ہوتا۔"

بے نظیر بھٹو پہلی بار خاتون وزیراعظم کا حلف اٹھانے کے بعد اولین فرصت میں عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے سعودی عرب جانا چاہتی تھیں مگر رکاوٹ یہ تھی کہ بے نظیر سعودی عرب کے شاہ فہد سے بھی ملاقات کی خواہش مند تھیں جبکہ سعودی عرب کے حکمران ایک عورت کو وزیراعظم بنانے کے خلاف تھے اسی لیے انہوں نے بے نظیر بھٹو کو وزیراعظم منتخب ہونے پر مبارکباد کا پیغام بھی ارسال نہیں کیا تھا۔ سعودی عرب کے قوانین کے مطابق سعودی شاہ عمرہ یا حج کے لیے آنے والے غیر ملکی سربراہوں کا استقبال نہیں کرتے تھے۔ پاکستان کے اندر مذہبی عناصر پہلے ہی بیانات جاری کر رہے تھے کہ خاتون کو پاکستان کا وزیراعظم نہیں ہونا چاہیے۔ یاسر عرفات نے اپنا اثرورسوخ استعمال کر کے شاہ فہد کو راضی کر لیا کہ وہ عمرہ وزٹ کے دوران بے نظیر بھٹو سے ملاقات کر لیں۔ بے نظیر اور شاہ فہد کی ملاقات جدہ میں ہوئی جس میں وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب اور میں بھی شامل تھے۔ اس ملاقات سے بے نظیر کو بڑی تقویت ملی اور یہ تاثر پھیلا کہ سب سے بڑے اور محترم اسلامی ملک کے شاہ فہد نے روایت سے ہٹ کر محترمہ بے نظیر بھٹو سے ملاقات کی۔

بے نظیر بھٹو نے جب وزیراعظم کی حیثیت سے پہلی بار جی ایچ کیو راولپنڈی میں بریفنگ لی تو بریفنگ کے دوران فوجی آفیسر نے مشورہ دیا کہ پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کے بعد افواج پاکستان کو جمہوریت کا میڈل دیا جائے۔ ہم سب یہ تجویز سن کر کچھ دیر تک خاموشی کی گرفت میں آگئے اور ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے رہے کابینہ نے آرمی چیف جنرل اسلم بیگ کو جمہوریت کا میڈل دینے کی منظوری دے دی۔ ایک تقریب میں بے نظیر نے جنرل اسلم بیگ کے گلے میں جمہوریت کا میڈل ڈالا۔ جب بے نظیر کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی گئی مسلم لیگ کے راہنما چوہدری نثار کے انکشاف کے مطابق ایم کیو ایم کے سولہ ایم این ایز کو وفاداریاں تبدیل کرانے کے لیے آرمی چیف جنرل اسلم بیگ نے بھی تعاون کیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جنرل اسلم بیگ نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بنک سے چودہ کروڑ روپے وصول کر کے آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل اسد درانی کو دیئے تھے تاکہ انہیں 1990ء کے انتخابات میں پی پی پی کا راستہ روکنے کے لیے استعمال کیا جاسکے۔

میاں اقبال چشتی نے سنایا: میں 1976ء میں خان قیوم کی مسلم لیگ کا جنرل سیکریٹری تھا۔ خان قیوم کراچی دورے پر آئے اور مزار قائد پر حاضری کا پروگرام بنایا۔ اس وقت قیوم لیگ کے صرف چالیس ممبر تھے۔ میں نے مسلم لیگ کے پندرہ سو پرچم اور سبز ٹوپیاں تیار کرائیں۔ بیس کارکن مزار کے ایک

http://www.apnaorg.com

دروازے پر اور بیس دوسرے دروازے پر کھڑے کئے اور انہیں ہدایت کی وہ مزار پر آنے والے لوگوں کو ایک پرچم اور ایک ٹوپی دیتے جائیں اور ان سے کہیں کہ خان قیوم مزار پر آنے والے ہیں۔ جب خان قیوم آئے تو ہر طرف مسلم لیگی پرچم لہرا رہے تھے ان کا تقریر کا کوئی پروگرام نہ تھا مگر مجمع کو دیکھ کر انہوں نے تقریر کرنی شروع کر دی اور جوش میں کہہ دیا کہ کراچی مسلم لیگ کا شہر ہے۔ بھٹو اس دن پشاور کے دورے پر تھے جب ان کو خان قیوم کی مزار قائد پر تقریر کی رپورٹ ملی تو وہ پریشان ہوگئے کیونکہ خان قیوم ان کی کابینہ میں وزیر داخلہ تھے۔ بھٹو ہنگامی طور پر کراچی پہنچے اور صوبائی وزیروں کے ہمراہ مزار قائد پہنچ گئے۔ دوسرے روز پریس میں وزیراعظم کی تصویریں شائع ہوئیں جبکہ خان قیوم کی خبر روک دی گئی۔ اسی شام مجھے پولیس نے اطلاع دی کہ اگلے دن صبح دس بجے وزیراعلیٰ سندھ مصطفیٰ جتوئی نے وزیراعلیٰ ہاؤس بلایا ہے۔ میں پریشان ہوگیا اور رات بے چینی میں گزاری۔ وزیراعلیٰ ہاؤس پہنچا تو مجھے جس کمرے کے اندر بھیجا گیا وہاں پر بھٹو صاحب بیٹھے تھے جبکہ جتوئی ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ بھٹو صاحب نے میرے تینوں بچوں کا نام لے کر ان کا حال پوچھا میں گھبرا گیا اور میری پیشانی پر پسینہ آگیا۔ بھٹو صاحب نے پوچھا کہ کراچی میں قیوم لیگ کے تیس لوگ ہیں مزار پر ہزاروں لوگ کہاں سے آگئے میں نے تفصیل بتائی تو کہنے لگے ''مسٹر قریشی تم ذہین آدمی ہو تمہیں تو میرے ساتھ ہونا چاہئے۔ تم اس بڈھے کے ساتھ کیا کر رہے ہو'' اس کے بعد بھٹو صاحب نے ایک کاغذ مجھے دیا اور کہا اس پر دستخط کردو۔ میں عینک لگا کر پڑھنے لگا تو بھٹو صاحب نے کہا۔

" Do not read it just sign it. I have no time"

''اسے پڑھو نہیں صرف دستخط کرو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں''۔

جب میں نے اسی دن شام کو پریس کانفرنس میں وہ تحریر پڑھی تو اس میں لکھا تھا کہ خان قیوم بوڑھے ہو چکے ہیں وہ نہ تو صحیح طور پر دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی سن سکتے ہیں۔ لہٰذا میں نے مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت کا فیصلہ کیا ہے۔ بھٹو صاحب کی خواہش ہوتی تھی کہ ذہین اور محنتی لوگ ان کی پارٹی میں شامل ہو کر کام کریں۔

میں 1978ء کے آخر میں اپنی فیملی کے ساتھ بہاولپور سے کراچی براستہ سڑک جا رہا تھا کہ صادق آباد کے قریب مجھے تین دیہاتی پی پی پی کا جھنڈا اٹھائے نظر آئے۔ جب میری کار ان کے قریب سے گزری تو انہوں نے جئے بھٹو کا نعرہ لگایا میں نے کار روک کر ان سے کہا کہ بھٹو نے قتل کیا ہے اور وہ موت کی کوٹھڑی میں ہے آپ اس کے لیے نعرے لگا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک بزرگ نے جواب دیا۔

''بابو جی ہمارے گاؤں کے نمبردار کے بیٹے نے دو قتل کیے ہوئے ہیں اور وہ آزاد پھر رہا ہے بھٹو تو ملک کا بادشاہ تھا اس نے اگر ایک قتل کرا دیا تو پھر کیا ہوا''

میں نے اسے کہا بابا جی آپ کے پاؤں میں تو جوتی بھی نہیں۔ بھٹو نے آپ کو جوتی بھی نہیں دی پھر بھی آپ بھٹو کا نام لیتے ہو۔ بابا جی نے کہا۔

''بھٹو سے پہلے گاؤں کا نمبردار ہمیں زمین پر بٹھاتا تھا جب بھٹو نے غریب عوام کو عزت اور شناخت دی تو نمبردار نے ہمیں چارپائی پر بٹھانا شروع کر دیا۔''

جنرل ایوب کے دور میں ایک انگریز حکمران پاکستان کے دورے پر آیا اسے شالامار باغ لاہور میں استقبالیہ دیا گیا جس میں بی ڈی ممبران کی بھاری تعداد شریک تھی جب انگریز حکمران شالامار باغ میں داخل ہوا تو چند بی ڈی ممبران نے اسے ''دلا شورہ'' کہنا شروع کر دیا۔ انگریز نے دونوں لفظ سن لیے اور سرکاری اہل کار سے پوچھا کہ دلا اور شورہ کا کیا مطلب ہے اس نے مصلحت کے تحت کہہ دیا کہ دلا اور شورہ جنٹلمین اور آنرایبل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ انگریز حکمران جب سپاس نامے کا جواب دینے لگا تو اس نے کہا۔'' "My dear dallaz and shoraz" ''میرے پیارے دلو اور شورو''

ایک دن میں اپنے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ ٹی وی پر نور جہاں کا یہ گانا چل رہا تھا۔ ''جدوں ہولی جئی لینداایں میرا ناں میں تھاں مر جانی آں'' اس وقت میری بیگم کچن میں کام کر رہی تھیں میں نے سوچا آج میں بھی اپنی قسمت آزماتا ہوں۔ میں نے ہولی جئی اپنی بیگم کا نام کشور کشور پکارا میری بیگم کچن سے باہر آئی اور غصے سے کہنے لگیں '' کی کشور کشور لائی ہوئی اے'' جب میں نے یہ واقعہ سابق ایم پی اے طاہرہ خان کو سنایا تو وہ بہت ہنسیں اور کہنے لگیں ''نظامی صاحب محبوب اور شوہر میں بڑا فرق ہوتا ہے''(ق ن)

بھٹو جب لاہور آتے تو پارٹی کے عہدیدار، اراکین اسمبلی اور صوبائی وزیران کا ایئرپورٹ پر استقبال کرتے۔ ایک دفعہ پی پی پی لاہور کے سابق صدر شیر محمد بھٹی مرحوم استقبالیہ لائین میں میرے ساتھ کھڑے تھے انہوں نے اپنے کوٹ کی جیب میں پارٹی فلیگ کی نسبت سے تین رنگوں کے پین لگا رکھے تھے۔ بھٹو جب ان کے پاس آئے تو شیر محمد بھٹی سے ہاتھ ملانے کے بعد رک گئے۔ انہوں نے بھٹی کی جیب سے ایک پین نکالا اور پوچھا اس سے کیا لکھتے ہو۔ پین کو واپس جیب میں لگانے کے بعد دوسرا پین نکالا اور پوچھا اس سے کیا لکھتے ہو اسی طرح تیسرا پین نکالا اور پوچھا اس سے کیا لکھتے ہو۔ شیر محمد بھٹی نے بتایا کہ کالے پین سے وہ خطوط لکھتے ہیں۔ سرخ پین سے ہائی لائٹ کرتے ہیں اور سبز پین سے دستخط کرتے ہیں۔(ق ن)

مارشل لاء کے دوران شیخ رشید اور میں روپوش تھے۔ پولیس ہماری گرفتاری کے لیے چھاپے مار رہی تھی۔ شیخ رشید نے پشاور کے راستے کابل جانے کا پروگرام بنایا اور مجھے کہا کہ چند قریبی کارکنوں

سے بات کروں کہ وہ بھی ساتھ چلیں۔ میں نے واجد علی شاہ سے کہا کہ ہمارے ساتھ کابل چلے۔ واجد علی شاہ نے کہا کہ ''آج کل شیخ رشید دفعہ 302 اور قیوم نظامی دفعہ 307 ہے لہٰذا میں ان کے ہمراہ کابل جا کر اپنی جان کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔'' واجد شاہ کا ''کمال'' یہ ہے کہ مارشل لاء کے دوران پارٹی کے لیے کام بھی کرتا رہا اور جیل جانے سے محفوظ بھی رہا۔(ق ن)

مرتضٰی بھٹو سندھ اسمبلی کا رکن منتخب ہونے کے بعد اپنی والدہ بیگم نصرت بھٹو سے مطالبہ کرتے رہے کہ پی پی پی کا چیئرمین بننا ان کا حق ہے۔ بیگم نصرت بھٹو پی پی پی کی چیئرپرسن تھیں اور محترمہ بے نظیر بھٹو شریک چیئرپرسن تھیں۔ محترمہ نے محسوس کیا کہ بیگم بھٹو ماں کی حیثیت سے مرتضٰی کے حق میں کوئی ایسا فیصلہ نہ کردیں جو پی پی پی کے اتحاد پر اثر انداز ہو لہٰذا انہوں نے سیکریٹری جنرل پی پی پی شیخ رفیق احمد آفتاب شیرپاؤ اور چند دوسرے راہنماؤں کو اعتماد میں لیا اور صورت حال کی نزاکت سے آگاہ کیا گلزار ہاؤس لاہور میں سینٹرل ایگزیکٹو کا ایک خصوصی اجلاس طلب کیا گیا۔ اجلاس شروع ہونے سے پہلے آفتاب شیرپاؤ نے مجھے کہا کہ شیخ رفیق احمد ایک قرارداد پیش کریں گے جس کی تائید میں نے کرنی ہے۔ شیخ رفیق احمد نے قرارداد پیش کی کہ پارٹی کے وسیع تر مفاد میں ضروری ہوگیا ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کو پی پی پی کی چیئرپرسن نامزد کیا جائے جبکہ بیگم نصرت بھٹو پارٹی کی رہبر کے طور پر کام کریں۔ میں پارٹی کا مرکزی سیکریٹری اطلاعات تھا میں نے پارٹی کے مفاد میں اس قرارداد کی تائید کی سینٹرل ایگزیکٹو کے اراکین نے اتفاق رائے سے اس قرارداد کو منظور کر لیا اور اس طرح بے نظیر بھٹو نے پی پی پی پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔(ق ن)

مارشل لاء کے نفاذ کے بعد جب مولانا کوثر نیازی نے پارٹی سے بے وفائی کی تو بھٹو نے مجھے ان کی جگہ مرکزی سیکریٹری اطلاعات نامزد کردیا۔ میں نے جہانگیر بدر کو پی پی پی پنجاب کا سیکریٹری اطلاعات اور ناظم شاہ کو پنجاب کا سیکریٹری فنانس بنانے کی سفارش کی بیگم بھٹو نے میری تجویز منظور کر لی۔ جہانگیر بدر نے سیکریٹری اطلاعات کی بجائے ایڈیشنل سیکریٹری پنجاب کا عہدہ حاصل کر لیا۔

شیخ رفیق احمد راوی ہیں: جب بھارت کے الیکشن ٹریبونل نے ایک کیس میں اندرا گاندھی کو لوک سبھا کی نشست سے محروم کر دیا اور پی پی پی کے ترجمان اخبار مساوات نے اس فیصلہ کے بارے میں شہ سرخیاں لگانی شروع کیں تو میں نے بھٹو صاحب سے ملاقات کر کے ان سے کہا کہ مساوات میں اندرا گاندھی کو پارلیمینٹ کی نشست سے محروم کرنے کے بارے میں خبریں شائع ہورہی ہیں اس طرح پی پی پی کے مخالفین کو شہہ ملے گی کہ وہ بھی آپ کے بارے میں الیکشن ٹریبونل سے رجوع کریں۔ بھٹو صاحب نے کہا کہ ''میری قومی اسمبلی کی سیٹ کوئی نہیں چھین سکتا'' مارشل لاء کے بعد میں لاہور ہائی کورٹ میں بھٹو صاحب سے ملا تو انہوں نے میری خیریت پوچھی میں نے ان سے کہا کہ میں تو ان کی

خیریت دریافت کرنے حاضر ہوا تھا۔ بھٹو صاحب نے کہا۔

"I recall your words when you said that my opponents are after my NA Seat. They are not only after my seat but are also after my life"

''میں آپ کی باتیں یاد کر رہا ہوں جب آپ نے مجھے کہا تھا کہ میرے مخالفین میری قومی اسمبلی کی سیٹ کے پیچھے پڑے ہیں۔ وہ صرف میری سیٹ کے پیچھے نہیں ہیں بلکہ میری جان کے بھی در پے ہیں''

محترمہ بے نظیر بھٹو نے میاں نواز شریف کے دور میں بیرون ملک جانے سے پہلے سینٹرل ایگزیکٹو کا جو آخری اجلاس بلایا میں نے اس میٹنگ میں کہا کہ پی پی پی اور مسلم لیگ کے منشور کم و بیش ایک جیسے ہو گئے ہیں کوئی زیادہ نظریاتی فرق باقی نہیں رہا۔ روٹی کپڑا اور مکان پی پی پی کا بنیادی نعرہ تھا جسے اب تمام سیاسی جماعتوں نے اپنا لیا ہے لہٰذا سیاست میں رواداری اور برداشت کو فروغ دینے کے لیے اور جمہوریت کے استحکام کے لیے مسلم لیگ کے ساتھ انڈرسٹینڈنگ ہونی چاہیے۔ میاں نواز شریف نے منتشر اور ٹوٹی پھوٹی مسلم لیگ کو متحد کر کے وفاقی سطح پر اپنی قیادت کو تسلیم کرایا ہے۔ لہٰذا پاکستان کے دو بڑے جمہوری لیڈروں کے درمیان بنیادی سیاسی اور جمہوری اصولوں پر انڈرسٹینڈنگ اور یک جہتی ہونی چاہیے۔ محترمہ نے میرے خیالات سے اتفاق کیا اور ایک ڈرافٹ تیار کرنے کا حکم دیا میں نے یہ ڈرافٹ تیار بھی کر لیا۔ مگر محترمہ کے بیرون ملک جانے کی بناء پر سینٹرل ایگزیکٹو کا اگلا اجلاس نہ ہو سکا۔

قیوم نظامی داتا دربار کے باہر گرفتاری دیتے ہوئے

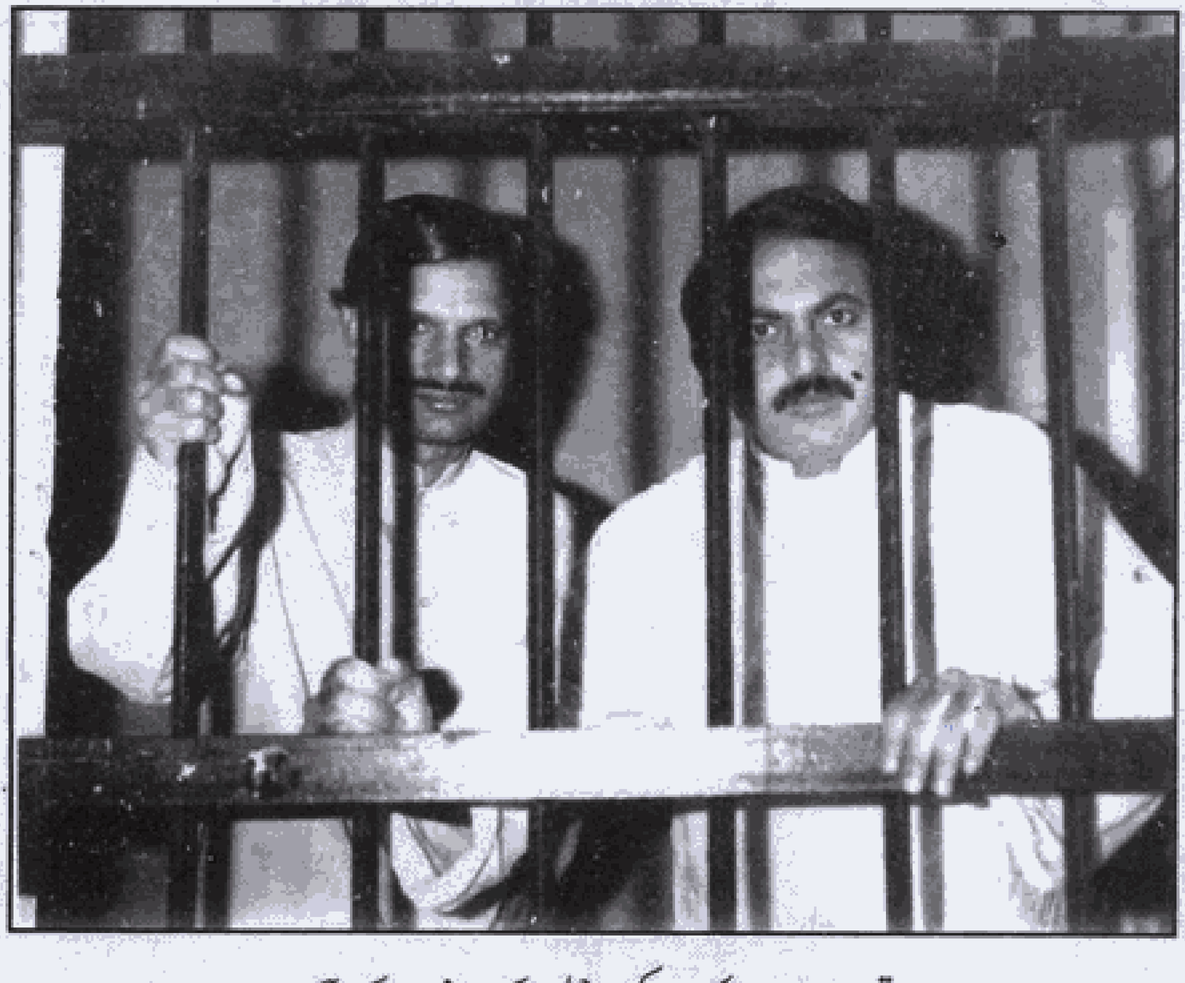

قیوم نظامی اور ملک حاکمین جیل کے سلاخوں کے پیچھے

http://www.apnaorg.com

سیاست سے جو سیکھا

میں نے اپنی زندگی کے 35 قیمتی سال عملی سیاست میں گزارے۔ سیاست سے جو سیکھا اس کا تذکرہ قارئین کے لیے دلچسپ اور سبق آموز ہوگا خاص طور پر سیاسی کارکن اور وہ نوجوان جو سیاست میں تعمیری کردار ادا کرنا چاہتے ہیں اس تجزیے سے استفادہ کر سکتے ہیں جو قارئین سیاست سے بے زار ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر میں نے سیاست سے کچھ سیکھا ہوتا ہے تو اب تک سیاست میں کیسے ہوتا۔ میں نے گزشتہ صفحات میں تنقید کرنے اور نتائج اخذ کرنے سے گریز کیا ہے صرف واقعات اور مشاہدات بیان کیے ہیں اور نتائج اخذ کرنے کا کام قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔ میں نے اس باب میں اپنے ذاتی تاثرات بیان کیے ہیں جن سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ سیاست سے جو کچھ میں نے سیکھا وہ قارئین کی عدالت میں پیش کرتا ہوں۔

1- سیاست میں اس وقت تک نکھار نہیں آسکتا اور سیاسی کلچر جمہوری اصولوں پر پروان نہیں چڑھ سکتا جب تک جہالت ختم نہ ہو اور پوری آبادی تعلیم یافتہ نہ ہو۔ ان پڑھ عوام نسلی لسانی گروہی مذہبی اور برادری کی بنیادوں پر تعصبات کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اس طرح جمہوری اصول پارٹی منشور اور نظریات ثانوی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔

2- متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے پڑھے لکھے افراد جب تک عملی سیاست میں نہیں آئیں گے سیاسی جماعتوں میں شخصیت پرستی کا رجحان ختم نہیں ہوگا اور جماعتوں کے اندر جمہوری کلچر پیدا نہیں ہوگا۔ متوسط طبقہ اگر سیاست میں کردار ادا کرنے سے گریز کرتا رہا تو یہ رویہ متوسط طبقے اور پاکستان دونوں کے لیے نقصان دہ ہوگا۔

3- سیاست ملک کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ملک کے تمام ادارے سیاست سے متاثر ہوتے ہیں۔ معاشی استحکام سیاسی استحکام کے بغیر ممکن نہیں۔ سیاست سے کنارہ کشی کا رجحان ملکی مفاد کے منافی ہے لہذا پوری قوم کو سیاسی عمل میں شریک ہونا چاہئے۔

4- سیاسی جماعتیں جب تک منظم فعال اور متحرک نہ ہوں اسٹیبلشمینٹ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اسٹیبلشمینٹ سیاسی جماعتوں کی تنظیمی خامیوں اور اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھاتی رہی ہے اور آئندہ بھی اٹھاتی رہے گی۔ جمہوری قائدین کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی جماعتوں کو ہر لحاظ سے مضبوط اور منظم بنائیں۔

5- موجودہ سیاست میں سرمایہ مرکزی اہمیت اختیار کر چکا ہے ان حالات میں مڈل کلاس کے افراد کے لئے سیاست میں ٹھوس مثبت اور فعال کردار ممکن نہیں رہا۔ سرمایے کے عمل دخل کو کم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ رائے دہندگان سیاسی کلچر تبدیل کرنے کے لیے دباؤ ڈالیں۔

6- جاگیرداری جمہوریت کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ پاکستان میں جب تک جاگیرداری نظام قائم ہے یہاں پر عالمی معیار کے مطابق جمہوری کلچر پیدا نہیں ہوسکتا اور جمہوریت کے ثمرات عوام تک نہیں پہنچ سکتے۔

7- پاکستان کے سیاسی کلچر میں کوئی کارکن خوشامد کے بغیر سیاست میں اعلیٰ مقام حاصل نہیں کرسکتا۔ سیاسی تاریخ میں چند افراد نے خوشامد کے بغیر اعلیٰ مقام حاصل کیا یہ معجزہ حالات کی مجبوری کی بناء پر ہوا وگرنہ خوشامد سے رفعتیں پانے والوں کی مثالوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

8- لیڈر کا ذاتی کردار سیاست میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ جس طرح کا اس کا ذاتی کردار ہوگا ویسا ہی اس کا اجتماعی کردار ہوگا۔ جس لیڈر کے ذاتی کردار کے منفی پہلو زیادہ ہوں وہ عوام کے لیے مثبت کردار ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

9- سیاست میں جذباتی تقریروں اور شعلہ بیانیوں کا شکار نہیں ہونا چاہیے اور الفاظ کی بجائے اعمال دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔

10- سیاست میں اعتماد اور حافظہ دو بنیادی خوبیاں ہیں جو کسی شخصیت کو قومی لیڈر بناتی ہیں۔ ان دو خوبیوں کے بغیر پاپولر لیڈر بننا ممکن نہیں ہوتا۔

11- پنجاب کا کلچر جاگیردارانہ ہے۔ پنجاب کے عوام مڈل کلاس طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کو لیڈر ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ مڈل کلاس کا کوئی فرد اہم منصب حاصل کرلے تو اس کے بڑے مخالف مڈل اور لوئر مڈل کلاس کے افراد ہی ہوتے ہیں۔

12- معاشرے میں سیاست دانوں کی شناخت ایک کلاس کے طور پر ہی ہوتی ہے۔ لوگ سیاستدانوں میں امتیاز کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ سیاست بدنام ہوجائے تو سیاست میں شریک تمام افراد پر بدنامی کا لیبل لگ جاتا ہے۔ جو افراد سیاست میں بہتر کردار ادا کرتے ہیں ان کو بھی روایتی سیاست دانوں کے ساتھ ہی بریکٹ کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ سیاست میں مثبت کردار ادا کرنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے۔

13- سیاسی کارکنوں کے لیے ورکرز اکیڈمی میں تربیت اور ٹریننگ کا انتظام کئے بغیر مثالی سیاست ممکن نہیں ہے۔ غیر تربیت یافتہ کارکن نعروں کی سیاست ہی کریں گے اور اصولی و نظریاتی سیاست کی جانب راغب نہیں ہوں گے۔

14- پاکستان میں جب تک استحصالی نظام موجود ہے۔ معاشی ترقی کا خواب پورا نہیں ہوسکتا۔ دنیا کے

http://www.apnaorg.com

ترقی یافتہ ملکوں امریکہ، برطانیہ، جاپان، فرانس، جرمنی اور چین، نے عدل و انصاف اور قانون کی بالادستی پر مبنی نظام قائم کر کے اور شہریوں کو مساوی مواقع فراہم کر کے معاشی ترقی کی منزل حاصل کی۔لوٹ کھسوٹ کے نظام میں افراد تو سرمایہ دار بن سکتے ہیں۔مگر ملک کبھی خوشحال نہیں ہو سکتا۔

15- سیاست اور مذہب کو جب تک الگ نہ کیا جائے پاکستان اپنے قومی مسائل حل نہیں کر سکتا دنیا میں ایک بھی ملک ایسا نہیں ہے جس نے سیاست میں مذہب کو شامل کر کے ترقی اور خوشحالی کی مثال قائم کی ہو۔مسلمہ آفاقی اور عالمی اصولوں کو نظر انداز کرنا پاکستان کے مفاد میں نہیں ہے۔

16- پاکستان میں فوج اپنا تسلط ختم کرنے اور زمیندار اپنی روش بدلنے کے لیے تیار نہیں ہیں انتخابات اور جمہوریت عوام کو مضبوط اور فعال تو بنا سکتے ہیں مگر سٹیٹس کو (Status Quo) تبدیل نہیں کر سکتے۔ پاکستان کے عوام ایک پلیٹ فارم پر منظم اور متحد ہو کر ہی عوامی دباؤ سے موجودہ ظالمانہ ریاستی نظام کو تبدیل کر سکتے ہیں۔موجودہ نظام میں جو ریفارمز بھی کی جائیں گی وہ نتیجہ خیز نہیں ہوں گی۔

17- پاکستان کثیر الجہتی بحران کا شکار ہے کوئی ایک سیاسی جماعت پاکستان کو بحران سے نہیں نکال سکتی۔تمام سیاسی جماعتیں قومی ایجنڈے پر متفق ہو کر اشتراک عمل سے ہی ملک کو بحران سے نکال سکتی ہیں۔موجودہ بحران پاکستان کے چودہ کروڑ عوام کو متاثر کر رہا ہے لہٰذا پاکستان کے سارے عوام مل کر ہی سنگین بحران سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔روٹی کپڑا مکان، تعلیم، صحت روزگار، امن اور احترام آدمیت معاشرے کی بنیادی ضروریات ہیں ان پر کسی کو اختلاف نہیں ہے اس بنیادی ایجنڈے پر متفق ہونا اور مشترکہ جدوجہد کرنا کوئی مشکل نہیں ہے بشرطیکہ نیت نیک ہو اور قومی مفاد سب سے زیادہ عزیز ہو۔

18- معاشرے میں خواتین کو مساوی مواقع دیئے بغیر اور ان کی اہمیت تسلیم کئے بغیر ترقی اور خوشحالی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

19- سیاست میں وقتی اور ہنگامی صورت حال سے متاثر ہو کر جذباتی فیصلے نہیں کرنے چاہئیں۔ پاکستان کی سیاست میں پروپیگنڈے کے زور پر ایسی صورتحال پیدا کر دی جاتی ہے جس سے متاثر ہو کر سیاسی کارکن اور راہنما پارٹی سے علیحدگی کا انتہائی فیصلہ کر لیتے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ان کو احساس ہوتا ہے کہ ان کا فیصلہ جذباتی تھا۔مناسب یہی ہے کہ عارضی کیفیت کو اپنے اوپر حاوی کرنے یا اس کا شکار ہونے کی بجائے انتظار کیا جائے۔اصل حقائق وقت گزرنے کے بعد ہی سامنے آتے ہیں۔ پی پی پی سے میری عارضی علیحدگی اور ملت پارٹی میں شمولیت کا فیصلہ جذباتی تھا۔وقت گزرنے کے ساتھ اندازہ ہوا کہ پی پی پی کی قیادت کے خلاف میڈیا

ٹرائیل کے ذریعے جو فضا بنائی گئی وہ مصنوعی اور عارضی تھی۔

20- پاکستان کی سیاست میں دوست اور دشمن بدلتے رہتے ہیں۔ سیاست دان اپنی وفاداریاں اور جماعتیں تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں کبھی ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہوتی ہیں اور کبھی آپس میں مل کر اتحاد بنا لیتی ہیں۔ موسموں کی طرح سیاست بدلتی رہتی ہے۔ ایک دور میں سیاسی راہنما ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے دوسرے دور میں وہ اچھے دوست بن جاتے ہیں۔

21- سیاست میں مادی رشتے عارضی ہوتے ہیں جب تک کوئی سیاست دان اقتدار میں ہوتا ہے مفاد پرست طبقہ اس کے ساتھ جڑا رہتا ہے جونہی وہ اقتدار سے الگ ہوتا ہے معاشی فائدے حاصل کرنے والے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ قلبی اصولی اور نظریاتی رشتے پختہ اور دیرپا ہوتے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو جب زیر عتاب آئے تو غریب کارکنوں نے نظریاتی حوالے سے ان کا ساتھ دیا اور ہر قسم کی قربانی دی جبکہ جاگیردار اور سرمایہ دار ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔

LETTER OF Z.A.B. TO Q.N.

My Dear Qayyum Nizami Dated 20-1-1977

I am glad to inform that I have awarded you the PPP ticket for PP-102 Lahore-IX constituency. I have taken this decision in my capacity as the chairman of the Pakistan People's Party. The decision is mine and mine alone and I have been guided by my confidence in your loyalty, integrity and reliability. I hope that the people of your constituency will repose the same faith in you which I have done and elect you with a thumping majority. I expect that, on being elected, you will vindicate their trust.

I would like you to know that it has been a saddening experience for me to see that some of those in whom I placed this confidence at the time of the last elections betrayed it. They succumbed to the temptation of personal profit. They indulged in intrigue and groupism. They disdained the interests of their party and the country and tried to fashion their own demi-gods. In doing so, they did no service either to the party or the country or the people who elected them. I hope you will be mindful of their derelictions and you will not encourage any fissiparous and destructive tendencies. Above all, I trust you will be steadfast in your loyalty to the Party and its principles.

I wish you the best of luck.

Yours Sincerely,

Zulfikar Ali Bhutto

Mr. Qayyum Nizami,
130-New Semanabad,
Lahore.

http://www.apnaorg.com

LETTERS FROM M.B.B. TO Q.N.

70-CLIFTON
KARACHI
12 DECEMBER 1980

Dear Mr. Qayyum Nizami,

The bearer of this note is Mr. Zafar Ujan who works with weekly Awaz. He has some good ideas on central and provincial publicity which should receive your serious consideration.
I am also enclosing a letter which should be sent to all district Party Presidents and Secretary General. A messenger was to take them to Rana Shaukat for forwarding in Punjab. I hope it has been done.

My good wishes to you and your family.

Yours Sincerely

Miss Benazir Bhutto

Dear Mr. Qayyum Nizami

Thank you for your letter dated 12 September 1984. I have received your papers and will be consulting lawyers about them. I do hope that a favourable decision may be arrived because there is so much you can do to help from London.
We have launched a membership tribe in the UK and future party elections will be held on the basis of this tribe. I believe that Dr Nasseer Shaikh had discussed with Yahya Qurieshi the details for the launch and party membership in Canada. Please check up on this.
Please convey my good wishes to your family and all the party members.

Yours sincerely,

Miss Benazir Bhutto

http://www.apnaorg.com

19 November 1984

Dear Brother Qayyum Nizami,

We have just obtained documents which show that the Military Court changed its original judgement of 14 years for the defendants into death sentences on the orders of the Military Commander, General Jahandad, MLA of Sindh. Please read these documents carefully, circulate them and follow up with all those people with whom contact has already been established.

After receiving assurances from Shaikh Rasheed that Butt and Mazhar would work under the discipline of the Party, I decided to use discretionary powers to permit them to work again as party members. You had also told me that they were prepared to work and had asked me to forgive them. Now that has been done, no doubt you will also see that they work properly and do not indulge in groupism or spread misinformation to party workers. I have already told them to contact workers in their constituencies to make boycott effective.

All eyes are on Punjab and the Battle of Panipat will be on its plains. I hope you have also contacted workers in your constituency and told them they will need to go door to door canvassing to ensure that masses know why we are opposed and stay away from polling booths.

I am glad to learn of the efforts you are making for contribution its centre to facilitate party work.

Please give my regards to your wife. I hope all the children are well.

With best wishes

Your sister,

Benazir Bhutto

http://www.apnaorg.com

Lauderdale Towers,
Barbican,
London EC2,
Dec. 12, 1984.

Dear Brother Qayyum Nizami,

I hope this letter will find you and your family in good health.
I have spoken with Javed Shah who has received your letter. He says that the root of the problem is the unexplained expenditure of funds and that these may be obtained from Shabbir. Please try to do the same so that the problem may be resolved.

With good wishes

Benazir Bhutto

31 December 1984

Dear Brother Qayyum Nizami,

Thank you for your letter dated 17 December 1984 which arrived this morning. The cheques from Naeem Khan also arrived in this morning's mail. Dr. Abdullah had rung up yesterday and we were both concerned that the cheques had not arrived.
I am glad you wrote to me about the details regarding your getting permission to stay here. It will certainly be difficult to be here with a family and no social security. I have had a telephone call placed to Mr. Naseem Ahmad. He will be here on January 2, 1985 and I shall discuss the matter with him and give him your letter.
Lashari is busy with the seminar for Shaheed Bhutto's birthday, which is also Democracy Day because on that day was born the man, destined to be the Country's first elected Prime Minister. In the evening we are having a mushaira and the proceeds from the mushaira will go into producing tapes of the mushaira to send back to Pakistan.

http://www.apnaorg.com

We have received many encouraging reports about the Referendum, which was the biggest setback to Zia which the people of the Country could give. It was also a demonstration of the political consciousness of our people to distinguish between Islam and Zia's cynical exploitation of it. Amal will be carrying a special issue full of news regarding the referendum. Another big meeting has been called for January 4, 1985 in Lahore.

Thank you for the card and seasonal greetings. My best wishes to you, Mrs Nizami and your family for a happy New Year which holds within it the promise of return to our Country and representative government and good health and happiness.

Yours Sincerely,

(Benazir Bhutto.)

N.B

I shall be speaking in Cambridge Mass. On April 2, 1984. As Cambridge is next to Canada, I could spend from April 13 to April 17 in Canada as I was unable to make the trip as proposed for September due to developments at home. I need to be in New York on April 17 because I have to address a meeting on the 18th. Please let me know whether the Canadian office bearers are in a position to prepare for the trip now, or whether they would prefer another time. Also, if the trip is prepared, aside from meeting Pakistanis, meetings with human rights, all political parties and parliamentarians need to be arranged.

Mr Qayyum Nizami
Advocate
32-2950 Penny Dr
Ottawa K2B 6H5
Canada

11 February 1985

Dear Mr Qayyum Nizami,

I entrusted your case of asylum to Mr Nasim Ahmed. He has made all possible efforts but I am afraid it is not possible. You were given political asylum in Canada and you will have to stay on. Moreover,

http://www.apnaorg.com

the British Government is not very sympathetic with asylum seeking people. Let us hope that we all return to Pakistan very soon.
The Editor of 'Amal' has conveyed your grievance. I am sure there must be a reason for this delay. Mr Bashir Riaz will communicate with you soon.

Yours Sincerely,

Benazir Bhutto

Benazir Bhutto
Acting Chairman P.P.P.

20 May 1985

Mr Qayyum Nizami
2950 Penny Dr # 32
Ottawa K2B 6H5
Canada

Dear Brother Qayyum Nizami,

Thank you for your letter of May 2, 1985 which I received upon my return to the United Kingdom. I am glad we had the opportunity to meet in New York. I hope the steps which have been taken for membership and elections will lead to strengthening of the Party.
The latest Amnesty International Report published in April 1985, has come out. It is important for our Party members to get copies of this report from the local Amnesty branch and then act on it. I think Yahya Qureshi and Naeem Khan would be particularly useful in advising how to use the material in the report.
Since we get discount price on paper and printing, the cost of 'Amal' is the same as if it were printed elsewhere. This is because our Printer does not use the cheap paper and can give us discount only on what he uses. Printing elsewhere on cheap paper would be the same.
However, Bashir Riaz is trying to find out costing elsewhere because the present printer takes a week to print. Thus when we are in a position to make it a fortnightly, we will need to give it to another printer (on cheap paper) so we can get it quickly.

http://www.apnaorg.com

Enclosed please find an interview of mine published in 'Muslim'.
Thank you for the confidence you have reposed. You have been like a brother to me and it is a matter of encouragement to know I can depend on you.
Please give my warmest regards to your family members.
With best wishes,

Yours Sincerely,

Benazir Bhutto

Dear Brother Qayyum Nizami

Thank you for the good wishes on the occassion of my birthday. I have just returned from a trip to Lahore to galvanize the Party and to announce the 'Awami Budget'. The 'Awami Budget' is revolutionary document aimed at restructuring the society and transforming the lives of the poor of the nation. At the same time it is a document which consolidates the position of the Party in the middle class, the very class we create in an attempt to end poverty. I will try to send a copy to you.

As you know, Junejo will be going abroad soon. Please see that the overseas units take this opportunity to organize protest visits and lobby effectively to show him as Zia's man. In an interview to the Far Eeastren Economic Review dated June 19, 1986 Zia made it clear that Junejo owes his seat to him and not the electorate. Junejo was about to become unseated when Zia "bailed him out."

According to Zia, "The Prime Minister, the Secretary General and a few others would have lost their seats, so I rectified it. I issued an ordinance, that saved the Prime Minister. I will be quite frank. I bailed him out"

Please see that Dr. Abdullah also gets copy of this alongwith Yahya Querashi. Hamdani may alert the European and Meddle east units.

I saw your wife when I was at Lahore. I Hope Inshahalla that soon you will be here to assist the Party and to assist me. Frankly, our party workers, or at least a fringe amongst them, need political training and education. The causes of our weakness are in fighting

http://www.apnaorg.com

and drama baazi. Most of the workers don't resort to this but a few hamper their work by such offset. When I was in Lahore, I made it clear that I would not sit in disputes as it was not my role. The role was to bring democracy in the country and to explain the party programme amongst all the hostile elements.

In view of Rashid Rabbani's arrest, it is not wise for you to return until the autumn when the Party has ended Zia's dictatorship.

It is not always possible for me to reply, particularly when there is so much going on here. But I know you will do your best abroad as you have done in the past and coordinate with Dr. Naseer Shaikh, Jam Sadiq, Hamdani and Dr Niazi.

With good wishes,

(Benazir Bhutto)

November 29, 1986

Mr. Qayyum Nizami,
Lauderdale Towers,
Barbican,
London EC2,
U.K.

Dear Brother Qayyum Nizami,

I am happy to receive your letter dated 20th September 1986, and to learn of the protest plans undertaken by the Pakistan Peoples Party workers in Europe during the August Movement.

The Schedule here is extremely busy. Naheed is helping me deal with overseas correspondence. She is like your sister and I hope there will not be any misunderstanding.

All of us appreciate your services to the party. Whenever I go to Lahore, I think of you and your family and of the assistance you would be to the party and myself. I pray for the day when you can return. I know you will continue to work with same dedication,

http://www.apnaorg.com

commitment and intelligence, which has become your hallmark over the years.

Be assured of my good wishes.

Your Sister,

(Benazir Bhutto).
Co-Chairman. P.P.P.

December 21, 1986

Mr. Qayyum Nizami,
80, Twyford Abbey Road,
Park Royal,London NW 10.

Dear Brother Qayyum Nizami,

I had a meeting with Begum Nizami in Karachi and Lahore. She gave me your article on Bhuttoism, which we are going to publish in monthly Javaid after asking local Jang.

In the past you were looking after North America alongwith Dr. Abdullah. Therefore, you have knowledge of the party there just as Jam Sadiq and Hamdani have knowledge of who's who in Europe.

If you like, I would be happy to write and ask the I.C.C. that they should include you as representative for North America. Please do let me know.

As far as the study circle is concerned, Please prepare the lectures in the course first, send them to Pakistan for approval and then you may start the study circle groups.

Please send one copy of lectures to CC's office and one to Mr. Janbaz member CEC.

With Best Wishes,

Your Sister,

(Benazir Bhutto)

http://www.apnaorg.com

Mr. Qayyum Nizami September 8, 1991
Political Secretary
Co-Chairperson
Pakistan Peoples Party.Lahore.

Dear Nizami Sahib,

Thank you for your letter regarding the inclusion of Shahnawaz Bhatti in Executive Committee, PPP, Lahore.Please be assured my thoughts always turn to people like Shahnawaz Bhatti, Who have an illustrious record of fighting for democratic cause and I very sincerely want to accommodate them but unfortunately organization has its own limitations.

Anyhow, I will ask the President, PPP, Lahore to keep his name in mind for future consideration.

Sincerely,

Benazir Bhutto

(Benazir Bhutto)

November 30, 1991

Mr. Qayyum Nizami
Political Secretary to
Co-Chairperson
Pakistan Peoples Party.Lahore.

Dear Mr. Nizami,

I am impressed by the manner in which the Central Secretariat Lahore is working to organize the party on scientific lines.

Kindly send me the paper you have given to Mr. N.D. Khan on various topics. I hope that you in conjunction with your colleagues especially Pervaiz Saleh, Mr. M.A.K. Chaudhry, Mr. Nawazish Zaidi would continue to work hard for the betterment of the party organization.

Sincerely,

Benazir Bhutto

(Benazir Bhutto)

http://www.apnaorg.com

December 13, 1991

Dear Mr. Nizami

I thank you for your article "Twenty Four Years of Pakistan Peoples Party".

This article was very well written and I appreciate it.

Sincerely,

Benazir Bhutto

(Benazir Bhutto)

Mr. Qayyum Nizami
Political Secretary to
Co-Chairperson,
Pakistan Peoples Party
Lahore.

March 12, 1992

Dear Mr. Nizami,

Thank you for your letter regarding the recently held election for the Lahore High Court Bar Association.

It is the party who has to decide about the candidature and not the lawyers and it is very unfortunate that members of PLF did not carry out the directives of the party to support Dr. Farooq Hassan, a candidate of Nawabzada Nasrullah.

Nawabzada Sahib is our ally with whom we had made a commitment to support the candidate sponsored by him.

I shall advise you to kindly investigate as to why the discipline was violated.

Sincerely,

Benazir Bhutto

(Benazir Bhutto)

http://www.apnaorg.com

July 6, 1992

Mr. Qayyum Nizami
Central Secretariat
Pakistan Peoples Party
Lahore.

Dear Mr. Nizami,

As the new organization has been announced by the President, PPP, Punjab. Kindly write to all the divisional, district and city Presidents to activate all sincere Party workers during re-organization of the party at the grass root levels.

Sincerely,

(Benazir Bhutto)

Mr. Qayyum Nizami
Central Secretariat
Pakistan Peoples Party
Lahore.

June 23, 1992

Dear Mr. Nizami,

Thank you for your letter addressed to Mohtrama Benazir Bhutto, Co-Chairperson, Pakistan Peoples Party regarding Foundation Day.

The Co-Chairperson has appreciated the idea of holding a convention. You may form organizing committee yourself and you will be the incharge of overall programme.

All CEC members, Provincial Council Members, Central Committee Members, Presidents and General Secretaries of affiliated bodies at National and Provincial level should be invited.

http://www.apnaorg.com

In addition all Divisional office bearers and District office bearers be invited.

However, only one member per district will be allowed to speak and this decision will be taken in their meeting arranged at divisional level one day before the convention. Entry cards should be printed and made available at Lahore Secretariat. Only at payment of Rs. 100/= should card be issued.

Date for CEC meeting should be November 28 and Convention should be on November 29.

Sincerely,

(Naheed Khan)

Political Secretary to
Co-Chairperson
Pakistan Peoples Party.

http://www.apnaorg.com

LETTERS FROM Q.N. TO M.B.B.

Honourable Miss Benazir Bhutto
Acting Chairperson Pakistan Peoples
Party. London U.K.

Dear Miss Benazir,

I hope my letter will find you in good health. I am writing this letter with feelings of sadness and frustration. I was shocked to know that you have suspended the membership of Mr. Qayyum Butt ex MNA and member central committee and expelled Sardar Mazhar from the party. Both are very old and sincere party workers who have donated the prime years of their lives to the party. Their sacrifices for the PPP during military regime are known to you and the people of Pakistan. Druing your recent visit to United States you praised Mr Butt for his services and also mentioned his name in your public speech in London on 8th April 1984. I wonder why you were forced to take extreme action against him after a few weeks of your remarks. I had been working for the party as a Provincial office holder since 1972 and can not recall any precedent that Chairman Shaheed whom We all love the most, ever expelled any old worker of the party. I believe that both Mr. Butt and Mr. Mazhar have full confidence in your leadership inspite of difference of opinion on certain issues. As long as you enjoy the confidence of the people nobody can undermine your leadership and can make its own group. However you can cement the confidence of the masses if you always keep in mind that the friends of the people are your friends and the enemies of the people are your enemies. I am confident you are capable to maintain the unity of the party. I wrote you a letter earlier and requested not to take severe action, perhaps it did not reach in time. Your action against the leftist of the party will discourage and demoralise the progressive, sincere, active and selfless party workers throughout Pakistan.

In the name of the unity of the party under your charismatic leadership I urge you to please revise your decision and reinstate the membership of Mr Qayyum Butt and Sardar Mazhar. I am sure you will consider my request favourably in the larger interest of the

http://www.apnaorg.com

party. Please convey my regards and best wishes to Begum Nusrat Bhutto Chairperson P.P.P.

Hope to hear from you soon.

With regards

Yours Sincerely

Qayyum Nizami

Date: 06 July 1984

32-2950 Penny Dr Ottawa
K2B 6H5 Canada.
Tel: 613-828-2925

Honourable
Miss Benazir Bhuto
Co-Chairperson P.P.P
70-Clifton Karachi

Dear Miss Sahiba

I wish to bring to your attention the problem of political exiles. PPP is a majority party of Pakistan and had been focus of persecution and victimization by martial law regime during its reign of terror for the last nine and half years. The majority of the exiles belong to our party. As you also lived in exile, you are fully aware of the agony, conditions and circumstances the exiles are experiencing in different parts of the world. The political exiles left their homeland for fear of life and liberty. Several of them are in exile for the last nine years.

Unfortunately the exiles have been ignored and no effective voice has been raised for their safe and honourable return to Pakistan. I request you to please set up a committee for exiles which should find ways and means for their return and also pressurize the Government to withdraw cases against the exiles. The crime of the exiles is that they actively struggled for the restoration of Democracy and Human

http://www.apnaorg.com

Rights in Pakistan. I hope you will take up the matter urgently which has been ignored previously.

With best wishes and regards.

Yours Sincerely

(Qayyum Nizami)

12-Nigel-Road Forest Gate
London E.7

Honourable Miss Benazir Bhutto
Chairman Pakistan Peoples Party
70-Clifton Karachi Pakistan.

Dear Miss Sahiba,

I was very pleased to receive the invitation card from Begum Nusrat Bhutto to attend your marriage ceremony. I wish to attend the marriage of my sister and leader. As you know I have been convicted for 14 years in absentia in connection with Awam Dost pamphlet case, which is not of serious nature. I urge you to please use your influence to get assurance that I shall not be arrested on the golden occasion of your marriage. As the circumstances stands today you definitely need a reliable and honest colleague in Punjab, where we recently made a blunder to involve ourselves in the by-election. I am sure you were misinformed and misguided about the constituency of Mianchunoo. The workers and sympathizers of the party have been demoralised due to the foolish decision of Punjab Peoples Party. I hope you would do whatever possible for my return to Pakistan. I do not mind even if I have to stay in Jail for couple of months. The nature of the case against me is such that your influence and the pressure from the party will get me released soon.

My constituency had been ignored in party organization. Please allow me to set up a committee for my constituency which will carry out political and social activities with the coordination of Lahore and Punjab Party. The activities of Jam Sadiq Ali are mysterious and injurious for the party. He never hesitates to give news to the press even if it would demage the party. Nobody is above the party

http://www.apnaorg.com

discipline, I am writing a letter to Jam sahib and shall send you the copy.

You have recently nominated a committee to win over the influential people. This is not a bad idea if we can win over the national traders, industrialists and intelligentia. The feudal and PPP can not coexist although exceptions are always there. I am sure the party will move forward under your dynamic leadership. I am glad to know that the foreign policy of the party will remain non-aligned and neutral. I always send you my honest, sincere and frank opinion because you always appreciate, if it is based on good faith and good intention. I hope you remember your commitment to act as a supreme court and to give fair chance to everyone to plead his case. I wish you good luck, good health and very happy married life.

With kindest regards.

Your sincere follower

(Qayyum Nizami)

12-Nigel Road London E.7
P.S.

I saw Mukhdoom Talib-ul-Mula in London. He said that you were very angry with Mr. Khalique in the Central Executive meeting. He seemed to be adamant that his family would never split in the political field. I tried to convince him that he is respected throughout the country due to his old affiliation with PPP. Please try to reconcile with Khalique. He has sacrificed during Martial Law regime. We should not loose those who stood with PPP in hard time. I shall wait for your response to finalize my decision to return to Pakistan.

Honourable
Miss Benazir Bhutto
Chairman P.P.P

Dear Miss Sahiba,

I hope my letter will find you in good health and spirit. I congratulate you for holding party elections in Punjab and hope

http://www.apnaorg.com

these elections will definitely strengthen the party inspite of nominal differences in some districts. These elections will be remembered as one of your big achievements because these are being held after 20 years of inception of PPP. After couple of months the elections could be held at district level. You are the symbol of the unity of Pakistan and party therefore I honestly feel that you should have full authority to remove the elected person if he works against the interest of the party in order to maintain the unity of the party. I would like to know your reaction about the results of party elections.

The progressive workers of the party inside and outside the country are not happy with your pro US public statements. You are the only leader in the history of Pakistan who has openly supported US. You may have good reasons for that, but I fear our party may loose the base. The people of Pakistan have never trusted US due to its anti people and anti Pakistan role in the past. Inspite of open support we could not get the effective pressure for the release of political prisoners and right for judicial review. Can we expect that US will help for fair elections and for transfer of power?

Your 34th birthday was celebrated in London at the residence of Mr. Irshad Bukhari, more than hundred people participated. A pamphlet published by Information Bureau is enclosed which is being circulated to all overseas PPP units.

Mr Altaf Khan has paid for the printing and calligraphy of this pamphlet. I have not received any material from Mr. Viqar Abid inspite of your instructions and my reminder. Mr. Naseer Shah has been very kind to answer my every letter. You need a very very responsible staff in your office. In my previous letter I mentioned about my return to Pakistan and still hope you will do whatever you can do to help me. With best wishes and regards

Yours Sincerely,

(Qayyum Nizami)

http://www.apnaorg.com

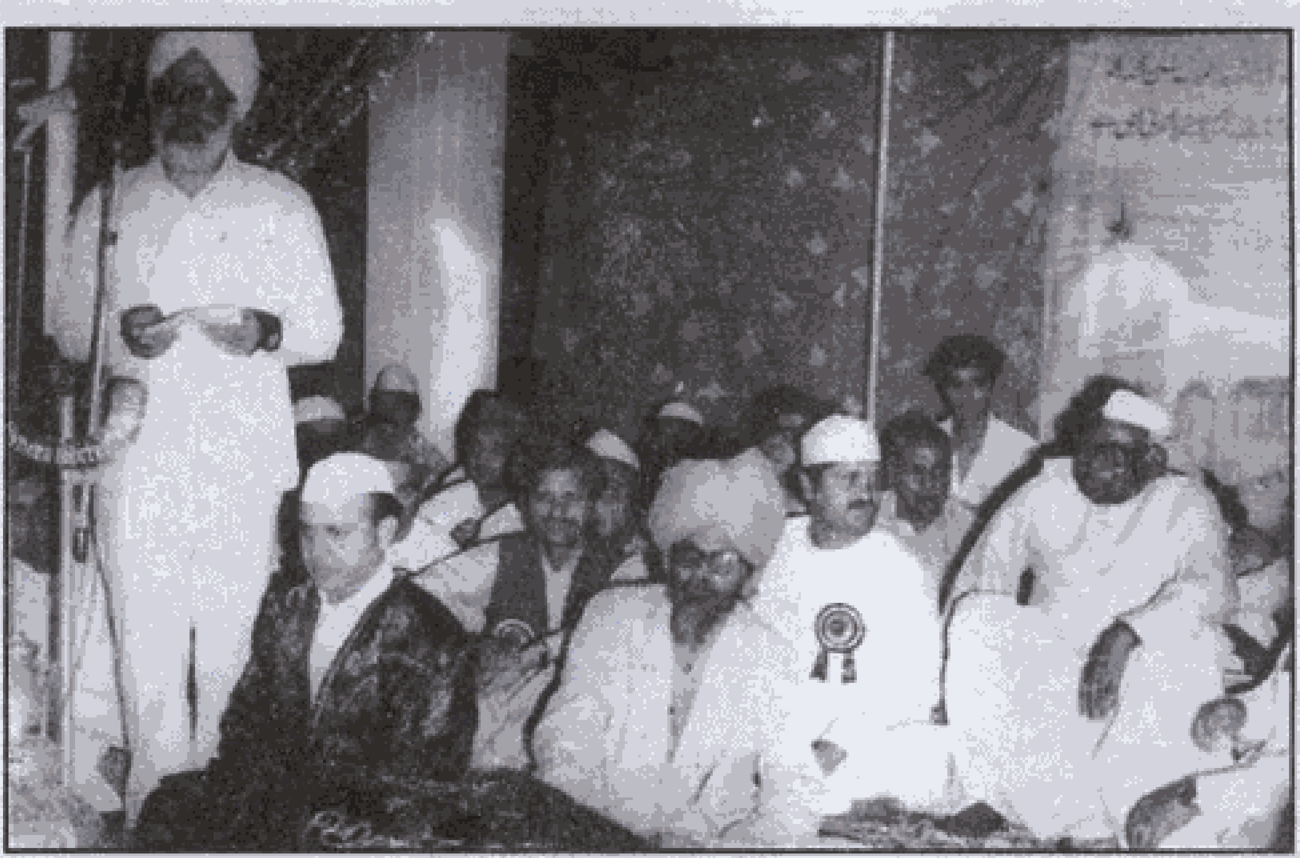

دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء کے عرس پر ایک تقریب میں۔
سابق وزیر دفاع جگ جیون رام نمایاں ہیں

قیوم نظامی ضیاء مارشل لاء کے دوران

http://www.apnaorg.com

قیوم نظامی لاہور ایئر پورٹ پر وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کے استقبال کے لئے کھڑے ہیں۔

قیوم نظامی ایک تقریب میں شیخ محمد رشید خطاب کر رہے ہیں۔

قیوم نظامی لندن میں جام صادق علی کے ساتھ

لندن: ارشاد بخاری کی رہائش گاہ پر قیوم نظامی۔ یحیٰ بختیار اور
نسیم احمد، شیخ جاوید الرحمٰن، شمیم احمد خان، زاہد ملک

http://www.apnaorg.com

جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دوران آئینی ترامیم کے خلاف احتجاج

قیوم نظامی گریجویشن کے بعد

نوجوان بیرسٹر

بچپن اپنے والد سر شاہ نواز بھٹو کی گود میں

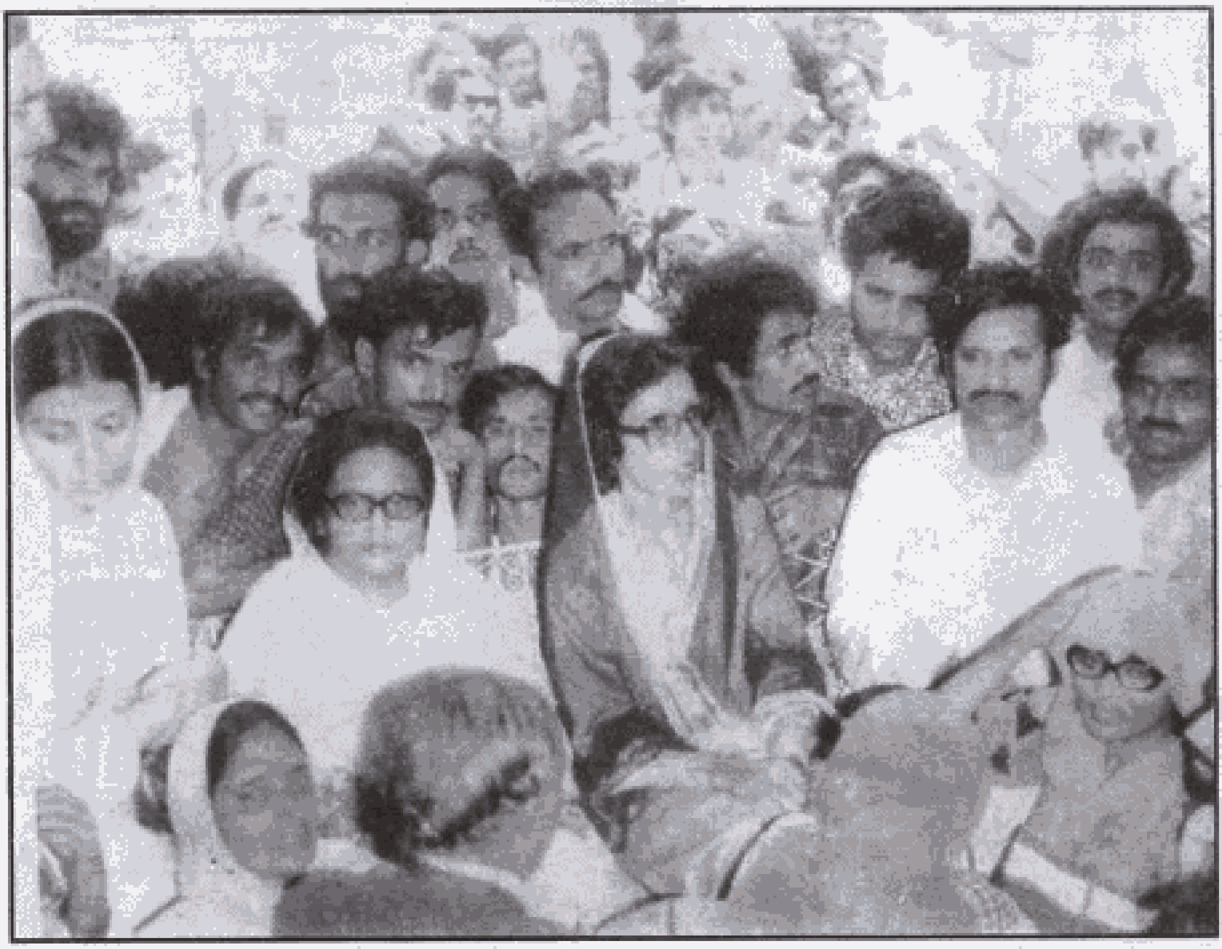

ستمبر 1978ء۔ قیوم نظامی محترمہ بے نظیر بھٹو کے ہمراہ لغاری ہاؤس لاہور میں

http://www.apnaorg.com

مرحوم بھٹو متحدہ عرب امارات کے صدر زید بن سلطان النہیان کے ساتھ

ذوالفقار علی بھٹو قذافی سٹیڈیم لاہور میں
کرنل معمر قذافی کے ہمراہ

بیگم نصرت بھٹو اکتوبر 1977ء کی انتخابی مہم
کے دوران (جنہیں بعد میں ملتوی کر دیا گیا)
کے دوران پارٹی کارکنوں کے ہمراہ

1998ء بے نظیر بھٹو لاہور میں نوابزادہ نصر اللہ خان کے ساتھ

قیوم نظامی لندن میں ایک عشائیہ سے خطاب کر رہے ہیں
پیار علی الانہ، ڈاکٹر ظفر نیازی اور راجہ منصور نمایاں ہیں

http://www.apnaorg.com

قیوم نظامی کے والد کمسن پوتے اور پوتی کو تمام رات گود میں لے کر بہلاتے رہے

شیر خوار قذافی نظامی کی پندرہ روزہ نظر بندی

لاہور۔ 9 مارچ (سٹاف رپورٹر) بیگم قیوم نظامی کے ساتھ جیل میں ان کا جو شیر خوار بچہ پندرہ روز کی نظر بندی کی سزا بھگت رہا ہے اس کا نام قذافی نظامی ہے چار ماہ کا قذافی نظامی اس وقت ماں کی گود میں تھا جب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم کے تحت پولیس نے رات کے دو بجے بیگم قیوم نظامی کو گرفتار کیا آج صبح انہیں کوٹ لکھپت جیل رہائی کے فوراً بعد نئے حکم کے تحت پندرہ روز کے لئے دوبارہ جیل میں بند کر دیا گیا پیپلز پارٹی پنجاب کے سیکرٹری اطلاعات قیوم نظامی ایک سال قید کی سزا بھگت رہے ہیں جیل میں انہیں دس کوڑے بھی مارے گئے پولیس نے بیگم قیوم نظامی کو جب آدھی رات کو گرفتار کیا تو قیوم نظامی کے والدین گھر میں نہیں تھے۔ بیگم قیوم نظامی اور چار ماہ کے قذافی نظامی کی نظر بندی کے بعد اب گھر میں 3 سالہ عرفات نظامی اور پانچ سالہ عارفہ نظامی اکیلی رہ گئی ہیں رات گئے ماں کی گرفتاری پر یہ دونوں بچے بری طرح بلکتے رہے۔

روزنامہ مساوات 10 مارچ 1978ء

بیگم قیوم نظامی اور ان کے چار ماہ کے بچے کو کوٹ لکھپت جیل بھیج دیا گیا

تین اور پانچ سال کے دو بچے گھر میں رہ گئے

لاہور۔ ۸ مارچ (سٹاف رپورٹر) پیپلز پارٹی کے عہدیداران اور کارکنوں کی پکڑ دھکڑ کے سلسلہ میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کے حکم کے تحت پولیس نے کل رات بیگم قیوم نظامی کو بھی گرفتار کر لیا۔ پیپلز پارٹی پنجاب کے سیکریٹری اطلاعات جناب قیوم نظامی پہلے ہی ایک سال قید اور دس کَڑوں کی سزا بھگت رہے ہیں بیگم قیوم نظامی کے ساتھ اُن کا چار ماہ کا معصوم بچہ بھی ہے جو شدید بیمار ہے پولیس نے ماں اور بچے کو کوٹ لکھپت جیل بھیج دیا تین اور پانچ سال کے دو بچے گھر میں ہیں۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی طرف سے نظر بندی کا جو حکم جاری ہوا اُس میں کہا گیا ہے کہ نواب محمد احمد خاں کے مقدمہ کا فیصلہ عنقریب متوقع ہے اور رپورٹ کے مطابق بیگم قیوم نظامی اور پیپلز پارٹی کے دوسرے لیڈر و کارکن ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہیں جن سے امن و امان خراب ہو سکتا ہے۔ اس لیے اُنھیں نظر بند کرنا ضروری ہے۔

روزنامہ مساوات 9 مارچ 1978ء

http://www.apnaorg.com

1977ء۔ بیگم نصرت بھٹو۔ قیوم نظامی کی رہائش گاہ
سمن آباد لاہور میں ان کے ساتھ حاجی عبدالحمید نظامی بیٹھے ہیں۔

http://www.apnaorg.com

بچے سمیت خاتون کی نظربندی

امن عامہ کے تحفظ کے لیے پیپلز پارٹی کے بعض عہدیداروں اور کارکنوں کو دس سے پندرہ دنوں کے لیے نظر بند کرنے کے سلسلے میں جو کارروائی کی جا رہی ہے اس کی ضرورت اور جواز سے قطع نظر اس اطلاع پر تعجب اور اضطراب کا اظہار کیا جائے گا کہ ان نظربندوں میں ایک ایسی خاتون بھی شامل ہے۔ جس کے چار ماہ کے بچے کو بھی اس کے ساتھ جیل بھیج دیا گیا ہے۔ اگر یہ کارروائی فی الواقع ناگزیر تھی۔ تو بھی یہ مقصد اس خاتون کو اپنے ہی گھر میں نظربند کر دینے سے بھی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ موجودہ حکومت کے متعلق کئی حلقوں کا یہ تاثر ہے کہ بعض معاملات میں وہ بہت زیادہ نرمی سے کام لیتی ہے۔ چنانچہ اس کے مارشل لاء تک کو بھی ڈھیلا ڈھالا قرار دیا جاتا ہے۔ بہرحال یہ گزارش بے جا معلوم نہیں ہوتی کہ معصوم بچے سمیت ماں کو جیل میں نظربند کرنے کے اقدام پر بلاتاخیر نظرثانی کی جائے اور اعلیٰ سطح پر یہ جائزہ بھی لیا جائے کہ نظربندی کے احکام کے سلسلے میں پوری احتیاط اور پڑتال سے بھی کام لیا جا رہا ہے یا نہیں؟ اس گزارش کی ضرورت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کی طرف سے نظربندی کے سلسلے میں جاری ہونے والے بعض احکام کے باعث بھی محسوس ہوئی ہے۔ جن کی نوعیت کے متعلق یہ سوال بھی پیدا ہو گیا ہے کہ ان کے اجراء میں نادانستہ حماقت کا عنصر شامل ہو گیا تھا یا درپردہ شرارت کا؟ یہ معاملہ اس لئے بھی اہم ہے کہ ہنگامی کارروائی کا مرحلہ تو جلد گزر جاتا ہے۔ لیکن کوئی غلط اور نامناسب کارروائی سرزد ہو جائے۔ تو اس کے اثرات بہت وسیع اور دیرپا بھی ہو سکتے ہیں

اداریہ

روزنامہ نوائے وقت

11 مارچ 1978

دورہ شمالی کوریا ایک یادگار گروپ فوٹو

وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو اپنے بچوں اور خاوند کے ساتھ

قیوم نظامی، بیٹا عرفات بمعہ سرور بیگم کشور پوتی مریم داماد اسد الحق بیٹی بے نظیر بمعہ رم بیٹا فتد افی بیٹی عاطفہ داماد معظم سلطان

نیو یارک امریکہ میں پبلک میٹنگ سے بے نظیر بھٹو، قیوم نظامی، ڈاکٹر عبداللہ ریاڑ، افضال قریشی اور شبیر احمد

http://www.apnaorg.com

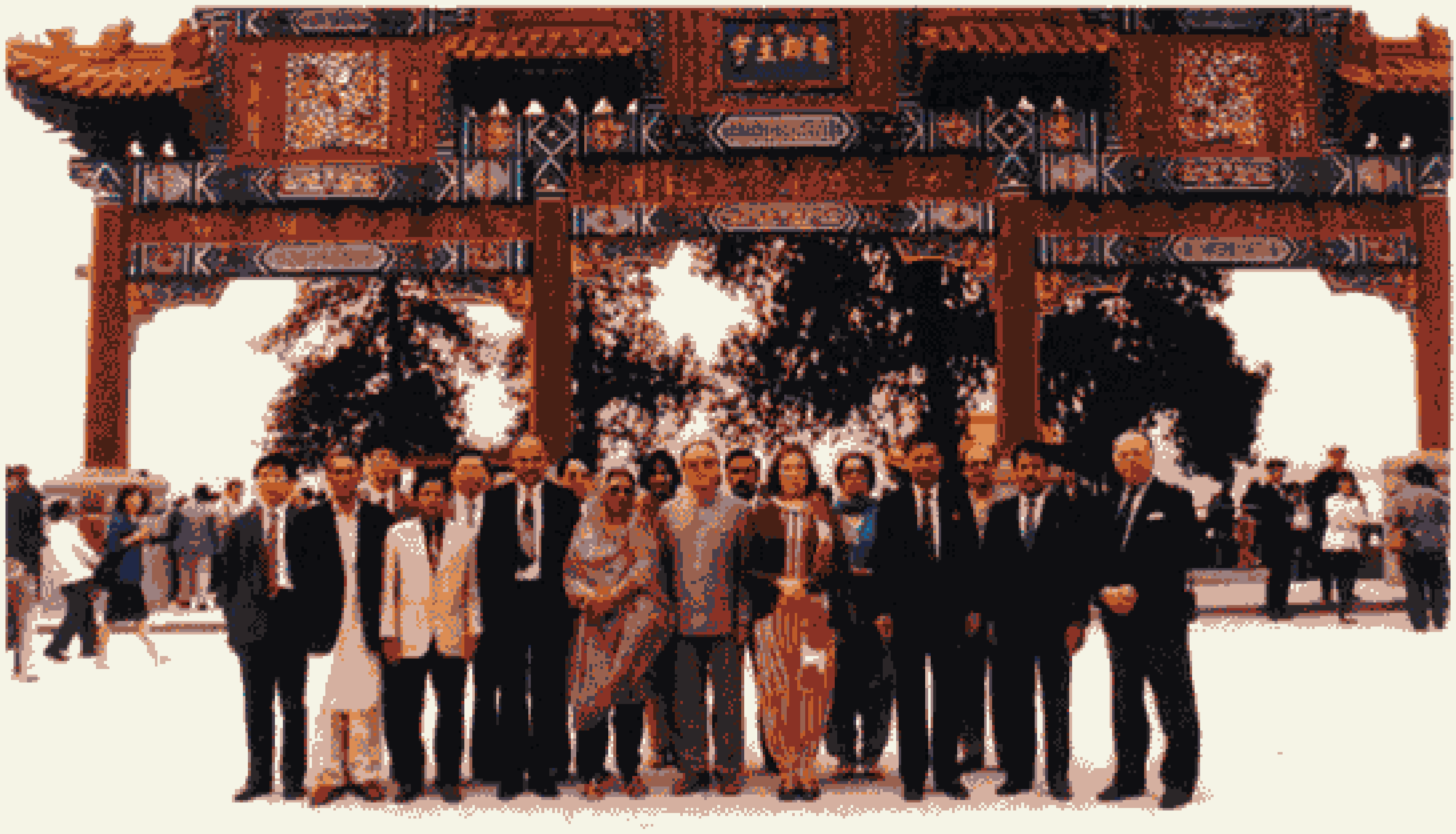

بیگم نصرت بھٹو کے ہمراہ چین کے دورہ کے موقع پر ایک گروپ فوٹو

قیوم نظامی چین کے راہنما کے ساتھ

http://www.apnaorg.com

لاہور میں تاسیسی کنونشن محترمہ بے نظیر بھٹو، قیوم نظامی، حاجی ممتاز کاہلوں اور اسلم گل

محترمہ بے نظیر بھٹو 19 اکتوبر 1993 میں وزیر اعظم کے عہدے کا حلف اٹھاتے ہوئے

http://www.apnaorg.com